



الْأَنْبِيَاءُ الْحَقَّانِ وَفِيهِمْ الرِّسَالَةُ
الْعَزِيزَةُ

حیاتِ انبیاءِ کرام

حضرت نبی اکرام ﷺ کی حیاتِ مبارک پر
معارف، استشفاع، مسکو و طاب تہوار کے اشعار پر
ایک بے نظیر مختصر مرقع و شش کتاب۔



ترجمہ
حضرت علامہ مفتی سعید احمد صاحب دہلوی مدظلہ العالی
تالیف و تہذیب حضرت مولانا محمد رفیع صاحب مدظلہ العالی
پہم، ثانی، سہم و چہم جلدیں سہ ماہی میں مکمل ہوگا

ناشر

المکتبۃ الاشرفیۃ • ماسٹر اشرفیہ

فیروز پور روڈ • لاہور

فہرست

معنا میں حیات انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ	نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱	پیش لفظ	۱	۱۹	کتاب اللہ کی تیسری شہادت	۱۹
۲	معاہدہ سکس	۲	۲۰	کتاب اللہ کی چوتھی شہادت	۲۰
۳	ثالث نامہ	۳	۲۱	کتاب اللہ کی پانچویں شہادت	۲۱
۴	مکتوب گرامی	۴	۲۲	توضیحات	۲۲
۵	سجود راولپنڈی کی تفصیل	۹	۲۳	احادیث شریفہ	۲۳
۶	جلس اشد اتحید و سنت کی توثیق	۱۱	۲۴	حدیث اقل	۲۴
۷	اقتباس	۱۲	۲۵	حدیث دوم	۲۵
۸	مکتوب ثانی سلاماً فی صاحب	۱۳	۲۶	حدیث سوم	۲۶
	موصوف		۲۷	رفع اشتباہ	۲۷
۹	مشاہدات النبی صلی اللہ علیہ وسلم		۲۸	حدیث چہارم	۲۸
	پر مہلک کی تحلیل نظام المدارس		۲۹	استدلال	۲۹
۱۰	تہبید	۱۸	۳۰	حدیث پنجم	۳۰
۱۱	موصوف	۲۳	۳۱	استدلال	۳۱
۱۲	حیات برد خنی	۲۳	۳۲	شہادت اجماع	۳۲
۱۳	ہمارا عقیدہ	۲۵	۳۳	تصریحات علامہ اسلام از عقیقہ کرام	۳۳
۱۴	ہمارا دعویٰ	۲۶	۳۴	تصریحات علامہ شافعیہ و حنبلیہ و مالکیہ	۳۴
۱۵	تحقیقات خمسہ	۲۷	۳۵	تصریحات حضرات فرقہ اہلحدیث	۳۵
۱۶	کتاب اللہ کی پہلی دلیل	۲۷	۳۶	تصریحات اکابر یوہنہ	۳۶
۱۷	کتاب اللہ کی پہلی شہادت	۲۸	۳۷	آخری گلدائش	۳۷
۱۸	کتاب اللہ کی دوسری شہادت	۲۸	۳۸	عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۳۸
			۳۹	کی اہمیت	۳۹

صفحہ نمبر	نام مضمون	صفحہ نمبر	نام مضمون	صفحہ نمبر
۲۹	مشکوٰۃ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اکابر دیوبند کا مسک	۵۳	دعوت فکر	۸۷
۳۰	اور اکابر دیوبند کا مشترکہ مطلق	۵۵	عذاب قبر	۹۰
۳۱	ایک فتویٰ کی وضاحت	۵۶	سکریں حیات کا اعتراض	۹۳
۳۲	ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کا ایک فتویٰ	۵۷	سکریں حیات کا فتا	۹۴
۳۳	حضرت مفتی اعظم پاکستان کا مفصل فتویٰ	۵۸	عالم ہند	۹۵
۳۴	مقدمہ	۵۹	صحیح حدیث سے جسم کے منتقب	۹۶
۳۵	مسک اہل سنت والجماعت	۶۰	ہونے کا ثبوت	۹۷
۳۶	حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مکتوب گرامی	۶۱	سکریں حیات کا ایک اعتراض	۹۸
۳۷	ایک گمراہ کن مقالہ	۶۲	ایک اور مقالہ کا ازالہ	۱۰۰
۳۸	خارج کا قرآنی فروع اور حضرت علی کا جواب	۶۳	قبر کا مفہوم	۱۰۲
۳۹	حضرت عزیر علیہ السلام و فروع واقعات سے استدلال	۶۴	فرق شدہ اور سوختہ اور اکمل	۱۰۳
۴۰	حیات بعد الوفا اور سماج	۶۵	دیوبند کی قبر	۱۰۴
۴۱	عذاب القبر میں علامہ دیوبند کا مسک	۶۶	ایک غلطی کا ازالہ	۱۰۵
۴۲	حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم غلط تفہیم	۶۷	صاحب جمہور القرآن کا نظریہ	۱۰۶
۴۳	عذاب القبر اور دعا فی الجسد	۶۸	بدن مثالی	۱۰۷
۴۴	حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسک علامہ دیوبند	۶۹	حیات انبیاء علیہم السلام اور سماج عذاب القبر	۱۰۸
۴۵	الہند کا تعارف	۷۰	حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسک علامہ دیوبند	۱۰۹
۴۶	تفصیل و تشریح	۷۱	الہند کا تعارف	۱۱۰
۴۷	ایک مقالہ	۷۲	تفصیل و تشریح	۱۱۱
۴۸	انبیاء علیہم السلام پر وفات	۷۳	ایک مقالہ	۱۱۲
۴۹	شریعہ کا درود	۷۴	انبیاء علیہم السلام پر وفات	۱۱۳

صفحہ	نام مضمون	نمبر شمار	صفحہ	نام مضمون	نمبر شمار
۱۳۳	تیسری حدیث	۸۷	۱۸۹	مشراکات کا نقص	۷۲
۱۳۴	سابع موئل کی بحث	۸۸	۱۳۷	حیات جسمانی	۷۵
۱۷۰	آیت سے استدلال کا جواب	۸۹	۱۴۱	قرآن کریم	۷۶
۱۷۲	دوسری تفسیر	۹۰	•	دلالت النص	۷۷
۱۷۹	استعارہ کی نفیس بحث	۹۱	۱۴۷	تطبیق بین الروایات	۷۸
۱۸۶	دوسری حدیث	۹۲	۱۴۸	حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۷۹
۱۹۰	عقل استبعاد	۹۳	۱۴۳	دوسری حدیث	۸۰
۱۹۲	غیر مطلق آیت سے استدلال	۹۴	۱۴۴	اکابر علمائے امت کا اجماع	۸۱
۱۹۸	دعاء اور پکار کی تفصیل	۹۵	۱۴۷	انکساریات کا تاریخی پس منظر	۸۲
۲۰۲	خلاصہ بحث	۹۶	۱۴۹	اہلسنت کا عقیدہ	۸۳
۲۰۷	استشفاع از قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۹۷	۱۴۹	حیات دنیوی کا مفہوم	۸۴
•	علیہ وسلم			مسئلہ سابع انبیاء علیہم السلام	۸۵
•	بلوغ صلوٰۃ و سلام سے مراد	۹۸	۱۵۳	عند القبر	۸۶
۲۱۳	خاتمہ		۱۵۵	دوسری حدیث	۸۷

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیش لفظ

غالباً ۱۹۵۸ء سے پاکستانی میں بعض مسائل و مباحث اور سبب التفریق بنے ہوئے ہیں بعض وہ علماً برزخہ کو اکابر کھائے دیوبند کی طرف منسوب کرتے ہیں وہی اکابر دیوبند کی تحقیق سے ان مسائل میں استکوت و انحراف کر رہے ہیں۔

ان مسائل میں سرپرست مسند حیات انجمنی علی الاطلاق و کلمہ ہے اور اسی کی فرخ انحضرت علیہ السلام اسلام منہ الحق الشریعت اور استتلاف من الحق النیف کا مسند بھی ہے، عالم برزخ اور قبر کے مظلوم و ثوب کا مسند بھی انہیں مسائل میں شامل ہرگز مذکورہ مسائل کے لیے بمنزل اصل اصول کے ہے جس میں اختلاف وقت اختیار کر گیا ہے، اس نزاع کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ملک کے مشہور دینی مدد سر خیر المدارس عثمانیہ کے سالانہ جلسہ پر مولانا سیدنا بیت اللہ غلام بخاری گجراتی نے، دینی حضرات کی مدداری اور من سوک اور تمام تر آداب جس سے قلی نظر کر کے اپنے خاص نظریات کی تبلیغ شروع کر دی اور اس خاص مسکب دیوبند کے سٹیج کا اپنے خصوصی نظریات کی اشاعت کا ذریعہ بنایا، جس کا اسی موقع پر شدید رد عمل ہوا، اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسکب اکابر دیوبند کی تائید و حمایت کرتے ہوئے علی انداز میں باحوال خلافت مسکب و نظریات کی تردید اسی جلسہ عام میں کر دی، مگر انہیں اس پر ختم نہیں کیا گیا، بلکہ اکابر دیوبند کے دعوت نظریات رکھنے والے گردو ملانے اپنے ذاتی نظریات کی ہر جگہ برعاطفہ تبلیغ شروع کر دی اور ملک کے محل دہش میں، مسائل علوی سے پرستہ کر دیئے گئے، اس استکوت کو بھانسنے اور عام کو تفریق سے بچانے کے لیے حضرت مولانا خیر محمد صاحب عثمانی اور حضرت مولانا اسحاق صاحب عثمانی

کی شافی کی تجویز بھی فریقین نے تسلیم کی اور دونوں ثالث حضرات نے فریقین کو اپنے اپنے مرقع اور اس کے دفاع لکھنے کے لیے خط بھی ارسال کیا چنانچہ مولانا محمد علی صاحب ہاندر مرئی اور مولانا دل علی صاحب مرحوم نے تحریری طور پر اپنے مرقع کو الگ الگ کے ثالث حضرات کی خدمت میں بھیج دیا مگر دوسرے فریق نے اس سے پہلے ہتھیار کیا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کی آگاہی کے لیے اس جگہ مذکورہ شافی کی مرضی تفصیل بیان کر دی جائے۔ مجلس مختلفہ ختم نبوت کا انعقاد ۱۱۔ یہ تفصیل مولانا محمد علی صاحب ہاندر مرئی مرحوم کی اس قلمی غافل سے مرثیہ کی گئی ہے جو مرکزی مجلس مختلفہ ختم نبوت عمان کے دفتر میں موجود ہے، اندازاً غافل میں اس مسئلے کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ فریقین کی تحریرات مختلفہ میں، یہ اکثر مجلس مختلفہ ختم نبوت کے کارکنوں اور خطیبین کا بے شمار گنہگار ہے کہ انہوں نے یہ قیمتی مسئلہ قلمی غافل مختلفہ رکھی ہوئی ہے اور استفادے کے لیے مقرر کے پاس بھیج دی۔ جزاھم اللہ خیراً

اسب جزم مولانا عبدالرحیم اختر عالم اعلیٰ مجلس ختم نبوت پاکستان خصوصیت سے اختر کے شکر کے لیے کے مستحق ہیں کہ ان کی ترجمہ اور حمایت سے اس قلمی تحریر کی نقل بنیاد پر کی جو مولانا محمد علی اور مولانا دل علی صاحب مرحوم نے ثالث حضرات کی خدمت میں مسد حیات النبی کے بارے میں مان کی طلب پر بھیجی تھی، جس سے فریقین کے استکاف و نزاع کا پتہ چلتا اور موضوع استکاف کا تین ہر تہا ہے۔ ہم اس منسل تحریر کی نقل افادہ عام کے لیے آگے بہ ناظرین کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

معابدہ سکتور۔ واضح برہم، جنوری ۱۹۷۱ء کو کٹر کے ایک اجتماع میں حضرت مولانا اختر احمد خانؒ اور مولانا سید امین خانؒ کو فریقین مولانا محمد علی صاحب ہاندر مرئی، مولانا دل علی صاحب مرحوم، مولانا غلام اللہ خان، مولانا سید عابدیت اللہ شاہ نے درج ذیل تحریر پر دستخط کر کے ثالث تسلیم کر لیا تھا۔

ثالث نامہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده

بخدمت گرامی حضرت شیخ الحدیث علامہ مولانا حفصہ احمد عثمانی

و حضرت مولانا استقام الحق صاحب بخاری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ہم سندہ ذیل فریقین نے مندرجہات ابنی علیہ السلام روایات ہندی روایات (نوی) کے فیض کے لیے آپ دونوں بزرگوں کو حکم تسلیم کیا ہے، امید ہے کہ آپ مہربانی فرما کر سندہ ذیل فریقین کے وفالین کو جو فیصلہ فرمائیں گے فریقین اسے تسلیم کریں گے۔
مگر آٹھ ہم نے آپ کو حکم تسلیم کر کے آپ کا فیصلہ ماننا اپنی تسلیم کر لیا ہے، ہم آپ کے فیصلے کے پابند ہونگے، نہایت ادب سے تمنا ہے کہ آپ ہماری درخواست کو شرفِ جبریت بخش کر ضرور نزاع کو ختم کرنے میں امداد فرمائیں، یہ اجتماع سکریٹری برکات آباد ۱۷-۱۸ جنوری ۱۱۱۱ مقرر کی گئی ہے۔
والسلام المروم ۵ جنوری ۱۱۱۱

محرم جلد ہری بقلم وال حسین اختر وشیخ غلام اللہ عنایت اللہ
ہدایہ کہ اس مقررہ تاریخ مندرجہ ذیل جو وزارت گرامی مولانا محمد علی اسکندرپنہ کے اور ان تلامذہ میں سکریٹری اجتماع دہرہ ساہی کے بعد مولانا استقام الحق بخاری نے مناسب سمجھا کہ زبانی مناظرے اور گفتگو سے پہلے فریقین سے ان کے اپنے اپنے دعوے اور وفالین کی تحریر حاصل کی جائے تاکہ ذہنی بحث و مناظرے اور فیصلے کے وقت اس سے مدد لی جاسکے چنانچہ مجزہ ان دونوں ثالث حضرات کا مکتوب گرامی ہی کہ انہیں نے اس مقصد کے لیے فریقین کی طرف ارسال فرمایا مناسب ذیل ہے۔

مکتوب گرامی

محرم گرامی قدر مولانا محمد علی صاحب جلد ہری

السلام علیکم۔ آپ نے مندرجہات ابنی علیہ السلام میں میں ثالث تسلیم کیا ہے اس سلسلے میں

تقریر ہے کہ آپ اپنا دعویٰ اور اس کے دلائل تحریر کر کے ارسال کریں اور اپنی تحریر کی دو کاپیاں بھی تاکہ ایک کاپی ہم دوسرے فریق کو روانہ کر سکیں، اسی طرح چار چار پرچہ تحریر کرانے جائیں گے۔

۲۔ برآپ تحریر کریں اس پر مولانا اہل حین صاحب اختر کے بھی دستخط ہوں مگر مولانا اہل حین صاحب کو آپ سے کوئی اختلاف ہو تو وہ اپنا اختلافی نوٹ تحریر کریں۔

۳۔ اس کا جواب دس روزہ کے اندر روانہ کریں۔

(دستخط ثالث حضرات ۱۳۱۲ھ) (از ترجمان اسلام ۲۵ ستمبر ۱۲ اپریل ۱۹۹۶ء)

اس مکتوب گرامی کے جواب میں مولانا محملی جانہ مری نے دس روزہ کے اندر مذکور موضوع و دلائل سے متعلق مفصل تقریر لکھی اور اس پر مولانا اہل حین اختر صاحب کی تصدیقی تحریر بھی حاصل کی۔ وہ تقریر صحیفہ مولانا اہل حین اختر ۱۲ اپریل ۱۳۱۲ھ کو ثالث حضرات کی خدمت میں بھیج دی۔

حضرت مولانا خضر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وصول یابی کی اطلاع دیتے ہوئے مولانا محملی صاحب کے نام اپنے ۴ روزہ ۱۳۱۱ھ کے گرامی نامے میں اتمام فرمایا۔

”آپ کا خط صحیح معنوں میں حیات النبیٰ کو مل رہا“

اب بیٹھ کر مذکورہ ثالث نامہ لکھنے والے دوسرے فریق، مولانا غلام اللہ غاضب اللہ خاں صاحب اور مولانا حیات اللہ شاہ صاحب نے اس مکتوب گرامی کے جواب میں کیا طرز عمل اختیار کیا، جو وہی معنوں کا مکتوب گرامی ثالث حضرات کی طرف سے دوسرے فریق کے نام بھی بھیجا گیا تھا اس کے جواب میں مولانا سید خدایت اللہ شاہ بخاری نے تو حضرت مولانا استقام الحق خاں کوئی کے نام اپنے طویل خط میں لکھا۔

”ہم چاہتی فیصلہ کی پابندی میں حکمران کے ساتھ (دشمنانہ نامہ) کے مطابق موضوع متاخر و حیات برکت و دعویٰ پر ثالث کو گفتگو کرنے کے لیے تیار ہیں اور فریق ثانی کے لیے اعلان کے مطابق تمام مناظرہ مسجد جامع کلاں دروازہ گبرگت، برآمدہ ثالث حضرات اشرف مناظرہ کے مطابق فریقین سے بالحدہ فریق

مذکورہ دلائل کتاب اللہ، حدیث صحیح، اجماع صحابہ، اجتہاد و تفسیر حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام ابو یوسف و امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو اور بتائے حجت فرما کر نقض و معارضہ وارد کر کے اصل حوالہ دہات حاضر فرما کر جو فیصلہ فرمائیں گے، ہمیں منسلک ہوگا۔ ساتھ ہی حکمران (دشمنانہ نامہ) میں ملے ہوئے ہے کہ ثالث حضرات

فریقین کے دلائل میں کوئی فیصلہ فرمائیں گے، واقعی مسائل کے اختلاف و نزاع میں مستند نبوی مل صاحب اصل و اہل

اور طریقہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بالمشافہ ٹھٹھکا ہے۔ ۶۱۔

اور مولانا غلام اللہ خاں صاحب نے ۱۲-۳-۱۱۷۷ کے اپنے خط میں مولانا مفتاح الحق صاحب ہی کو لکھا..... "مختصری مناظرہ اندریں حالات کرے صاحب ہر جگہ پہنچ چکا ہے اور غلامی تو غلام ہی مختصری کریم ہی دلال نہیں گے اب آپ کے ارشاد سے مولوی محمد علی اور اس کی جماعت کا مقصد پورا ہو گیا کہ سامنے ہی غلامی اور بنام کرنے کے لیے پوری طرح سازشیں کرتے ہیں، غلام و غلام کر جے غبر بکس لہذا میں عرض کرتا ہوں کہ مناظرہ تو سامنے ہوا ہر فریق کے علاوہ کام میں ہونے اور کتابیں سامنے ہونے دلال پر جرح اور دفع ہو گیا بلکہ لوگوں کو موقع نہایت فراہم وہ صرف مناظرہ ہی نہیں تاکہ لوگوں کو صادق و کاذب معلوم ہو سکے۔" (۱) لہذا ٹھٹھکا بہرہ مبارک لکھنی مانفد سبب ازمن نائب ناظم جمعیت اشاعت الترمید والسنہ دار لہ پٹہ (۲)۔

ثالث نامے میں فریقین کے اجتماع کا تمام حکم مقرر کیا گیا تھا مگر ثالث حضرات کے مکتوب گرامی کے جواب میں مولانا سید منیر شاہ صاحب تمام مناظرہ جامع مسجد کلاوی دروازہ گزرات مقرر کر دیے ہیں یہ تبدیلی کیسے کر دی گئی؟ فقیر اس کی حقیقت یہ ہے کہ مکتوب کے ساتھ کے علاوہ دو بیان میں ایک اور مناظرہ کے انعقاد کے لیے حضرت مولانا قاضی منیر حسین صاحب ہلال سے مولانا منیر شاہ صاحب کھانسی کی خط و کتابت شروع ہو چکی تھی اس لیے مناظرے کے لیے جس میں حضرت قاضی منیر منظر ہوتے مقام جامع مسجد کلاوی دروازہ گزرات مقرر کیا جاتا تھا، اور حضرت قاضی صاحب معروف کی طرف سے ثالث، چاکر انہیں دو بزرگوں کو گزرات ہانے پر امر کیا جاتا تھا، لیکن یہ ایک بالکل نکتہ اور علیحدہ مناظرہ تھا حضرت ثنائی کے مذکورہ مکتوب گرامی کے جواب میں اس نئے مناظرے کے تمام کا ذکر ہے مطلق اور اجنبی تھا اصل مناظرہ معادہ مکتوب کے مطابق سکھوں ہی ہوتا تھا یا پھر ثالث حضرات کی تجویز کے مطابق کس مقام پر ہوتا اور اس میں فریقین ہی اشخاص ہوتے جنہوں نے مکتوب ثالث نامے پر دستخط کر کے ان دونوں بزرگوں کو ثالث تسلیم کیا تھا۔

اور مولانا غلام اللہ خان صاحب کے خط سے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس مناظرے کو تحقیق مسئلہ کے طور پر نہیں بلکہ عوامی سطح پر بارحیثیت کا مسئلہ بنانا چاہتے تھے اور ثالث حضرات کی تجویز کے خوف غلام کے سامنے مناظرہ کرنا چاہتے تھے اور فریقین میں سے کسی کے صادق و کاذب

معلوم کرنے کا مدار عوام پر رکھنا چاہتے تھے، اگر ان کے نزدیک یہ حضرات ہوں، سلف و یقین منظرے کے ثالث نہیں تھے اور نہ حق کے فیصلہ پر مدار تھا بلکہ عوام پر مبنی کر دار کی ذمہ داری دینا چاہتے تھے۔ ان دونوں کے مشورہ کے جواب میں مولانا مستقام الحق حجازی کا لکھی تاریخ میں حضرت مولانا غلام عثمانیؒ کے دستخطی ثبت میں اور ۱۲ ذوالحجہ ۱۳۸۱ھ کی تاریخ تحریر ہے۔ مولانا سید عیسیٰ اللہ شاہ صاحب بخاری کے نام میں مضمون جاری ہوا۔

گراہی قدر جناب مولانا عیسیٰ اللہ شاہ صاحب بخاری

اسلام علیکم۔ یہاں سے رخصت ہوتے وقت آپ کا پرچہ اور بعد میں ایک بار ملا جس میں اس بات کا اظہار کیا گیا تھا کہ آپ تحریری مناظرہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ میری تحریر کا مدعا نہیں سمجھتے۔ اس کا مقصد تحریری مناظرہ کرنا مدعا نہیں کہ آپ نے سمجھا، بلکہ دینی فتنے کی طرف سے اپنے اپنے دعوای کی وضاحت و مطلب کی تاکہ زمانی بحث میں اس سے مدلی جائے، اور فیصلے کے وقت دستخط شدہ ذمہ دارانہ تحریر ہمارے پاس ہونا چاہیئے تاکہ اس میں کسی فرق کے لیے رد و بدل اور انکار کا امکان نہ رہے۔ لہذا میں آپ کو یہ خط اس لیے لکھ رہا ہوں کہ آپ خط لکھنے کے دس روز کے اندر نافذ رہنا ضروری عادات کے ساتھ لکھ کر بھیج دیجئے، تاکہ ہم قوسی مدت میں اجتماع کی کئی ہجری جمعہ مقرر کریں۔ اور اللہ و الشہاد میں مولانا غلام احمد صاحب کی موجودگی میں دونوں فریق کی زبانی گفتگو کا اہتمام کیا جائے، جسے امید ہے کہ تحریری مناظرے کی جڑ غلطی پیدا ہوگئی تھی وہ میری اس تحریر سے دور ہوگئی ہوگی و اللہ اعلم۔

استقام الحق حجازی ۱۲ ذوالحجہ ۱۳۸۱ھ دستخط مولانا غلام عثمانی

نوٹ: میرے پہلے خط کے جواب کی اب ضرورت نہیں۔ غلام عثمانی

ثالث حضرات کے اس خط سے واضح ہو گیا کہ ان حضرات کا مقصد تحریری مناظرہ نہیں بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ مناظرہ زبانی ہی ہو گا یقین سے تحریری مضمون پہلے اس لیے طلب کیا گیا تھا کہ زمانی بحث میں اس سے مدلی جائے اور فیصلے کے وقت فریقین کے دستخط شدہ مضامین ان کے پاس ہوں اور اس طرح کسی فرق کے لیے رد و بدل یا انکار کی گنجائش نہ رہے۔ لہذا اس خط کے بعد ہی تحریری مناظرے کی جڑ غلطی پیدا ہوگئی تھی وہ دور نہیں ہوگئی اور ثالث حضرات کے بار بار طلب کرنے پر بھی اپنے دعوے

اور دلائل پر مشتمل یہ مطربہ تحریر مولانا غلام اللہ خان صاحب اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب کی تھی
نے ثالث حضرات کی خدمت میں نہیں بھیجی اس وجہ سے دو فریقین کا زبانی مناظرہ ہی ہو سکا اور نہ ہی
ثالث حضرات کا اپنا ثالثی کردار ادا کرنے اور فیصلہ دینے کا موقع مل سکا۔

کیا اچھا ہوتا کہ ثالث حضرات کی تجویز کے مطابق فریقین کا دعویٰ مع دلائل مضبوط ہو جاتا اور کسی فریق
کے لیے بھی اپنے دعوے کے بدلے اور رد نہ ہونے والے دعوے کرنے کا موقع درپڑتا، اور اس
طرح آنے والی نسلوں اور اپنے اپنے مقتصدین و محسبین کے لیے بھی اس مسئلے میں فریقین کے امتحان
و نتائج اور دلائل میں غور و فکر کا سامان ملے ہو جاتا، پھر اس تحریر کے بعد جب حسب تجویز ثالث حضرات
اور مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب سنت نبوی صلی علیہ وسلم اور طریقہ صحابہ رضوان
اللہ علیہم اجمعین کے مطابق فریقین کا زبانی مناظرہ ثالث حضرات کی موجودگی میں ہوتا تو یقیناً مولانا غلام اللہ
خان صاحب کی زبان میں صادق اور کاذب کا علم ہو جاتا، اور صرف اس مجلس مناظرہ ہی میں نہیں بلکہ
ہیشہ کے لیے وہ تحریریں صادق اور کاذب ہونے پر گواہ دیتیں، مگر انوس کر ایسا نہ ہو سکا اور اس کا اصل سبب
بھی معلوم نہ ہو سکا کہ ایک فریق نے اپنے حاکم مع دلائل کے مضبوط تحریر میں دینے سے باز فرما کر یوں امتیاز
کی ہرگز تحریری مناظرہ و سنت نبوی صلی علیہ وسلم کے خلاف تھا تو پھر ثالث دنگو اور زبانی مناظرے
میں ثالث کا اتنا قصور جرح و نقص اور مدار و رد و کرنا و غیرہ، جن امور پر مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب
اپنے خط مذکور میں اصرار کر رہے ہیں سنت نبوی صلی علیہ وسلم اور طریقہ صحابہ کرام کے عین مطابق ہونے کے باوجود مناظرہ
نبوی اور صحابہ کرام کے مناظرہ میں اسی طرح ثالث بنائے جاتے ہاتھ ہونے؟

ثالث حضرات کے درست اور جائز اقدام میں کدورت نکال کر با مقصد مناظرے سے گریز کی
راہ اختیار کرنے کا مقصد معلوم کیا جاتا، جبکہ ثالث حضرات زبانی مناظرہ کرانے کے لیے بھی تیار اور
آمادہ تھے، اور اس کا اظہار ان دونوں بزرگوں نے اپنی اسی تحریر میں بھی کر دیا تھا، اگر پہلے مطربہ تحریر دے
دی جاتی تو کیا کسی شرعی دلیل سے یہ ناجائز ہوتا؟ اور ثالث حضرات اس کو حلیہ کرنا کیا ناجائز تھا؟
اس کے بعد زبانی مناظرے کی سنت پر بھی عمل کر کے اپنا شرعی پورا اور ثواب حاصل کر لیا جاتا۔ پھر تو
یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایسی تحریر کے دینے سے انکار و فرار کہ جس میں دعویٰ اور دلائل مضبوط ہوں
اس لیے تھا کہ فریق مخالفت یا ثالث حضرات میں سے کوئی شخص ان پر گرفت نہ کر سکے، اور کسی طرح

کہ ان پر حجت قائم نہ ہو سکے۔ واللہ اعلم۔

فریقین کے ملائی پر جس قسم کے نقص و سادہ کا مطالعہ اپنے جوانی خط میں موصوفات بیت اللہ شام صاحب نے ثلاث حضرات سے کیا تھا۔ ازراہ انصاف اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ فیصلے کے وقت فریقین کا دعویٰ اور دلائل ثلاث حضرات کے ذہن میں مختصر ہوں اور غائبہ سے کہ یہ مقصد، نسبت زبانی مناظرے کے ترسیل سے بہتر طریقے پر حاصل ہو سکتا تھا۔ ایک طرف تو ثلاث حضرات سے دلائل پر سادہ اور نقص و جرح کا مطالعہ کیا جاتا تھا اور ان پر یہ بھاری ذمہ داری ڈالی جا رہی تھی کہ وہ اصول مناظرہ کے مطابق فریقین سے دعوے نہ کر دوائی سن کر جگہ ان پر باقاعدہ جرح اور نقص سادہ و داد و دکر کے اور اصل سادہ جات کا خلاف کرنا فیصلہ زبانی اور دوسری طرف اس ذمہ داری کے تقاضوں سے گریز کیا جا رہا تھا۔ اپنی ایام میں حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق اہم دلائل علوم و رہنما چنگن کثرت دئے حضرت موصوف نے اپنے حکیمانہ انداز اور تحریر و بیان سے فریقین کے ملائی کو ایک شگفتہ تحریر پر متفق کرنے کے لیے کام کیا، چنانچہ صوبہ ذیل تحریر پر اس وقت کی جمیعت اشاعت التوحید و المستر پاکستان کے صدر مولانا کاظمی فرزند محمد صاحب مرحوم تلمذ دیوبند گورنمنٹ اسکول مولانا غلام شاہ خان صاحب راجہ بانڈا راولپنڈی اور دوسری طرف سے مولانا محمد علی صاحب جالندھری مرحوم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب موصوف کے دستخط و توثیق میں اس ستر فریقین تحریر کو باہر تعلیم القرآن راولپنڈی بابت ۱۱۶۲ھ سے پیشہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے، ترجمہ ہے۔

”دقائق کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جبرائیل کو ہر روز (تقریرین) میں، تسبیح و دعا، حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روزانہ اللہ اس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ و سلام بخشے ہیں۔“

اس تحریر میں ہر روز سے تقریرین کا رولہ ہوا اور روز مبارک کے تعلق سے قرآنی دلائل جبرائیل میں حیات کا حصول، پھر اس حیات کی وجہ سے روزانہ اللہ اس کے پاس سے صلوٰۃ و سلام بخشے کر واضح طور پر تسلیم کیا گیا تھا۔

چونکہ تحریر اصل اختلاف اور نزاع کلام کرنے والے بزرگ سیدنا بیت اللہ شاہ صاحب بخاری کی مرضی کے موافق نہیں تھی، اس لیے انہوں نے اس سے سخت اختلاف کیا، باوجودیکہ ان کی بیعت

کے اعلیٰ عہدہ دار، صاحبِ صدر، اعلیٰ ناظم اعلیٰ، دونوں نے اس تحریر کو منظور کر لیا تھا اور اسی روز ملاپنڈی کے جنرل عام میں اس مصالحت کا اعلان بھی کر دیا گیا تھا، مگر شاہ صاحب موصوفت کی بجائے ہا خداوند غفرت نے اس معاملہ کو پھر الجھا دیا اور ملک میں بدستور اختلاف و افتراق کی فضا قائم رہی، بلکہ بڑھتی چلی گئی، پھر اس کے بعد حضرت مولانا قادری محمد طیب صاحب کے حکم کے مطابق خیر المدارس ملتان میں ملا فریقین کا مصالحت کے لیے اجتماع ہوا، مگر نتیجہ یہ نکلا کہ اتحاد و اتفاق کے نزاع و جدال اور اتحاد باقی کی محنت میں خلا اور بڑی تفریق و بد مزگی کی حالت میں یہ اجتماع ختم ہوا اور اندازہ ہو گیا کہ کسی طرح کی مصالحتی گفتگو نتیجہ خیز نہ ہو گی، مگر یہ تفریق کا باعث ہو گی، اس طرح جیسے شریفانہ گفتگو سے بھی ناامید ہو گئی۔

بھٹو راولپنڈی کی تفصیل

بھٹو راولپنڈی :- ۱۰ اپریل ۱۹۶۲ء کو حضرت مولانا قادری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند پاکستان تشریف لائے اور یہاں پہلی بار ملاقات ہوئی حضرت قادری صاحب نے اپنے پہلے خط میں مولانا غلام اللہ خان صاحب کو حسب ذیل شکر گزشتہ لکھا:

”بھئی کریم علی اللہ علیہ وسلم جہانی طور پر بندہ میں مہیاست میں؟“

مولانا غلام اللہ خان صاحب نے اس کے جواب میں اس خزانہ کو دو کیے بغیر ایک اور خزانہ تجویز کے کہ مہتمم قادری صاحب کی خدمت میں ارسال کیا۔ مگر حضرت قادری صاحب نے اپنے تجویز فرمودہ خزانہ کو ہی دلچ خیاں فرمایا، چنانچہ اس خزانہ سے مولانا غلام اللہ خان صاحب، قادری نور محمد صاحب، مولانا شمس الدین صاحب، مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب نے کی اتفاق کر کے اور چاروں حضرات نے اس پر دستخط کر کے حضرت مولانا قادری صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا، مگر دوسرے حضرات نے اس خزانہ سے اتفاق نہیں کیا، بلکہ فریقین سے خلا و کثابت اور گفت و شنید کے بعد ۲۶ جون ۱۹۶۲ء بروز جمعہ کو دونوں جانب کے اہل حضرت مولانا خیر محمد صاحب حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مرگرمی اور مولانا محمد علی جالندھری، مولانا غلام اللہ خان صاحب، مولانا قاضی نور محمد صاحب، مولانا مفتی مہارشیہ ستا

حضرت تھاری محطیب صاحب کی قیادت میں ۱۰ مرد سرحدیہ عثمانیہ درگاہ کی ملازمت پر تھاری میں جمع ہوئے۔ اس مجلس میں حضرت تھاری صاحب نے مسند حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مفتح قدیم مشترک دونوں باب کے ان زمرہ حضرات کے سامنے دکھا دونوں حضرات نے حضرت تھاری صاحب کی پیش کردہ قدیم مشترک کے عنوان کو قبول کر لیا اور اس قدر مشترک کی تحریری یادداشت پر ہر حضرت تھاری صاحب نے اپنے دستخطوں سے پیش کی فریقین نے دستخط فرمادیتے اس یادداشت کا متن حسب ذیل ہے۔

عامة المسلمين كوقتنا نزاع وجدال سے بچانے کے لیے مناسب ہو گا کہ مسند حیات النبی کے مسئلے کے ہر دو فریق کے زمرہ حضرات عبارت ذیل پر دستخط فرمائیں یہ مسئلے کا قدر مشترک ہو گا حضرت پیش کردہ علم کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ تفصیلات پر بعد درجہ ذیل عبارت مجوزہ حسب ذیل ہے۔

”وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اہل ہر کوہذخ (تقریر شریف) میں یہ متفقہ نص حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روزِ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ والسلام سنتے ہیں۔“

محطیب صالح دارالدین ۲۲ جون ۱۹۶۲ء

محمد علی ہانڈھری دینی خادم اللہ دارالدین صاحب کلمہ ویدیز سنگھ ۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ

(از تعظیم القرآن مہ اگست ۱۹۶۲ء)

دارالدین صاحب اس اجتماع کے پروگرام کی اطلاع مولانا خادم اللہ صاحب نے مولانا کاظمی نور محمد صاحب مولانا شمس الدین صاحب اور سید عمارت اللہ شاہ صاحب بخاری کرچیلے ہی دے دی تھی۔ چنانچہ کاظمی نور محمد صاحب اور مولانا کاظمی شمس الدین صاحب ۲۱ جون ۱۹۶۲ء جمعرات کو دارالدین پہنچ گئے تھے مگر کاظمی شمس الدین صاحب نے دارالدین پہنچنے کے بعد مولانا عمارت اللہ شاہ صاحب کو دارالدین فی الحال نہ آنے کا ٹیلی فون کر دیا اور خود بھی پٹنہ کیسب جلسے پر تشریف لے گئے، اس لیے مزارعہ ذکر دونوں حضرات اس اجتماع میں شریک نہیں ہوئے مگر چونکہ کاظمی شمس الدین صاحب اپنے خطوط میں اس فقرہ مجوزہ عبارت کی کافی تفصیل لکھ کر مولانا محمد علی ہانڈھری کے پاس بھیج چکے تھے اس لیے یہ عبارت مولانا کی بھی سہجہ گئی اور کاظمی نور محمد صاحب اور مولانا خادم اللہ صاحب دونوں حضرات کا شمس الدین صاحب کی طرف سے ملحق تھے۔ (از مہنامہ تعظیم القرآن مہ اگست ۱۹۶۲ء)

ابتر اس موقع پر مولانا سید عمارت اللہ شاہ صاحب بخاری کے دارالدین اس اجتماع میں شریک

ذہر لکھنے کا غلط پرنسپس ہر سکا سال ۲۲ جون کو جمعہ کے دن صبح ۸ بجے ان کو گزرت فون کیا گیا تاکہ فوراً دوپٹہ ڈی پیچنے جائیں، کسی دوسرے کوئی کی وساطت سے یہ فون کیا گیا تھا۔ اس لیے شاہ صاحب کو دس بجے اس کی اطلاع ملی حضرت قاری محمد طیب صاحب نے سیدہ عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے بارہویں مولانا قاضی نور محمد صاحب اور مولانا غلام اللہ شاہ صاحب نے اس سبک کی بلرزہ مذکورہ مجاہدات پر دستخط کیے اور شاہ صاحب بخاری کو اس سبک کی پابندی کرانے کی ضمانت حاصل کرنے کی طرزی سے ایک تحریر کا مطالبہ فرمایا چنانچہ حضرت قاری صاحب کے فرمانے اور مسودہ پیش کرنے پر حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب اور مولانا غلام اللہ شاہ صاحب نے مولانا سیدہ عنایت اللہ شاہ صاحب کے بارے میں حسب ذیل تحریر دستخط کر کے حضرت قاری محمد طیب صاحب کو دے دی۔ جس کا متن جفٹہ حسب ذیل ہے۔

”ہم اس کی پوری کوشش کریں گے کہ سیدہ عنایت اللہ شاہ صاحب سے بھی اس تحریر پر دستخط لائیں جس پر ہم نے دستخط کیے ہیں اگر ممدوح اس پر دستخط کریں گے تو ہم مسئلہ حیات میں اس تحریر کی سبک ان سے بھگت کا اعلان کر دیں گے۔ نیز اپنے جہوں میں ان سے مسئلہ حیات پر تقریر نہ لائیں گے اور اگر وہ کوئی مناکرہ وغیرہ کریں گے تو ہم انہیں اس بارے میں مدد نہیں گے۔“

نور محمد خلیب صاحب مسجد قلعہ دیار سنگھ ۱۵ محرم ۱۳۸۲ھ دہلی غلام اللہ

مجلس اشاعت التوحید والسنۃ کی توثیق

پڑھو جناب مولانا قاضی نور محمد صاحب مروجہ صدر لائبریری اشاعت التوحید والسنۃ اس فیصلے کے بعد ۲۵ جون ۱۹۹۲ء کو دنیا سے رحلت فرما گئے تھے اس لیے ۲۲ جولائی ۱۹۹۲ء کو جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا خصوصی اجتماع زیر صدارت حضرت مولانا خاندان بخش صاحب سجادہ نقشبین حضرت مفتاح ہا اس میں قاضی نور محمد صاحب مروجہ کی جگہ مولانا سیدہ عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کو امیر (صدر) منتخب کیا گیا۔

جمعیت کے اس مناعہ و اجتماع میں ۸۲ علماء کرام کو حلقہ اشاعت سے دعوت دی گئی تھی اس میں بھی ”مسئلہ حیات انہی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ“ کے زیر عنوان اس سمجھوتے کی توثیق اور اس سے متعلق

درج ذیل نکتوں میں قرار دیا منظر کی گئی جس کا متن حسب ذیل ہے۔

۲۔ جمعیت اشاعت التوحید السنۃ کا یہ اجتماع اس بات کا فیصلہ کرتا ہے اور اپنی تمام جماعت کو اس کی پابندی کرنی اور خواست کرتا ہے کہ حضرت مولانا قادری محلیت صاحب رحمہ اللہ معلوم دیوبند کی تجویز کردہ مہارت پر فریقین کے درمیان جو صلح ہوئی ہے اسے قائم رکھا جائے اور اسے ہرگز توڑا نہ جائے۔ (مگر یہ کہ فریقہ ثانی صلح کے خلاف کسی قسم کا اقدام کرے) ہماری جماعت جس طرح پہلے متحد ہو کر اشاعت التوحید والسنۃ کا کام کرتی رہی ہے اسی طرح کرتی رہے۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن صفحہ ۱۰۱ پرنٹڈ ماہ اگست ۱۹۶۲ء)

جمعیت کی اس قرار داد سے ثابت ہو گیا کہ حضرت مولانا قادری محلیت صاحب کی تجویز کردہ مہارت پر فریقین کے درمیان جو صلح ہوئی، وہ کسی شخص یا چند اشخاص کے مابین نہیں بلکہ اس کو بحیثیت جماعت کے جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ نے صرف یہ کہ تسلیم و قبول کیا، بلکہ اس پر عمل کرنے اور اسے قائم رکھنے کے لیے اپنی تمام جماعت سے درخواست بھی کی تھی۔

فریقین کی مشترکہ اس عہدت میں چونکہ ہندوستان سے قبر خیریت کا مولانا مولانا درود مبارک کے تعلق سے دینی سید عالم ہیں حیات کا مسئلہ، اور اس حیات کی وجہ سے دوزخ اقدس کے پاس سے صلوٰۃ و سلام سے، کو فریقین نے واضح طور پر تسلیم کر لیا تھا اور یہ مقصد پہلی مجوزہ عہدت سے حاصل نہیں ہو رہا تھا، اس لیے سادہ و سحرش پر تاملی تقریر "برزخی حیات و دوزخی حیات" میں غزالی کے فیصلہ سے متعلق فریقین نے کبھی متنی اور پرنٹڈ کی اس گنجین کے اس گنجین سے اس کا مقصد بھی پورا ہو گیا تھا اور فیصلہ ہو گیا تھا کہ عالم برزخ میں حاصل ہونے والی اس حیات کو دوزخی کہنے والوں کی مراد صرف یہ ہے کہ "دینی سید عالم ہیں دوزخ کے تعلق سے وہ حیات حاصل ہے، اور اس حیات کی وجہ سے دوزخ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ و سلام آپ سنتے ہیں جس کو سمجھتے ہیں کہ عہدت کی مراد میں فریقین نے مراد تسلیم کر لیا تھا، اور مرکزی جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ نے اپنے مولانا صاحب میں بطور قرار داد کے منکر کر کے اس کی پابندی کی اپنی پوری جماعت سے درخواست کی تھی۔

اقتباس :-

مکتوب مولانا قاضی شمس الدین صاحب از مولانا مولانا محمد علی جانہ مرثی از شمس الدین از مولانا مولانا

محرم حضرت مولانا صاحب سلام علیکم

۳۰ قات کے بعد نذرش نامرط یا داوری کا شکر ہے.....

۱۔ آپ جب یہ معلوم کر چکے کہ ہماری تمام جماعت مسند حیات الہی میں تقسیم کرتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان سے رحلت کرانے کے بعد قبر مبارک میں زندہ ہیں جسو امیر کبیرات سے باطل میں سالم حضور ہے روز کا ایک غیر حاکم بلکہ قلع میں جسو امیر سے ہے اور آپ قبر کے نزدیک سے سلاطہ سلام سنتے ہیں گرد برج امیر کا تمام اعلیٰ ترین جے بیبا کہ ملائے اہلسنت والہامات نے اس کی تصریح فرمائی ہے تو اب ہماری تمام جماعت سے آپ لوگوں کا کیا انتکاف باقی رہا؟ ہم میں سے بعض حضرات جن کے متعلق آپ کہ معلوم ہے حیات روحانی کے حامل ہیں ہمارے پاس کرنی ایسی پاد ہے نہیں کہ ان کو ہم اپنا ہم سک بنا سکیں ان حضرات سے ہمارے تعلقات مسند توحید کی اشاعت کی بناء پر قائم ہیں وہ ٹوٹ نہیں سکتے ہاں ہر ہم آپ حضرات سے بھی پڑنے تعلقات خوشگوار ہی چاہتے ہیں مگر آپ لوگ اندر لوگ کم اس استدعا کہ منظور فرمائیں تو اس میں اسلام..... اہل اسلام اور جماعت علماء دیوبند کا بیلا اور غیر خواہی ہوگی۔ والسلام اشرف شمس الدین

(از قلم فاضل مولانا محمد علی جالندھری مرحوم)

انتباس مکتوباتی مولانا قاضی صاحب موصوف

اشرف شمس الدین ازکرم برائدار

محرم حضرت مولانا صاحب سلام علیکم

(تبیہی مسنون کے بعد) "مختار اپنا سک پر عرض کر دیتا ہے کہ اس سے آپ کو قریب آنے کا موقع ملے اور کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں اور جب ہمارے قریب آنے کی ہم پر نذرش کرنی تو ہمیں بیکر کریں کہ ہم یہ کچھ ہیں۔

نمبر ۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موت انتباس روح اور ایما از روح فی القلب سے جسیں بلکہ خروج اور خروج روح طیب سے ہوئی میں ہماری مسودہ فہذا الخرج ورجعہ

نمبر ۲۔ پھر نقل از یم قیام اعادہ روح الی اللہ کا طہر یعنی فتح فی اللہ نہیں قرآن کریم کی نصی قلعی اس پر

کا ملحق ہے۔ فیست التمس قلعہ حبیبہ اللہ

نمبر ۲۔ اگر کوئی خبر دے کہ ابھی ان کے خلاف کہا دے تو اس سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں کریں گے جس کی مثالیں اہانت نہیں دیتے البتہ اس کی کوئی بھی تبدیلی اور عمل نکالیں گے۔

نمبر ۳۔ ردیہ طیب کے اعلیٰ عین میں ہوتے ہوئے اس کا جیہ طہر کے ساتھ تعلق (جس کی کوئی اور پہلی کیفیت ہم نہیں جانتے) تسلیم کرتے ہیں جیسے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، علامہ ابن قیمؒ وغیرہم نے لکھا ہے۔
نمبر ۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے در شاہ قمبر طہر کے پاس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سالار کے (جیسا حضرت گفتگوئی اور شیخ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے) قائل ہیں (انفال مردہ لفظ مرہوم)

مزمع جناب مولانا قاضی شمس الدین صاحب موصوف کے مذکورہ بالا دونوں خطوط اس کا واضح ثبوت ہیں کہ ان موصوف سمجھتے ہیں کہ روایتی کی تجویز شاہ عمارت والا سے بالکل متفق تھے اور وہ مجوزہ عبادت ان کی مسئلہ تھی، البتہ مرکزی جمعیت اشاعت التوحید وائستہ کی قرارداد میں حسب ذیل فقرے کا مفہوم قابل غور ہے۔

وہ فقرہ ہے (مگر یہ فرقہ اپنی اصل کے خلاف کسی قسم کا اقدام کرے) غرض طلب بات یہ ہے۔
کہ اصل تو ایسی کسی شرط کے متعینہ مذکورہ کہ تسلیم کرنے پر ہوئی تھی پھر اس قرارداد میں اس اصل کے بقا کو مددگار فرقہ کے اصل کے خلاف کسی قسم کے اقدام نہ کرنے پر ملحق کیوں کیا گیا تھا؟

اگر اس متعینہ کو حق بلکہ تسلیم کیا جا رہا تھا، اور اس کو حیثیت واقعہ کے طور پر قبول کر لیا گیا تھا تو دوسرے فرقہ کی طرف سے اصل کے خلاف کسی قسم کے اقدام سے کیا اس متعینہ حق سے انحراف نہ ہوتا
ہوگا؟ کیونکہ روایتی کے سمجھتے ہیں حضرت مولانا قاضی محمد طیب صاحب کی تجویز کردہ جس عبادت پر
فریقین کے درمیان صلح ہوئی تھی جس کے تمام رکھنے اور اس پر پابندی کرنے کی درخواست مرکزی جمعیت
اشاعت التوحید وائستہ اپنی تمام جماعتوں سے اس قرارداد میں کر رہی تھی اس میں نفس مسئلہ حیات الہی اور
سالار خدا تعالیٰ کا متعینہ بیان کیا گیا ہے، وہ ضرور نفس مسئلے سے متعلق تھی، لہذا ہر فرقہ اس کے کسی شرط پر ملحق
ہونے کا کوئی معنی نہیں سمجھتا؟ اور اگر اس فقرہ کا تعلق حضرت قاری صاحب کی اس دوسری تقریر سے
ہو جس کا تعلق مولانا سیدہ عنایت اللہ شاہ صاحب سے اس تقریر پر دستخط کرانے اور بصورت دستخط
ذکر کرنے کے ان سے ہدایت کا اعلان کر دینے اور اپنے جیسوں میں مسئلہ حیات پر ان سے تقریر ذکرانے

اور ان کے مناظر سے میں ان کی مدد کرنے سے قنا، تو کبھی بات قابل فہم معلوم نہیں ہوتی۔ اقل تو اس لیے کہ وہ تقریباً ۱۰۰ کالعدم قرار دیدی گئی تھی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے اور ۱۳ جولائی کی صلح ابھی تک ہوئی نہیں تھی دوسرے اس لیے کہ نفس مسئلہ سے متعلق پہلی تحریر کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ جو شخص بھی اس مسئلہ فریقین حقیقت سے اور کھرتے کے خلاف قرار دے تو قرار اور مناظر سے دفرہ میں مشغول ہو اس کے ساتھ کم سے کم عدم تعاون کا سوگ اور برتاؤ کرنا چاہیے۔ تاکہ فریقین کی یہ صلح دائم اور قائم رہ سکے، اور جماعت فقہاء انتشار و افتراق سے محفوظ رہے، چونکہ سیدہ عنایت اللہ شاہ صاحب نے پہلی تحریر پر جو مسئلہ سے متعلق تھی دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور اب دوسری تحریر کا تعاون تھا کہ ان سے بات کا اظہار کر دیا جاتا، مگر ہوا یہ کہ مولانا غلام اللہ صاحب، قاضی شمس الدین صاحب وغیرہ حضرات ۷ جولائی ۱۹۶۲ء کو لاہور حضرت مولانا قادی محمد طیب صاحب کی خدمت میں پہنچے اور سیدہ عنایت اللہ شاہ صاحب کے بارہ میں جو تحریر لکھی گئی تھی اس کے ضمیمہ کرانے کی کوشش کی، کیونکہ جہل و تعلیم القرآن اس تحریر کی وجہ سے مصلحت میں تو ذوق قائم نہیں رہا تھا۔ اس لیے حضرت ہشتم صاحب نے ہندوستان کی مدد کی کے دن یعنی ۸ جولائی ۱۹۶۲ء کو مقام دہرا سے کالعدم قرار دے دیا (مسئلہ) اس کی تفصیل حضرت مولانا غیر محمد صاحب کی تحریر کے ذریعہ آگے آرہی ہے۔ اس جگہ اتنا عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ۸ جولائی کو سیدہ عنایت اللہ شاہ صاحب کے بارہ میں اس تحریر کے ضمیمہ کرانے کے باوجود ۱۲ جولائی ۱۹۶۲ء کے اجلاس جمعیت اشاعت التوحید و امنہ میں اس صلح کو برقرار رکھا گیا۔ اور نفس مسئلہ پر صلح قائم رہی، مقام مسرت ہے کہ دوسری تحریر کی وجہ سے پہلی تحریر کو ضمیمہ نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ جمعیت کی مذکورہ قرار داد نمبر ۳ سے واضح ہے۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلح کی تکمیل بتقام خیر الدین مسابیح ۳۱ جولائی ۱۹۶۲ء

مولانا سیدہ عنایت اللہ شاہ صاحب بناری جو مولانا پٹنڈی کی صلح میں موجود نہیں تھے اس لیے مہلت خیر و تقریر ہو کر اس پر مولانا قاضی ثور محمد صاحب مرحوم اور مولانا غلام اللہ صاحب کے دستخط کرانے گئے تھے مگر سیدہ عنایت اللہ شاہ صاحب نے جماعت خیر اچس میں نفس مسئلہ حیات تحریر کیا تھا دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا، اور حضرت قادی صاحب سے بعد قاضی شمس الدین صاحب اور

دیگر احباب کے لئے کی روانگی ہندوستان سے ایک دن قبل حکمت کی اور عبادتِ نیر کی تیج کی نسبت درخواست کی اس پر حضرت قادری صاحبؒ نے حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے ہم سب ذیل گرامی نام لکھ دیا۔

گرامی نام حضرت مولانا قادری محمد عتیق صاحبؒ

بوسہ گرامی حضرت اندوم مولانا خیر محمد صاحب مدنیو فہم

سلام سفر ان شاء عرض ہے، مسندیاتِ اہل حق کے سلسلہ میں راولپنڈی میں مسالمت ہوئی تو اس میں دو تحریریں مرتب ہوئی تھیں جس پر فریقین کے دفتر داروں کے دھمکے پڑے تھے۔ ایک تحریر غرض مسند اور اس کے قدرِ شکر کے بارہ میں تھی اور دوسری مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب کے بارہ میں اس دوسری تحریر کے سلسلہ میں کچھ پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں اور اندازہ یہ کیا جا رہا ہے کہ اس میں تو اذانِ باقی نہیں رہتا اور بہت ممکن ہے کہ علی میلان میں اس کی پابندی دشوار ہو جائے اور اس سے معاہدہ شکنی کا کسی فریق پر الزام آئے اس لیے احتیاط کے خیال میں مناسب یہ ہے کہ ان محترم ہر دو جانب کے حضرات کو جمع کر کے اس دوسری تحریر کی بجائے اور ایسا عملی معاہدہ طے کر دیں جس سے یہ مسالمت بھی برقرار اور کوئی ایک فریق پابند اور مقید ہو کر نہ رہ جائے۔ آپ کی سرکردگی میں اگر فریقین اس تحریر کو (جو عمل کے دائرہ کی پہچان) ختم کر کے دوسری تحریر مرتب کریں تو چندہ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ بلکہ جب تک دوسری تحریر مرتب نہ ہو آخر کی دہائی میں اس تحریر ثانی کو کالعدم تصور کیا جائے اور اس لیے یہی تحریر مرتب کرانے میں امکان مددِ محبت سے کام لیا جائے۔ والسلام

محمد عتیق مہتمم دارالعلوم دیوبند

۸ جولائی ۱۹۶۷ء

اس پر حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے فریقین کے پانچ پانچ حضرات کو خیر اللہ اس عثمان میں پہنچانے ۱۱ جولائی جمع خریدا، حضرت قادری صاحبؒ کے اس گرامی نام کو نقل فرما کر تحریر فرمایا۔

”پہنچانے میں نے آپ کے لیے فریقین کو دیکھا اس موقع پر مولانا محمد علی ہانڈھری نے سہل یکا کرب مسندیں دو فریقین کا ذکر کیا جاتا ہے یہاں کہ آپ نے دونوں فریق کے پانچ پانچ نامیں جوائے دیں۔ دوسرے فریق سے ان حضرات (مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب مدنی ہجرت) کی گوی وگ مراد

میں بعض لوگ ہیں جنہیں کہہ کر آپ یوں فرماتے رہے کہ مسئلہ حیات میں ہمارے خلعت کو نہیں مروت اور اسے ہمارا مقابلہ ہے اس پر مولانا غلام اللہ شاہ صاحب اور مولانا منایت اللہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ غلط ہے، ہم نے کبھی اور اگر اپنا مقابلہ نہیں کیا، بلکہ وہ فریق سے ہماری مراد مسئلہ حیات میں دور رس رکھتے والے ہیں ہم اور ہم سے سب استکاف کرنے والے ٹکڑوں میں اس بات سے متعلق ہیں فائدہ ہوا۔

کامی صاحب کے خلعت حیات میں درج ہے کہ جب تک آدمی ترقی و ترقی نہ ہو تاہم تک
 مانے میں اس تحریر ثانی کو لکھ دے کہ یہ مسئلہ ایک فریق زہرہ کو فروغ دیتا ہے اور دوسرا دوسری ترقی
 کرنے تک اتفاق کرتا ہے اور فروغ دینا قبول نہیں کرتا جس کی وجہ سے مسلح کی صورت غلو میں پڑتی
 نظر آتی ہے، اس پر میں یہ بیان مرثب کرتا ہوں فریقین اس پر متفقہ کریں۔

نزع مسئلہ حیات انجی کے متعلق حضرت مولانا کاوی محمد طیب صاحب نے فیصلہ کیا تھا، پھر وہ
 میں کاوی صاحب نے مولانا منایت اللہ شاہ صاحب کے متعلق جو لکھا تھا اس کو لکھ دے کہ وہ یہاں
 تک تحریر ثانی پر فیصلہ نہ ہو جائے اور اس معاملہ کو غیر محرم پر چھوڑ دیا گیا۔ اس پر قرار پایا کہ مولانا منایت اللہ
 شاہ صاحب مولانا غلام اللہ شاہ صاحب کے جملہ اور طلباء کے سامنے کبھی مسئلہ حیات انجی پر تقریر نہیں
 کریں گے۔ اور مولانا غلام اللہ شاہ صاحب ان سے اپنی برادری نہیں کریں گے اور ان کے ساتھ خلوت
 میں شریک نہ ہو سکیں گے۔ نیز قرار پایا کہ موجودہ وقتی دور کرنے کے لیے مولانا غلام اللہ صاحب اور مولانا
 مولانا منایت اللہ شاہ صاحب نے اپنی جماعت کے اور مولانا محمد علی صاحب اور مولانا اقل حسین صاحب
 نے اپنی جماعت کے کسی شیخ پر اور کسی مدرسہ کے طلباء کے جلسے میں اس مسئلہ پر متعلق تیار یا نہیں
 کرائیں گے۔

غیر محمد منایت منہ بنام غیر محمد اس کتاب

۳۱ جولائی ۱۳۲۷ء

محمد علی بن محمد علی بن محمد

جسم وان سین امیر

مہدار علی میاوی بن محمد

وہی غلام اللہ خان

حیات اللہ

امیر شمس الدین علی خان

امیر محمد بن محمد علی

عبد اللہ علی خان

محمد عبد اللہ قیلم خود
منور حسین صدیقی بعلم خود

اس صلح کی تکمیل میں یہ دوسری تحریر لکھی گئی جس میں مولانا غلام اللہ خان صاحب سے برادری وغیرہ کی پابندی ختم ہو گئی اور فریقین پر پابندی نکلا دی گئی کہ وہ کسی شیخ پر اور نہ کسی مدرسہ کے علماء کے تابع ہیں اس مسئلہ پر مشعل تیاری نہیں کرائی گئی۔ مگر پہلی تحریر جو فرض مسئلہ حیات الہی علی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھی اس میں کسی طرح کا تغیر و تبدل نہیں کیا گیا وہ بہ مستند باقی رہی اور فرض مسئلہ پر بحیثیت تجربی صلح بھی قائم رہی۔ اب یہ سیدنا بیت اللہ شاء صاحب بخاری کا اس صلح اور تحریر سے بھی اختلاف رہا جو فرض مسئلہ کے بارے میں ہوئی تھی۔

اب سب وعدہ مسئلہ حیات الہی علی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اس تحقیقی علمی فیصلہ و تحریر کی نقل و طبع کے اعادہ کے لیے پیش کی جاتی ہے جس کو مولانا محمد علی جالندھری مرحوم نے ثالث حضرات کی خدمت میں بھیجا تھا۔

تہنیت

(۱) مسئلہ حیات الہی علی اللہ علیہ وسلم کے موجدہ نزاع میں دو سال تک فریق خافت مناظرہ کا چیلنج زور شور سے دیا رہا۔ جن میں یہ بات ظاہر ہوتی گئی کہ ان کا عقیدہ اکابر و دیوبند اور سلف کے خلاف ہے۔ علماء و حرام ان سے علیحدہ ہوتے گئے۔ اب ان کو مشورہ ہے کہ اس سے غور کریں۔ پہلو جو ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس پر کہنا شروع کیا کہ محمد علی جالندھری مولانا غلام غوث اور اہل اہل حق نے مولانا غلام اللہ خان صاحب کا اڑھا ہوا اقتدار برداشت نہیں کیا۔ اور اوہ عدیہ مسئلہ کھڑا کر دیا۔ اور نہ ہم اکابر دیوبند کے مسلک کے پابند ہیں بلکہ ملک میں مسئلہ حیات میں حاصل کوئی نزاع نہیں۔ پنجاب و سرحد میں تو ان کا اقتدار نہیں رہا۔ اب یہ کراچی کے جو لوگ کو مخاطب دینے کی کوشش کی۔ جو ایک عرصہ تک کامیاب رہی۔ اس لیے میں تہنیت میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اس گروہ (جو کہ پنجاب و سرحد میں غلام اللہ خانی گروہ کہا جاتا ہے) کے ساتھ باقی دیوبندیوں کا اختلاف اس وقت سے ہے جبکہ میرا ان سے تفاوت نہ تھا۔

(۱۰) کسی نماز میں قلمبہ عالم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس گروہ کا تذکرہ آیا۔ اور ان کے بعض مسائل سامنے آنے پر سلف کے خلاف تھے۔ چنانچہ ہفتہ المیران (مرد و اصل تفسیری نوٹ) مولوی غلام اللہ خان کہے ہیں اور حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں (تھانویہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کی گئی آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ ایسی کتاب میرے کتب خانہ میں رکھی جائے۔ اس وجہ سے ایک بزرگ نے اس کتاب کو تھانویہ میں آگ کی تندر کیا وہ واقعہ ادارہ الفتاویٰ میں لکھا ہوا موجود ہے۔)

رب، غالباً ۱۰ سال کا ذکر ہے کہ مولوی غلام اللہ خان صاحب نے مفتی محمد حسن صاحب مرحوم کو اپنے مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی کے سالانہ جلسہ میں شریک ہونے کی درخواست کی۔ تو حضرت مفتی صاحب مرحوم نے فرمایا کہ تم الابرار و ربند کا مسلک چھوڑ چکے ہو۔ اس لیے میں نہیں جانا۔ اس پر مفتی صاحب سے کہا گیا کہ ہم سب ساتھی راولپنڈی میں جمع ہونگے آپ ہمارے بڑے ہیں ہمیں بھادیں۔ ہم آپ کی بات قبول کر لیں گے۔ چنانچہ اس گروہ کو بھانے کی نیت سے حضرت مفتی صاحب نہ صرف خود ہی تشریف لے گئے۔ بلکہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب مولانا محمد ادریس صاحب، مولانا بدر عالم صاحب حضرت مولانا سید سلیمان ندوی اور دو ایک اپنے رفقاء کو بھی ساتھ لے گئے۔ بعض کشمائی پگھنگو ہوئی، مولوی منارت اللہ شاہ صاحب اب کہتے ہیں کہ حضرات ہمارے دفائی کا جواب نہیں دے سکے۔

(۱۱) موضع کھرمنگ کیل چار میں کئی برس پہلے ایک مناظرہ ہوا ایک طرف مولوی غلام اللہ صاحب مولوی منارت اللہ شاہ صاحب وغیرہ تھے دوسری طرف کے دلربندی ملازم اس علاقہ کے پکڑنے فاضل لوگ جو حضرت شیخ الہند صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے

۱۔ مگر حضرت تھانویؒ اگرچہ اس کا علم ہوا سیدہ مبارک ترقدی۔ ۲۔ امداد الفتاویٰ جلد ۱ ص ۱۷۷
 سیدہ مبارک ترقدی۔ ۳۔ زید و زنگھو اس میں دی کہ برہنوں کی غیبت جماعت ہمارے اہل
 تکلیف نہیں کرتے۔ سیدہ مبارک ترقدی

۱۔ تفصیلی ملامت ترقیہ نامیہ محمد صاحب سے دریافت کر لیں صرف نمونہ کے چند واقعات عرض ہیں کہ ابھی سے پشاور تک درہندی ملک کے مدارس عربیہ کے مہتمم صاحبان مدرسین حضرت کا بہت بگڑا ہوا معاملہ دریافت فرمایا جاوے کہ کیا مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب مولوی غلام اللہ خان صاحب نہ صرف مسئلہ میات بلکہ کتنے اور پیچیدہ مسائل میں سلف کا مسلک ترک کر چکے ہیں یا نہیں یہ لوگ بعض اور مسائل میں بھی اکابر سے جدا ہو گئے ہیں مثلاً مصلاب قبر ترسل بالذوات درخت شفاعت جس کا ذکر قرآن مجید کی آیت ولما قدم ابو ظلمعا میں ہے اور کیا ہر مدرسہ عربی میں ان علماء کے درمیان جنہوں نے مولوی غلام اللہ خان صاحب سے ترقیہ پر اصرار دوسرے علماء میں بھی اچھی خاصی جنگ سال بھر چلی ہے یا نہیں؟ اور ان کے شاگردوں کی گنتی اکابر کے حق میں کتنے خائبہ کن ہے یا نہیں؟ اگرچہ پیچیدہ میں حضرت کا اجماع پایا جاوے تو اس بہتان کے کل اثبات کا بار میرے ذمہ ہو گا۔

۲۔ میرا اعتقاد صرف مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب سے ہے کیونکہ انہوں نے اکثر تقریریں ہیں اپنا مسلک واضح کر دیا ہے مولانا غلام اللہ خان مرقیہ کے مطابق اپنے خیال تبدیل فرماتے رہتے ہیں جب تک وہ یہ صریح اعلان نہ کریں کہ مولوی عنایت اللہ سے کوئی اختلاف ان کا ہے یا نہیں ان کی نسبت رائے قائم کرنا اور شکل ہے۔ البتہ مولوی غلام اللہ خان جب علماء کو ترقیہ پر مائل ہیں تو چند دفعہ کے لیے مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب کو جلاتے ہیں اور مسئلہ میات مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب ہی پر مائل ہیں۔

۳۔ چھ سال تک ہر جگہ اس کا مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب مناظرہ کا سلیف پہنچ دیتے تھے کہ میں ہوں ثالث تسلیم کیے مناظرہ قبول نہ کرتا تھا کیونکہ میں ثالث مناظرہ جگہوں کا دروازہ تو کھلتا رہتا ہے مگر فیصلہ نہیں ہو سکتا اور درہندی ملامت تقریر سے نہیں بچتا۔ اگر شرارت ہی میں دوسرا فرق ثالث تسلیم کریں تو جگہ لکھی کا ختم ہو گیا ہوتا۔ مگر کے اجتماع میں جسکے سے مشابہت جگہ لکھی کا ختم ہو گیا ہی برقی ٹریڈ لوگ ناظمی پر دھانے۔ آخر حاضرین کے دماغ سے ناظمی تسلیم کرنی پڑی۔

۴۔ ہم کیا اور ہماری تحقیق کیا۔ ہم اکابر درہند کی تحقیق کر چکے وہ دست اور کتاب دست کے مطابق کہتے ہیں۔ مگر کہ میں نے سچ سچ تحریر کر دیا ہے اگر میری تحریر کوئی جزا برکات کی کے خلاف ہو تو میری

قریب غلط ہوگی اللہ میچ وہی ہوگا جو اللہ پرست اللہ علیہ نے فرمایا ہوگا۔ اس لیے شاہان کی رائے میرے
 نزدیک میچ و درست ہوگی اور میں اپنی قرآن سے رجوع کر لوں گا۔ میں یہ کہتا ہوں "میرے ابا
 اور جیسے سلف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد مصری و بنی مدینہ فی القبر شریعت میں حیات
 بسبب تعلق مدفن تسلیم کرتے ہیں اور اسی تعلق مدفن بالجہد العنصری کی وجہ سے سماج علی القبر
 علی السلام تسلیم کرتے ہیں؟

دوسرا ذوق اگر تسلیم کرے تو نزاع ختم ہو جائے گا۔ درخت پیچھے قادیانی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو
 خاتم النبیین تسلیم کرنے کا اعلان کرتے ہیں اور خاتم النبیین کی ایسی تفسیر کرتے ہیں جس سے ختم نبوت
 کا انکار پایا جاتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات کا اقرار کرنا اور حیات کی ایسی تفسیر کرنا
 جس سے حیات ہی کا انکار پایا جاتا ہے دھوکہ اور فریب ہے۔

۵۔ مولوی ماریت اللہ شاہ صاحب نے جبر الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی
 نسبت ایک حیات کے مضمون حیات النبی کی وجہ سے بار باریں فرمایا۔

الف۔ مولانا قاسم اس مسئلہ میں متفقہ ہیں۔

ب۔ ان کا مضمون کتاب و سنت کے خلاف ہے۔

ج۔ ان کے مضمون سے انکار موت حضرت علی علیہ السلام لازم آتا ہے علاحدہ ذوق موت پر اجماع
 امت ہے و حیر و غمیرہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الحمد لله وسلام علی سباء الذین اصطفی

موضوع

موضوع زیر بحث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد ہر حیات طیبہ حاصل ہے وہ دنیوی جسدِ اطہر کی حالت ہے جو روزِ رستا طہر میں موجود ہے یا وہ حیات کسی اور بدنِ برزخی میں ہے اور جسدِ مغربی تعلقِ حیات سے بالکل خالی ہے؟ یہی مسئلہ اکرامِ صلوات علیہ وسلم کی عالمِ برزخ میں حیات دنیوی جسدِ اطہر کے ساتھ ہے یا کسی برزخی جسد سے ہی متعلق ہے۔
بیتین موضوعِ علم اور مسئلہ طرزِ ہیں۔

۱۔ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہی ہی وفاتِ مقدر معنی وہ آپ کا دہرہ ہوئی ہے غلط اور محبت ہے کہ ہم آپ پر درودِ موت کے شکر ہیں قرآنِ پاک میں از موت کے تحقق کا ورنہ کایانِ آبرو نہیں سکتا صفتِ پیشگوئی ہے تاہم اس کے واقع پر مندرجہ فریل دلائل ہمارے پاس موجود ہیں۔

(الف) خطبہ مدینہ - (بخاری ص ۳۳۹)

(ب) تقریر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

تمام انبیاء و کرام علیہم السلام خاص کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت موت کا یہی مقدمہ مندرج ہے۔ (خلافتِ قاضی عتباتی ص ۱۸)

چونکہ موضوعِ زیر بحث حسبِ سابقہ سکر حیاتِ انجی ہے وفاتِ انجی نہیں اس لیے ہم وفاتِ انجی کی مزید تفصیل میں نہیں جاتے کیونکہ یہ نوعِ من الہوت پر لاجرم معنی میں ہی حضورِ علیہ السلام کے لیے وفاتِ مقدر معنی اس کا درود ہوا اور آپ نے عالمِ برزخ کی طرف انتقال فرمایا ان درود

وفات کے بعد آپ اپنے روزِ مہر میں بھی فائزِ الحیات ہیں اب مرنے پر بھی جیت ہی ہے کہ آپ کی وہ حیات طیبہ کیسی ہے اسی دینوی جہدِ مہر کے ساتھ ہے یا کسی اور بزرگی جن کے ساتھ ہے اور دینی حضری سے کوئی شوق حیات نہیں۔

۲۔ ہم جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد وفات کو دینوی حیات کہتے ہیں تو اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ حضور طیبہ وسلم کی عالمِ ہر روز کی حیات اسی دینوی جہدِ مہر میں ہے جو روزِ مہرِ مہر میں موجود ہے نہ کہ وہ حیات طیبہ طیبہ اللہ اس دنیا دلی حیات ہے حضرت مولا محمد تاسم ناقری خود تصریح فرماتے ہیں: ”انبیاء کرام کو انہیں بجا م دینوی کے شوق کے اعتبار سے نذر بختا ہوں“ (لطائف قاضی حیدرانی ص ۱۰۱) ہر مصلحت کا وہی منہم مشہر ہوتا چاہئے جس اس مصلحت کو اختیار کرنے والے مراد لیتے ہوں۔

حیاتِ ہر روزی

حیاتِ ہر روزی میں ملاقاتِ ظرفیت ہے نہ فحیت کہ انہیں یعنی اس سے مراد حیات فی البرزخ ہے نہ کہ حیات کی کوئی اپنی قسم ہر روزی ہے اس اعتبار سے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ ہر روزی میں ہی فائزِ الحیات کہتے ہیں۔ لیکن آپ کی یہ حیات طیبہ ہی دینوی دین کے ساتھ ہے اور ہر روزی ایک جہت سے مومن دینوی میں سے بھی ہر نامہ روزِ مہر نہیں حضرت امام ربانی سیدنا محمد الفت ثانی لکھنوی فرماتے ہیں کہ ”ہر روز مہر چوں از یک وجہ از مومن دینوی است گنہا غنہ ترقی دارد و احوال میں دین ترقی و شام متعادل و تفاوت فاحش دارد الا انیاد مصلحت فی اعتبار ششیدہ باشد (مکتوبات خرمیت دفتر دوم ص ۱۱۲)“

۳۔ معلوم ہوا کہ ہر روزی اور دینوی میں حقیقت حیات کا اجتماع کوئی امر ناممکن نہیں اور اگر حیاتِ ہر روزی سے مراد حضور کرام صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمِ ہر روز کی حیات ہے جو دینوی جہدِ مہر میں نہیں اور دینوی جہدِ مہر حقیقی حیات سے غیر خالی ہے تو ہم اس حیاتِ ہر روزی کے قائل ہو سکتے ہیں یہ تفصیل اس لیے ضروری ہے کہ ہر روزی کے کام میں جہاں جہاں حیاتِ ہر روزی کے الفاظ میں دین ملاقاتِ ظرفیت کا مراد ہے وہی حیات فی البرزخ اور حیاتِ انبی کے مراد وہ بحث میں فرقِ تفاوت جہاں حیاتِ ہر روزی کے الفاظ استعمال

کتاب ہے وہاں ملحقہ نوعیت کا سرادھ لیا ہے یعنی حیات دوزخی جہنم میں نہ ہو بلکہ موت کسی اور بدن بزدلی میں ہر عامل اکثر موصوفہ زیر بحث ہے کہ مسٹر راکم علی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات شریفہ کے بعد اسی دوزخی جہنم پرے ناخن الحیات میں یا آپ کی یہ حیات صحت کسی اور بدن بزدلی کے متعلق ہے۔
موصوفہ زیر بحث کی تئیں کے بعد ہمارے مقصد کی تصریح

ہمارا عقیدہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالم بزدلی میں ہر حیات کامل ہے وہ روح مبارک کے تعلق سے اسی دوزخی جہنم پر کیا عتر ہے جو روح اللہ میں محفوظ موجود ہے اور اسی تعلق روح کی وجہ سے آپ روح اللہ پر پڑے گئے حدود و مقام کو بغیر کسی واسطہ کے علی اللہ اللہ خود ساختہ فرشتے میں اسی مقصد کو ہمارے اکابر نے الہندی حیات دوزخی بزدلی سے تعبیر کیا ہے۔

(ہمارا دعویٰ)

ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارا یہ مقصد کتاب دست سے ثابت ہے اہل سنت والجماعت کا اجماعی مقصد ہے اور جلد اکابر دلی بند و صرف اس پر متفق ہیں بلکہ ان کے نزدیک یہ عقائد مسلمین دانی ہے۔

(نتیجہات ختم)

پیش تر اسکے کہ ہم اپنے دعویٰ پر دلائل کا آغاز کریں اس اجماعی مقصد کی نتیجہ کا فروری جتنے ہیں تاکہ کافی ثبوتی پیدا ہو سکے۔

مسٹر راکم علی اللہ علیہ وسلم کے دوزخی جہنم پر کہ حیات کامل ہے کہ روح مبارک کے تعلق سے ہے وہ اسی حیات پر گز نہیں جو ہر انسان پر گزرتی ہے بلکہ اسے آیت کریمہ فی ثانیٰ نہیں کہہ سکتے مگر وہ قطعی نہیں کہ ہم سوچ رہے ہیں۔ اگر کوئی مسند کے دوزخی جہنم میں اس پتہ حیات کا مثال ہر ذرا اہل سنت والجماعت کے مقصد میں وہ حیات انہی کا ملکہ ہے اس لیے کہ ہم اہل سنت مسند کے دوزخی جہنم پر

میں جو حیات مانتے ہیں وہ ان کی روح کے تعلق سے مانتے ہیں چھری حیات اس انسانی گھر سے
بیکھر نکالی ہوئی ہے اس لیے اس چھری حیات کا اہل سنت میں سے کوئی تعلق نہیں ہے جو آنحضرت
کے دینی جہدِ اہلہ میں اس چھری حیات کا تعلق ہر وہ اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدے کا منکر
بلکہ آنحضرت کا من ہے۔

۱۲۔ آنحضرت کے دینی جہدِ اہلہ کو روحِ مبارک کے تعلق سے جو حیات ماسل ہے وہ تعلق تعلق حیات
ہے اور لا بشرط شوق کے درجہ میں روحِ مبارک کے اتصال اور دخول و دروں سے عام ہے
اگر روحِ مبارک کا مستقر اعلیٰ طہین میں مان کر اس کے اتصال و نفوذ و تخریب و تعلق کی تفسیر صحیح نفوذ و تخریب
عبارت شکر تفسیر کے دینی جہدِ اہلہ میں حیاتِ تعلیم ہر اور اس تعلق حیات سے صلح عند التعلیم اخلاقیات
کا امتداد ہر توجہ بھی عقیدہ حیاتِ انبی کا نام ہر جہان ہے اور اگر روحِ مبارک کا آنحضرت کے جہدِ اہلہ
میں دخول و تعلق مان کر آپ کی حیاتِ تعلیم کی جائے اور صلح کا اقرار کر لیا جائے تو یہ عقیدہ حیاتِ انبی کا
تعلق ہر جہان ہے کیفیت و اصول حیات کا انکشاف دینی جہدِ اہلہ کے فائز الیات ہونے کے اجماعی
عقیدے کو ہرگز متاثر نہیں کرتا اس لیے کہ اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ حیاتِ انبی دینی جہدِ اہلہ
کے روحِ مبارک کے تعلق سے فائز الیات ہونے سے پرہیز ہر جہان ہے اور تعلق دخول روح و اتصال
روح کے باب میں لا بشرط شوق کے درجہ میں ہے۔

۱۳۔ اگر کوئی روحِ مبارک کے جہدِ اہلہ سے تعلق حیات کا تعلق نہ ہر جہدِ معرفت اس تعلق کا اقرار کرے
ہر صاحبِ غاۃ کو اپنے گھر سے باہر ہونے کی ضرورت ہے اپنے گھر سے تعلق ہر تاج ہے یا مالک کو اپنے
مال میں غیر معرفت ہر نفس کی حالت میں ہر تاج ہے تو حقیقت میں وہ روحِ مبارک کے جہدِ اہلہ سے تعلق حیات
کا خلوص ہے اس لیے کہ حیاتِ انبی کے مسئلہ میں تعلق کا اعتبار ہے وہ تعلق حیات ہے ان اگر صاحب
غائے لاہد تعلق تعلیم کیا جائے ہر صاحبِ غاۃ کو اپنے گھر سے باہر ہونے کی ضرورت ہے ہر تاج ہے یا مالک
کو اپنے ملک میں معرفت ہر نفس کی حالت میں ہر تاج ہے اور ہر اصل حیات کا انکار دیکھا جائے تو اس
ضرورت میں روحِ مبارک کا جہدِ اہلہ سے تعلق تعلیم ہر جہان ہے اور بدولت اس تعلق کا اقرار ایک معاملے
سے زیادہ وقت نہیں دیتا۔

۱۴۔ ہر وہ دو سلام آنحضرت کے درجہ اہلہ پر پڑھا جائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے غیر واسطہ

کے خود سماعت فرماتے ہیں اور آپ کا یہ سماعت فرمانا دانا ہے اور یہ سماع عند القبر تعلق حیات بسبب
دورح سے ہے پس اگر کوئی سماع عند القبر کو تو تسلیم کرے لیکن اسے دانا نہ مانے بلکہ غریب عادت
قرار دے یا اس سماع کو تعلق حیات سے تسلیم نہ کرے تو وہ بھی اہل سنت کے نزدیک سماع
عند القبر شریف کے حقیقی معنوں کا منکر ہے۔

۱۰۔ ہمارے نزدیک اہل سنت و جماعت کے اس عقیدہ حیات کا منکر کافر نہیں گوارا ہے۔
اس لیے کہ اس عقیدہ کے لیے ثبوت یا دلالت میں کسی ایک اعتبار سے خلعت ہمارے ہاتھ میں
حاضر نہ ہوگی جس عقیدہ کے لیے ثبوت و دلالت دونوں کی تخلیط ضروری ہے اسکا منکر کافر ہوتا
ہے جن عقائد کے انکار سے حکم کفر نہیں آتا ان کے لیے ثبوت و دلالت دونوں کی تخلیط لازم
نہیں اور اسی وجہ سے بعض ایسے امور کا منکر کافر نہ ہوگا۔ عقائد کی یہ تفصیل اسی طرح کتبہ کلام میں
بھی موجود ہے۔ ان المسائل المتعادیة قسماں اعدھا ما یکون المطلوب فیہ البتین
کو حدة الواجب وصدق النبوة وثنائیهما ما یکتفل فیہ بالظن کفہذا المسئلة والاكتفاء
بالدلیل الثقل انما لا یجوز فی الاول بخلاف الشافعی (نہر میں مل شروع العقائد ص ۴۱)

حیات بعد الوفاات پر قرآنی فیصلہ

کتاب اللہ کی پہلی دلیل

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ یَقُولُ بِسْمِ اللَّهِ اَمْوَاتٌ بَلْ سَيَئِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ بِیَوْمٍ یُّدْعَوْنَ
استدلال ۱۔ جب شہداء کے لیے دورح قتل کے باوجود یہ حیات طیبہ ثابت ہے تو انبیاء
کرام کے لیے اس سے بھی ارفع و اعلیٰ حیات جبرجہ اولیٰ ثابت ہوگی یہ آیت دلائل انصاف کے اعتبار

انبیاء کرام کی حیات بعد الوفاات پر ایک واضح دلیل ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ شہداء کلام کے لیے قرآن
عزیز میں جس حیات کا اعلان کیا ہے وہ حیات جمعی ہے یا معنی روحانی اس آیت شریفہ پر نظر کرنے
کے واضح ہر تاج ہے کہ وہ حیات جمعی ہے جسے عکاس پر یا اجزاء متفرقہ میں ہر بات جمعی کے اقرار سے
بہر صورت چلا نہیں اس پر قرآنی شہادتیں موجود ہیں۔

کتاب الشک کی پہلی شہادت:

اس آیت شریفہ میں اسی وجود کو مراد کہنے سے روکا گیا جس پر کہ قتل و دہر دو تاجے ظاہر ہے
کہ قتل جسم پر ہی وارد ہوتا ہے پس زندہ وہی ابدن متولدہ ہونگے اور قرآنی حکم کے مطابق ہم انہیں کو زندہ
ماننے کے مسئلہ میں من یقتل من ضعیف من کی طرف راجع ہے جو ہم درود و دوزخ کا مجموعہ
ہے اور شاہدہ بھی متولدہ جسم ہی ہوتا ہے اموات کا مبتداء و ختم اور احیاء کا مبتداء و ختم (ہر مقدمہ میں کلام
ضمیر میں ہی من کی طرف راجع ہوگی جو من یقتل میں مذکور ہے اور وہ جسم ہی تھا لہذا شہداء کلام کے احیاء
ہی وہ ہیں، کل دینی مروت کا اعتقاد و منور اور ان کی دائمی حیات کا اقرار لازم ہے۔

کتاب الشک کی دوسری شہادت:

آیت صدائیں اموات بتقدیر شہداء متولدہ ہیں یعنی ہم اموات (وہ مراد ہیں) مراد متولدہ ہے جس سے
روکا گیا ہے اور ہم اموات جملہ مرید سے جو دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے حاصل یا ایک شہداء کلام کو
مراد کہنے کی حماقت ہے مراد یہ ہے کہ انہیں ہم اموات یعنی استمرار الموت یا دائم الموت نہ کہا جائے جسکو
یامتناہیا یا یقتل وغیرہ (جملہ ضعیف جو حدود پر دلالت کرتا ہے) کہنے سے حماقت نہیں پس موت کا دہر
توقیع ہے لیکن وہ موت غیر استمرار غیر دائم ہوگی۔ دائمی حقیقت وہی ہے جو ہم احیاء میں بیان کی یہ جملہ جملہ
پر معلوم ہے اور ہم احیاء جملہ اسیر و استمرار یہ اور وہ اسیر ہے لہذا حیات دائمی کے خلاصہ الہام، یک
دوام و استمرار و ذات کا قتل و ذل منور اور دوام حیات کا عقیدہ مامور یہ ہے۔

کتاب الشک تیسری شہادت

لیکن لا تشعرون۔ حضور مظلوم اس کا نام ہے علم باقتل تمام نہیں پس اس کا اطلاق اسی جگہ

ہی ہو سکتا ہے جو ملک بالواس برکے استعلاک اور رفی استعلاک کا ہم نزع ہوا مضمونی ہے لہذا شہر احساس کا اور جواب احساس نہ ہونے کا ہے اور یہ ایسی چیز ہے ہی شفق برکے ہر قابل احساس بہرہ اسکا احساس نہ ہو رہا ہو ظاہر ہے کہ حیات جمدی ہی قابل احساس ہے اور حیات غیر جمد قابل احساس نہیں وہ صرف قابل علم ہے اگر حیات غیر جمدی کا ذکر شہر اور رفع شہر ہو تا تو لیکن لا تصنعون ہر الا تصنعون حسیہ کی دلیل ہے حیات جمدی ہی سے شفق ہو سکتی ہے۔

کتاب اللہ کی چوتھی شہادت :

حیات شہداء کا یہ بیان چرکتے پاسے سررت ال عمران و کون ملا میں ہی موجود ہے وہاں یہ مضمون بھی ہے ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا سُلُوکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا لَیْسَ لَہُمْ اَمْرٌ شَیْءٌ وَ لَیْسَ لَہُمْ اَعْوَانٌ شَیْءٌ ۔ اس آیت شریفہ میں حیات شہداء کے لیے رزق کا بیان ہے ظاہر ہے کہ رزق کی ضرورت حیات جمدی ہی کو ہوتی ہے حیات برزخیرہ رو میر کو نہیں جب حیات شہداء کے لیے یہ رزق فرمایا تو حیات جمدی کی تعین ہو گئی۔

کتاب اللہ کی پانچویں شہادت :

شہداء کرام کے لیے عام شہادت فرض کر لینے کے بعد یہ بتیرون کی صفت بیان فرمائی اور استبشار اسوۃ اس غرضی اور سرت کو کہتے ہیں جس کا اثر انسانی چہرے میں موس ہونے لگے بشر لغتہ انسانی کمال ہے قال اللہ تعالیٰ لَوَلَعَةُ الْبَشَرِ اور استبشار وہی غرضی ہے جو جمدی طور پر موس ہونے لگے پس یہ بتیرون سے بھی شہداء کی حیات جمدی ہی ثابت ہوئی۔

قرآن عزیز کی یہ پانچ شہادتیں بڑی وضاحت سے یہ دلیل قائم کر رہی ہیں کہ شہداء کلام کی درود قتل کے بعد کی زندگی حیات جمدی ہے اور ان ایمان میں حاصل ہے جن پر کہ قتل قتل وار ہو ہوا تھا اور ان میں

اہل ان کا ہم اشیاء میں بیان ہے۔ خواہ وہ اہل ان کی ہوں یا اجزاء متشرفین ہوں وہ بہر حال غائر الحیات میں ہیں جب شہداء کرام کا یہ حال ہے تو انبیاء کرام اپنے اصل اجساد کے ساتھ زندہ کیوں نہ ہوں گے بلکہ انبیاء کرام کی حیات مجددی مغربی ان سے بھی ارتق و اعلیٰ ہے کہ شہداء کے اہل ان کا یکجا ہونا ضروری نہیں لیکن انبیاء کرام کے اہل ان ملج و ملاجی ہونا اور بالکل محفوظ ہونا بھی لازمی ہے۔

کافی شرکائی سمجھتے ہیں۔ ﴿وَرَدَّ النَّصَّ فِي كِتَابِ اللَّهِ فِي حَقِّ الشُّهَدَاءِ وَالْمُتَمِّمِ﴾
یَذْكُرُونَ وَإِنَّ الْحَيَاةَ فِيهِمْ مُتَعَلِّقَةٌ بِالْجَسَدِ فَكَيْفَ بِالْأَنْبِيَاءِ الْمُرْسَلِينَ۔

(رضی اللہ عنہ جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۶۷ مصرعہ)

توضیحات

شہداء کرام کے اہل ان متشرفین ہر زندگی ہے وہ ضروری نہیں کہ ارواح کے داخل کامل سے ہی ہر اگر انکی ارواح تدریج اعلیٰ ترین میں بھی ہوں یا سبز رنگ کے پرندوں کی شکل میں منتقل ہو کر تاجدار عرش میں سیر فرمیں اور وہاں سے وہ اہل ان متشرفین محفوظ کر دی ہوں تو بھی قرآن مجید کی بیان کردہ حیات مجددی مغربی کا مستحسن چرچا ہوتا ہے یعنی میاں شہداء کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ان کی ارواح ان کے اہل ان متشرفین داخل ہی ہوں وہ سبز رنگ کے پرندوں کی شکل میں منتقل بھی رہیں تو ایسا ہر تفسیر قرآن مجید کی بیان کردہ حیات مجددی مغربی کی نفی نہیں کرتا اسی طرح انبیاء کرام کی ارواح تدریج کا سبب تفسیر بعض علماء اعلیٰ ترین میں ہونا ان کے اجساد قبر پر مغربی کی حیات کے ہرگز متنافی نہیں ولا یتوهم من هذا انکار حیات بعد فی قبرہ الشریف فان لرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرفا علی البدن البادکہ الطیبہ و اشرفا و تملیقا جبہ۔ فتح الملہم ج ۳ ص ۱۵۵ وغیرہ۔ نادالہاد ص ۱۵۵ جن علماء نے تفسیر اجزاء کے مشاہدہ کیمرہ سے ارواح شہداء کے جو اصل لہر میں استقرار پذیر ہونے کے باعث شہداء کی حیات درجائی بیان کی انکا عقیدہ ظاہر قرآن کی تردید ہرگز نہ تھا بعض اس امر مزید کا بیان تھا ہر قرآنی وحی کے علاوہ۔

مدائت کی روشنی میں ملتی ہے اور اگر ہر مہر قیل مرجع اور غلات تحقیق جہود برہا تحقیق کی روشنی میں
 اور وح شہداء کے طریق میں ہونے یا جہاں میں ہر مہر بعد از رکب بر کب ہونے سے اصل ایجاد معتزلہ
 کا مرد ہونا قطعاً لازم نہیں آتا اس امتکاف تفسیر کی وجہ سے ولایت میں کہ غنیت ضرور ہے تاہم تمام
 عریضیت جہود کی تحقیق اور تحقیق کا راجع فیصلہ دی ہے جو علامہ محمد اویسی نقل فرماتے ہیں۔ اختلاف
 فی هذه الحیاء مذہب کثیر من السلف انہا حقیقة بالروح والجسد ولكن لا تدركها
 فی هذه الاشياء (روح اللغات دوم مسئلہ)

پھر اس کے آگے صاحب روح العانی اسے ہی مشہور اور راجع قیل قرار دیتے ہیں۔

پیش نظر ہے کہ حیات شہداء طیر خضر کی شکل میں ہذا صورت مدائت ہر صورت ہے کائن عزیز نے
 شہداء کی مطلق حیات جسدی کو بیان کیا ہے اور یہی مطلق حیات جسدی دلائل انص سے انبیاء کلام کے لیے
 ثابت ہوگی حیات جسدی کی جملہ تفصیل انبیاء کی حیات جسدی کے لیے لازم نہ ہوگی شہداء کے لیے
 حیات جسدی اگر طیر خضر کی صورت میں ہے تو انبیاء کلام کی حیات جسدی ان کے اجماع و تفریق قیام میں ہی
 ہے حدیث صحیح ہے انبیاء و اعیان قیام میں حدیث کے سامنے قائم نہیں ہو سکتا قرآنی آیت کی حیات انبیاء پر
 کرنا بھی برقیاس ہے اور قیاس صحیح حدیث کے سامنے قائم نہیں ہو سکتا قرآنی آیت کی حیات انبیاء پر
 ولایت مطلق حیات جسدی میں ہے جس کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر اپنی اپنی ہوگی شہداء کی حیات کے
 لیے طیر خضر کی مدائت اور انبیاء کے لیے حیات خضر کی مدائت اس باب میں کافی دوائی رہی یہ ترجمہ
 صحت اس صورت میں ہے کہ حیات شہداء کے مدحانی ہونے کے مرجع قیل کو اختیار کیا جائے اور اگر حیات
 شہداء کے مع الجسد ہونے کے مشہور راجع اور قیام عند الجسد قول کا اعتبار کیا جائے تو پھر ہر وح شہداء
 کا طیر خضر کی صورت میں متخلل ہی ہونا اہل ان معتزلہ کی حیات کی ہرگز قی نہیں کرتا اگر بھی اسکا ادراک
 نہیں ہوتا تو یہ امر دیکھ کر ہے جو عقائی پر اثر انداز نہیں۔

۳۔ درود وفات کے بعد دعا کی کہ لیے اہل معتزلہ کا یہی ہونا ضروری نہیں وہ حیات بعد از وفات
 اجزاء متفرقہ میں ہی رہ سکتی ہے علامہ شامی باب المیزان فی الطرب والعتق میں فرماتے ہیں والنبیہ نسبت
 بشرط منہ اهل السنة بل تجعل الحیاء فی تلك الاجزاء المتفرقة لا یدرکھا البصر علیہ ۳

مستجمعہ

احادیث شریفہ

حدیث اول۔ سُنْ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَنْبِيَاءُ أُمِدَادُ فِي تَبَرُّحِ بَصُلُونِ سُنْدِ أَبِي الْيَعْلَى (جامع الصغير ص ۳۸۷) (حیاتیہ الانبیاء ص ۱۲۷) فتح المبین ص ۲۱۷
تفسیر لائمہ ثلثین کلام :- فتح الباری ص ۳۸۷ کتاب الانبیاء ص ۱۲۷ مرقاۃ ص ۱۲۷ فتح المبین ص ۲۱۷
فیض الباری جلد ۲ ص ۳۸۷۔ بتل ثقات از دعایت انس بن مالک ، مذهب العلوب ص ۳۸۷
سکھ میں معرفت قبر شریف کی حیات طیبہ کا بیان ہے بلکہ ان نفوس قدسہ کا زندگی جیسے اعمال کی شکل بھی ثابت ہے اور یہی اس حدیث کا مفہوم ہے۔

حدیث دوم

مَنْ رَأَى عَلَى طَائِفَةٍ مِنْ النَّاسِ عَلَى عِنْدِ قَبْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَارًا أَوْ بَخِيرًا فَهُوَ مِنَ الْبَاطِلِ
احضری مرقاۃ جلد ۲ ص ۳۸۷ ابن مہبان مرقاۃ۔ ابن ابی شیبہ (شرح شتا) واصلی قاری جلد ۲ ص ۳۸۷
القرن البیاض ص ۳۸۷
تفسیر لائمہ ثلثین کلام :- بسند صحیح (فتح الباری ص ۳۸۷) سند صحیح (القرن البیاض ص ۳۸۷)
ص ۳۸۷ بسند صحیح (مرقاۃ جلد ۲ ص ۳۸۷) سند صحیح (فتح المبین جلد ۲ ص ۳۸۷)۔
پیشی نظر ہے کہ آنحضرت کا یہ شتا خلق حیات سے ہے ان الانبیاء اعیانہ قیوم
فیکن انہ صواع صلوۃ من علی علیہم مرقاۃ جلد ۲ ص ۳۸۷

قَالَ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ فَخَبَرَتْهُ لِيَسْمَعَ الْعَلَّةُ
مِنَ الْعَرَبِيَّةِ وَيَسْمَعَ ذَلِكَ مِنَ الْبَعِيدِ

روائی ابن جریر کے کلام میں ہے کہ ص ۳۸۷

حدیث سوئم

إِذَا دُعِيَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَرَدٌ عَلَى مُوسَى لِلْبَلِيَّةِ لَسَوْعَ
بِ حَنْدِ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَلَى فِي قَبْرِ ۲ (صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۸۱) انا فی حدیث

دفع اشتباه

سراج کی بات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیت المقدس میں غنا اور پیر انسانوں پر غنا
حدیث سوئم کی حیاءِ قبرہ سے ہرگز خصام نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ
۱۔ و ملائکھم فی اوقات مختلفہ فی امکان مختلفہ لا یروہ العقل وقد ثبت بہ العقل
فدل ذلك على حياتهم — (فتح الباری ص ۲۵۰)

۲۔ و ملائکھم فی اوقات بواضع مختلفات جائز فی العقل حکما و بدیہا خبر
العادی فی محل ذلك دلالة على حياتهم — (میانہ تفسیر ص ۱۸۱)

حدیث چہارم

کیف تقرض صلوٰۃنا علیک وقد اومت فقال انت الله حرم علی الارض اجساد
الانبياء — سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۱۸۱ فی ص ۱۸۱ ابی داؤد جلد ۱ ص ۱۸۱

استدلال

انہما کہ لا ہب مروت ارضت سے متعلق نہیں بلکہ کیف تقرض کے سبب میں ہے یعنی انبیاء
کے اجساد مطہرہ اس میں محض نہیں کہ ان پر صلوٰۃ و سلام پیش ہو سکتا ہے ثبات ہوا کہ ان اجساد مطہرہ میں

شور ہے اور وہ اس طرح فاضل الیاء میں کہہ سزاۃ اسلام سن گئے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب
 علیہ وسلم ان الله حرم على الارض اعيان الانبياء وحقائبهم عن كون الانبياء احياء في
 قبورهم (عاشورہ فی شیعہ سنہ ۱۴۰۰ھ)

ومع ذلك في السقاة جلد ۲ ص ۱۰۰ وفي العین علی البخاری جلد ۶ ص ۱۰۰ وفي
 بذالجمود جلد ۲ ص ۱۰۰ وغیرہ

تیسرے حدیث از محدثین کرام ۱۔ علی شریک البخاری (تخفیف اللہ علیک اللہ علیہ جلد ۱ ص ۱۰۰
 باسناد صحیحہ (کتب الاذکار مشورہ ص ۱۰۰) حدیث صحیح فتح الباری ص ۱۰۰ ص ۱۰۰
 حنفی علی البخاری جلد ۶ ص ۱۰۰ مع هذا الحديث ابن خزيمة وابن حبان وذاقطنی
 ونووي وأخبر ابن كثير عنهما من قال الله سبحانه وتعالى لا تمشي على الارض فسادا
 لان الارض تلعن ذهابا (مروءة جلد ۲ ص ۱۰۰) من تأمل هذا الاستدلال يشك في صحته
 لشدة روايته (۱۰۰ الانبياء وبرز العظم ص ۱۰۰)

حدیث پنجم

قال النبي صلى الله عليه وسلم لا تخيرون في عمل موسى فان الناس يصنعون
 يوم القيامة فاصنع معهم فانك ازل من يطيع فانما موسى ما طشوا بجانب العرش فنادى
 ادرى كان فيمن صنع فانما قبل ارحمن من استغنى الله (بخاری جلد ۱ ص ۱۰۰)

استدلال

مسقوۃ اولی کے تحت صحیح زندگان ارض و سما زمین پر ابھیا تک مرتہ نہائی ہوگی، مرتہ کی تین
 سرہائیں کے (۱) استغنی من شاء اللہ (۲) اور مسقوۃ ثانیہ سے مردگان بھی ابد پہلے کے وفات یا نہ لوگ
 بھی سب کے سب زندہ ہو جائیں گے اس وقت اس حدیث کے مقتضی کے مطابق انبیاء کرام کو
 صرف اناۃ ہوگا معلوم ہو کہ وہ اس مسقوۃ ثانیہ سے پہلے ہی زندہ ہونگے نوراوتی سے موت ان پر
 معمولی فتنہ کی ہی حالت طاری ہوتی ہوگی۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ انبیاء کرام کو صرف

انفاق پر کامیاب ہو کر وہ اس صوفی خانہ سے پہلے بھی زندہ ہو سکتے تھے اور ان سے صرف ان پر مشتمل غشی کی ہی حالت جاری ہوتی ہوگی۔ اور یہ صرف اسی حدت میں ہو سکتا ہے کہ انبیاء کرام اپنی اپنی قوموں میں زندہ ہوں۔ علامہ ازہبی یہ بھی ملحوظ رہے کہ غشی کا مل حدود ہی ابدان ہو سکتے ہیں جو پہلے سے زندہ ہیں صرف روح پر غشی کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ ہی مردہ اجساد غشی کا مل حدود ہو سکتے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کو اپنی اپنی قبروں میں جو زندگی حاصل ہے وہ غشائے اولیٰ کے وقت بھی ختم نہ ہوگی کیونکہ وہ اس سے پہلے عالم دنیا سے انتقال کرتے وقت مرد و مرث کے بنیادی قانون سے عہدہ بردار ہو چکے ہونگے اور پھر قبر میں پہلے سے غاشن الیات ہونے کے باعث نفوس ثانیہ کے وقت ان کے لئے سرے سے زندہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث کے لئے دفتر میں نفوس ثانیہ کے وقت ان کے زندہ ہونے کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا بلکہ احادیث صحیحہ صریحہ کی رو سے انہیں ضمن انفاق ہر گز نکالا نہیں ہے کہ انفاق کا مل ان کے اجساد مغربہ ہی ہونگے جیسا کہ حدیث کے سیاق و سباق سے واضح ہے پس اگر وہ نفوس قدسیہ پہلے سے اچھا چنے روشت عالمیہ میں ابدان مغربہ سے غاشن الیات نہیں ترقیامت کے دن نفوس ثانیہ سے جب تمام مردے زندہ ہو رہے ہیں انبیاء کرام کے زندہ ہونے کی بجائے انفاق پانے کا آخر کیا مطلب ہوگا۔ امام بیہقی یہی استدلال کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ **سے و هذا الفایض علی ان اللہ جل شانہ قد اٰل الانبیاء و اولادہم فہم احياء عند ربہم (حیاء الانبیاء) اما صدق قیوم الانبیاء و صوفی و اما صدق الانبیاء و اولادہم فہم غشی فاما غشی فی المصور لفقہ البعث فمن مات حق ومن غشی علیہ انفاق (راجع لد۱۰)**

العینی علی الجنائز ص ۶۷

اس حدیث کی تفسیرات ہزاروں متحمل ہیں سب اس کے بعد کی ہیں اور ان کے بھی تغیر ہے نیز ہم نے اسے اپنے مدعی کی تفسیر میں نقل احادیث صحیحہ کے ان واضح فیصلوں کے بعد کیا ہے۔ اب ملت مسلمین اہل سنت والجماعت کی ان اجماعی شہادتوں کو کبھی بیٹھے۔

شہادات اجماع

عَلَّا نَمُنُّ نُوْمِنُ وَنُصَدِّقُ بِاَنَّهُ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمُ حَتّٰی یُرَوِّیَ فِی قَبْرِہٖ وَ اَنَّا

جسد اشرفین لانا کلمۃ الارض والاجماع علی هذا۔

(فتاویٰ ہدیہ ص ۱۲۵)

۵۔ الاجماع علی انہ منی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ من الدوام دلیل القائلین
شرح ریاض الصالحین للعلامة محمد بن عبد الله الشافعی الا شعرہ علی
ص ۱۲۴

۶۔ حیاء شفق علی است کس راورد سے غلات نیست (اشراقات جلد ۱ ص ۱۲)

۷۔ زندہ میں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ ستر شفق علی ہے کسی کو اس میں مخالفت نہیں کہ حیاء انکی
دال حقیقی جہانی دنیا کی سی ہے (مظاہر ص ۱۳۳)

۸۔ قبر کے پاس انبیاء کے علاج میں کسی کو اعتقاد نہیں (فتاویٰ رشیدیہ حضرت مولانا گلوکار جلد ۱ ص ۱۲)

تصریحات علماء اعلام از حلیفہ کرام

۱۔ المتقد العتد انہ منی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کما قال الانبیاء
فی قبورہم وہم احياء عند ربہم و ان لا رواقہم تعلقاً بالعالَم العلوی
والسفل کما کان فی حال الدنیوی (شرح شفا علی قادری جلد ۲ ص ۱۲)
ان الانبیاء احياء فی قبورہم فیسکن لہم صیاح صلاہ من منی علیہ
(نکاتہ جلد ۲ ص ۱۲)

۲۔ ان الانبیاء احياء فی قبورہم (شفا علی قادری جلد ۲ ص ۱۲)
رسائل ابن عابدین جلد ۲ ص ۱۲ (الرمضانی السخری)

۳۔ انہم لا یسوتون فی قبورہم بلہم احياء و اما سائر الملک فانہم یسوتون فی القبر و ہم
یحیدون یوم القیامۃ و مذهب اہل السنۃ والجماعۃ ان فی القبر حیۃ و موتاً فلا
جد من فوق الموتین کل احد غیر الانبیاء (میزان علی التمام جلد ۲ ص ۱۲)

۴۔ ولما هو مقرب منہا المحققین انہ منی اللہ علیہ وسلم حی فی یومئذ متبع بجمع الملا
قوالہا ولت غیر انہ انجیب عن العباد القاصرین عن شریف القامات (الانبیاء ص ۱۲)

فإنه يستسها أي إذا كانت منه صلته عليه وسلم وتبلغ إليه أي يبلغها الملك إذا كان المصل بعيداً (طحاوي مش ١٠٠)

تصريحات علماء شافعية ومناوئها عليه

- ١ - عندنا رسول الله صل الله عليه وسلم حتى نحش ويكلم وتعرض عليه أعمال الأمة ويبلغ الصلاة والسلام (طبقات شافعية ج ٢ ص ٢٨٢)
- ٢ - إن حياته صل الله عليه وسلم في القبر لا يعقبا موت بل يستقرحيا والأنبياء أحياء في قبورهم (فتح الباري ج ٢ ص ٢٨٢ ص ٢٨٣)
- ٣ - قال ابن عثيمين من المناوئ هو صل الله عليه وسلم حتى في قبره يصل (الروضة البهيرة كتاب الصلاة ج ٢ ص ٢٨٢)
- ٤ - قال ابن القيم حرم من الأرض أن تاحل أجساد الأنبياء وأقربانهم يسبح الصلاة من القبر فيصل ذلك من البعيد (رسائل ابن القيم في كتاب الصلاة ص ٢٨٢)
- ٥ - نقل عن الإمام مالك أنه كان يذكره أن يقول رجل فقلت قبر النبي صل الله عليه وسلم قال ابن رشد من إجماع أن الكراهة للندبة لقربان في القبر وهو صل الله عليه وسلم أحياء الله بعد موته حياة تامة واستمرت تلك الحياة (نزهة يان ص ٢٨٢)

(وفاء الوار ج ٢ ص ٢٨٢ - ٢٨٣)

تصريحات حضرات فرقة إله حديث

- ١ - قاض شوكانى روحه صل الله عليه وسلم لا تقارن له لما مع ابن الأنبياء أحياء في قبورهم (نزهة الزكري في شرح صحيح البخاري ص ٢٨٢) ذهب جماعة من المحدثين إلى أن رسول الله صل الله عليه وسلم حتى بعد وفاته (في الروايات)
- ٢ - شيخ عبد الله بن محمد بن عبد الوهاب عيسى والذي يعتقد أن رتبة

نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ مراتب النبوۃین علی الاطلاق و انتہی حق فی قیوم
حیات مستقرۃ ابلغ من حیات الشہداء المنصوبین علیہا فی التَّنْظِیْل اذہو افضل
منہم بلا ریب و انتہی یسبح من یسلم علیہ و معارفہ خیر منہم انما انبندہما
مستقریب صلی علیہ و آلیہ و سلم

۱۔ علامہ محمد الزمان حیدر آبادی انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: ”جو کوئی میری قبر کے پاس آکر دو پڑھتا ہے تو میں سن لیتا ہوں اور جو کوئی دور سے
کے پڑھتا ہے تو فرشتے لکھ کر پہنچاتے ہیں انما التہذیب کتاب و منہ صنف
علامہ محمد الزمان اہل حدیث۔

۲۔ مولانا خیر حسین صاحب دہلوی حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبریں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر و دو پڑھتا ہے وہ سنا ہوں اور دور سے پہنچایا
جاتا ہوں (مکملی تفسیر جلد ۲ صفحہ ۴۵۴)

۳۔ انہم اعیاد قبرہم یستون و قد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی
عند قبرہم مسعداً و من صلی علی نائیاً البقتلۃ (الخصیلات صلی علیہ علی غریبہ ص ۲۵۴)

تشریحات اکابر دیوبند

۱۔ قلب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ و لون البتین صلوٰۃ اللہ
علیہم اجمعین لما کانوا اعیاد فلامعنی لتودیت الاحیاء منہم (الکرب الدہلی ج ۱
صفحہ ۲۲۲ فقرہ فرج علیہ)

۲۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری۔ ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیوں کی
قبرہم جہما ان الانبیاء علیہم السلام اعیاد فلامعنی لتودیت الاحیاء منہم و لا فرق بین ان یسکن فوق

۳۔ اس جگہ مولانا حضرت گنگوہی کے وہ لکھے ہیں جو اصل سورہ میں موجود ہیں اگر اس مضمون کے اکثر
مضمون نقل کیا جائے گا۔

اور حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) (ذیل المجلد ۲ ص ۲۱)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ مآول بطور مقدمہ کے ہائیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کیلئے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جبرائیلؑ اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود یعنی جسارت جس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی اعتقاد تھا حدیث میں نص ہے کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رزق کو آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں وہاں آپ کو رزق بھی پہنچتا ہے (روحاؤ اس الزمین یمن جبرئیلہ والنبی شافع کرور مکان مشہد) کل الاستاذ ابومعمر

بعد ازاں قال التکلمون المتقون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حیات بعد وفاته اعلام السنن جلد ۲ ص ۲۱ مؤلفہ زیر غلاف حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ حدیث دیگر حضرت مولانا سید ابوالرشاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ حدیث بقولہ الانبیاء احياء مجموع الاشخاص لا الروح فقط بحیۃ السلام ص ۱۱۱ معتبر حضرت شاہ صاحبؒ۔

آخری گذارش

مسک دیوبند اہل سنت والجماعت اہل حق کا ایک اسلامی اور روحانی دائرہ ہے جس کے عقائد ہرگز مشتبہ نہیں کر کوئی شخص دیوبندیت کے نام پر جو کچھ چاہے کہتا ہے مسک دیوبند کے نظریات اکابر دیوبند کی مرکزی ملی دستاویز الہند علی القندیں قلم بند ہیں جس پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے دیگر حضرت مولانا ماسٹی کنایت اللہ صاحب ملک سب اکابر کے دستخط موجود ہیں پس الہند مسک دیوبند کی سرکاری ترجمان ہے جس کا قلم کرا دیوبندیت اور جس سے انحراف مسک دیوبند سے گزر کر تھکے ناب آفریں الہند کا وہ تاریخی فیصلہ نقل کیا جاتا ہے۔

عندنا و عند مشائخنا حضرة الرسالة صلى الله عليه وسلم حيا في قبورهم اشرف و حياتهم صلى الله عليه وسلم و حيوية من غير تكليف و هي محتملة به صلى الله عليه وسلم و هي في الآتيا نثبت بهذا ان حياتهم و حيوية و برزخية لكونها في عالم البرزخ -

بیت و حضرت لنگڑی کے دو حلقے جو دواں دواں کرنے سے نہ گھٹیں۔

تب آپ اپنی قبر فرشتہ میں زندہ ہیں رتبی اللہ بھی بروقی سخن ابن ماجہ ملا اس مضمون حیات کو بھی سوائی محمد کا م صاحب طر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ آب حیات میں بحالہ مزید طبع ثابت کیلئے رہایت اشید مسند مولانا لنگڑی م

حق قبر کے پاس..... انبیاء کے کاع میں کسی کو غلات نہیں۔

تادمی رشید یہ ہدا اقل ملا

اگرچہ ارباب علم و فہم ان مسائل کی شرعی اور کامی حقیقت کو جانتے اور سمجھتے تھے لیکن ہمارے اکثر طلبہ اور عوام یہ دیکھ کر حیران و پریشان ہوتے تھے کہ دونوں طرف کے علماء اپنے کو دیربندی کہتے ہیں اور خود کو دیربندی مسک سے وابستہ جانتے ہیں اور مسائل متذکرہ بالا میں ان کے تحریری اور تقریری بیانات ایک دوسرے سے مخالفت و متضاد ہیں انفرادی طور پر

علائے دیربند کا مسک ان مسائل میں کیا ہے؟ اس لیے معنی علائے مصر نے ان مسائل کے بارہ میں جنابیت تفصیل اور تحقیق کیا ہیں لکھیں اور مسک کا یہ علائے دیربند کی تائید و حمایت بڑی بڑی تفصیل کے ساتھ فرماتی ہے۔ جن سے اگر دیربند کے مسک کی مخالفت کتاب دست کے دواں کی دشمنی میں مذہب حقہ اہلسنت والجماعت کے مطابق ثابت و حق ہوتا ہے۔

اس مسئلہ کی سب سے پہلی تحقیق کتاب "مقدم حیات" مؤلفہ علامہ خالد محمود صاحب ایم اے۔ پتی ایچ۔ ڈی سیالکوٹی ہے جو اپنے خاص اور بے نظیر تحریر اور شکلا و اسلوب بیان میں انفرادی حقیقت کی حامل ہے، یہ کتاب طرز اثر امدال کے ساتھ مسک کا یہ علائے دیربند کو مذہب اہلسنت والجماعت کی دشمنی میں افاضی و برابرین کے ساتھ ثابت کر کے اسے جہالت ہی منید اور پکارا مصلحت ہے۔ اس کے بعد جناب محرم مولانا محمد سرفراز خان صاحب مسند شیخ الحدیث مدونہ حضرت معلوم کو جو ازالہ کی مفاد تفصیلی کتاب لکھیں اہل الصدور و فی تحقیق اصول الموقفی فی البرزخ والمغربہ منظر عام پر آئی جس میں اپنے خاص لب و لہجہ اور خمیہ اور شیریں انداز بیان سے اہل تحقیق اور تشنگان علم کے لیے کوہل رنگ و طرح کیا گیا ہے اور ان کے لیے اہل سنت لکھیں بنی جناب مولانا موصوف نے مسک حقہ اہلسنت والجماعت

کو جس کی تعمیر اور عزائم اس زمانہ میں مسلک دلچسپ ہے وہاں اور حوالوں کے ساتھ دلچسپ انداز میں بہت عمدہ طریقے سے واضح اور ثابت کیا ہے۔ جو اہل اللہ خیر القزاد۔

ہم نے اپنے اس زیر نظر رسالے میں ذکر کیا کہ ان دونوں کتابوں پر پورا پورا اہمیت کیسے ہو کر ان سے جو پرستادہ کرتے ہوئے ان دونوں کتابوں کی مبارک اور حوالوں کو بھی نقل کیا ہے۔

اسی زمانے میں اختر کی کتاب ”حیات امیران فی جوامع القرآن“ بھی لکھی گئی اور شائع ہوئی جو طلباء علم عربیہ کے لیے ان مسائل حاضرہ کے سمجھنے میں مفید و مددگار ثابت ہوئی، لیکن اس زمانے میں تفصیلی کتابوں کے مطالعے کا شوق کم سے کم ہوتا جا رہا ہے اور اختصار پسندی کا رجحان غالب ہو رہا ہے، اس لیے اس کی ضرورت بھی گئی کہ ان مسائل کے بارے میں کوئی مختصر جامع رسالہ مرتب کیا جائے جس سے کم شوق اور کم ضرورت والوں کو بھی استفادہ کرنے کا موقع حاصل ہو سکے اور وہ بھی ان مسائل میں مسلک حق اہلسنت والجماعت کو کسی قدر وہاں کے ساتھ سمجھنے کے اہل ہو جائیں۔

اس ضرورت کے پیش نظر اختر نے اس رسالہ کی ترتیب و تالیف میں محنت و مشقت برداشت کی ہے ان ارید الاصلاح ما استعظمت و ما توفیق الالبان علیہ فیکلت والیہ یتیب۔

”عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت“

اسلام میں عقائد کی دو قسمیں ہیں ایک وہ عقائد میں جن کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا فکلی اور یقینی ہے کہ جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور دوسرے میں ان کو تراثر اور شہرت عام کا ایسا درجہ حاصل رہا ہے کہ اس کی وجہ سے ان میں کسی تاویل کی بھی گنجائش نہیں، جیسے توحید و رسالت، حیات کا عقیدہ قرآن مجید کا کتاب اللہ ہونا، آخرت میں جنت و دوزخ کا ہونا، فرشتوں کا وجود، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری رسول ہونا وغیرہ۔ ان میں سے کسی ایک بات کا انکار کرنا اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اگرچہ اس کا یہ انکار کسی تاویل کی کڑے کر ہر ایسے عقائد کو ”ضروریات دین“ کا اصطلاحی نام دیا جاتا ہے۔ دوسرے درجے کے عقائد میں مذاب قبر، اور شجاعت و رویت باری تعالیٰ کے مسائل ہیں۔ ان کا ثبوت اگرچہ کلام الطینان اور پتہ ہے، لیکن اس درجہ کی قطعیت اور ایسا تو اثر ان کو حاصل نہیں جس درجہ کا ضروریات دین، اگر حاصل ہے، اس لیے کسی شہید یا کسی تاویل کی بناء پر ان میں سے کسی چیز کا انکار

اگرچہ سنت دوسری کی گواہی ہے، لیکن اس کو کفر و ارتداد نہیں کہا جاسکتا۔ (ماخوذ از دین و خیریت از مولانا محمد منظور نعمانی)

تمام اہلسنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی تہذیب و تمدن میں زندہ ہیں اور ان کی زندگی شہداء کی زندگی سے بھی اعلیٰ و ارفع ہے، علامہ دائود بن سلیمان البغدادیؒ لکھتے ہیں۔

”والحاصل ان حياة الانبياء رتبة بالاجماع“ (المرتبة الاولى) حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اجماع سے ثابت ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات پر اجماع ہے کسی کا اعتقاد نہیں رہا، اجماع کے علاوہ امام دیلمیؒ متواثر ہے بھی اس کا ثبوت موجود ہے اہل علم جتنے میں کثرت کے تمام طبقات اس کو تسلیم کرتے ہیں، امام سیوطیؒ نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے، اہل علم جتنے میں کثرت کے کئی اقسام ہیں اگر اس حدیث الانبیاء احياء فی قبورہم یصلون، کے الفاظ اور اس کا متواثر نہیں لیکن تواتر طبقہ اور تواتر قرأت کا ثبوت اس کو حاصل ہے۔ دوسرے حیات فی القبر کا عقیدہ اہلسنت والجماعت کے متفق علیہ عقائد میں سے ہے جس پر قبر کی تنعیم و تزیین بنتی ہے، اس حیات سے بھی عقیدہ حیات انہی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت اور اس کی کمالی حیثیت است کے کسی دور میں اہلسنت کے نزدیک اتھوڑی اور نزاعی نہیں رہی، اب جو لوگ اس مسئلہ کی اہمیت اور حیثیت کو کم کرنے کے لیے اس کے فردی ہونے پر زور دیتے ہیں ان کو غور کرنا چاہیے کہ کیا حیات فی القبر کا مسئلہ علامہ غنائیؒ نے فردی سمجھ کر بیان کیا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ مسئلہ حیات انہی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت کو جس کے لیے اس کے علاوہ ”الہدیہ“ میں اس کا ذکر کیا گیا ہے اور تمام اکابر علمائے دین بدین میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد امینؒ، حضرت مولانا احمد رضا صاحب امر دہلیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا خلیل احمد سہروردیؒ، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے دہلیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا خرف علی خاںؒ اور مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ وغیرہ حضرات نے اس پر اپنا اذکار اپنے شاخ کا عقیدہ جو نابیان فرمایا ہے ”مقام حیات“ میں شائع شدہ صوبہ ذیلی تحریر بھی مفید ہو گی اس کو بھی ملاحظہ کیا جائے۔

مسودۃ ما یختصہ اکابر العلماء وجہا بذة الفضلاء من قولی — اللہیں والا فضلہ۔

مذہبِ حیات النبی ﷺ

میں

اکابرِ دیوبند کا مسلک ، اکابرِ دیوبند کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اکابرِ دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ "وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے اہلخانہ سراسر جہنم میں ہیں اور جبہ مغربی کے ساتھ عالم برزخ میں ان کرمیات حاصل ہے اور حیات دنیاوی کے حامل ہے، صرف یہ ہے کہ اسلام شرم کے ملکوت نہیں ہے لیکن وہ غارت بھی پڑے ہیں اور روئے زمین میں جو درد پڑ جا جائے گا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جہرِ قدیم اور شکلیں اہست و الجاست کا مسلک ہے۔ اکابرِ دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی مستقل تصنیف حیاتِ انبیاء پر آبِ حیات کے نام سے موجود ہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جہنم مولانا رشید احمد گنگوہی کے ارشد خاندان سے ہیں ان کا رسالہ المہندۃ علی المسندۃ بھی اہل انصاف و اہل بصیرت کے لیے کافی ہے اور جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے، اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابرِ دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔ واللہ یشہد الحق و مویدہ علی البیبل۔

علیٰ سحت بذریعہ اللہ منہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ کراچی، عبدالحق مہتمم دارالعلوم ستانہ اکوڑہ، مفتی محمد قادی صاحب خاندانہ سالی، حکمرانِ مذہب سید احمد پور، مفتی محمد منہم ہامدا شرفیہ لاہور، بندہ محمد شفیق خاندانہ منہ دارالعلوم کراچی، نواز احمد عثمانی خاندانہ منہ شیخ الحدیث دارالعلوم الاسامیہ خاندانہ دارالعلوم دارالعلوم کراچی، حضرت مولانا مفتی محمد منہم ہامدا شرفیہ لاہور۔ (مقامِ حیات ص ۲۵)

حضرت مولانا مفتی محمد منہم ہامدا شرفیہ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ بھی "مقامِ حیات" میں

ملنے پر پہلے جس میں فتویٰ ہے کہ ”آپ اپنے مزار میں میات میں مزار مبارک کے ساتھ ایک خصوصی حق قبضہ و درود رہے۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ خطا کرتا ہے۔ وہ جہتی ہے، غلاب عقیدہ والا ہے۔ اس کے پیچھے غلط فہمی ہے۔“ اگے لکھا ہے ”تین حدیثیں نقل کر دی ہیں اس باب میں بحیثیت اعدائے وارث ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور جو انکار کرتا ہے جہتی اور خارج اہل السنۃ والجماعت بنے عرض ہے مرنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب بچے مرنے سے آپ سنے بھی ہیں“ (صفحہ ۱۶)

اس فتویٰ پر استاذ اسلام حضرت مولانا ذیل خاص صاحب اور حضرت مولانا مفتی عیسیٰ احمد صاحب تھانوی دامت برکاتہم العالیہ وغیرہ حضرات کے دستخط بھی موجود ہیں ان سب حضرات نے مزار مبارک میں حضرت کی میات بھری کے خلاف حقیقہ رکھنے والے کو اہل السنۃ والجماعت سے خارج اور غلاب عقیدہ والا جہمی قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ ”ایسے شخص کے پیچھے غلط فہمی ہے؟“

ایک فتویٰ کی وضاحت ۔

جناب مولانا مفتی محمد وحید صاحب دارالعلوم خدو اللہ یار ضلع حیدرآباد کا ایک محل فتویٰ مصدقہ حضرت مولانا غفر احمد صاحب مابین تعلیم القرآن دارالپنڈی بابت ماوا اپریل، مئی ۱۹۸۳ء میں شائع کیا گیا ہے اس فتویٰ کی وضاحت اور تفصیل جناب مفتی صاحب بوضوح ہی کے قلم حقیقت رقم سے ذیل میں درج ہے اس کو فورے پڑھا لے قرآن و السنۃ فی واضح ہو جائے گا۔ ایک اور تفصیل فتویٰ مفتی محمد وحید صاحب کے قلم لکھا ہوا اور حضرت مولانا غفر احمد صاحب عثمانی شہا قدسین مشہور اس کے بعد طبع کیا ہائے اس سے پہلے ”فائز حق مجدد مصلک پر درج شدہ فتویٰ کے برابر“ میں حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ہی کا فتویٰ جو تفصیلی سوال کے جواب میں ہے ناظرین کے استفادہ کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔

سوال: بندہ مست اقدس حضرت مولانا مفتی وحید صاحب دامت برکاتہم سلام مسنونہ رسالہ تعلیم القرآن دارالپنڈی کے پرچہ بابت اپریل، مئی ۱۹۸۳ء میں آپ کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے کہ جناب نے فرمایا۔ ”جو لوگ میات اپنی مغربی کے منکر ہیں ان کے پیچھے غلط فہمی ہے کوئی کام نہیں اور ان لوگوں کا

مقصود توہینِ رسول نہیں ہے؟

کیا واقعی ان کے پیچھے نازیباغیرِ کراہت کے سچ ہے یا حقِ کراہت سچ ہے۔ مگر حقِ کراہت ہے تو کونسی تحریک یا تحریج؟ جواب: باصواب ہے توہین؟ اور اگر توہین مقصود ہو تو یہ ان کا کیا کام تھا؟ سائنس شیعہ کے طریق غلط و خطیب صاحب مسجدِ نوابینِ کرم آباد و مدت روڈ لاہور۔

الجواب۔ حلفِ اوستیا و مسلمانانہ پر کو سوال صرف صحت کا کیا گیا تھا اس لیے جواب میں یہ لکھ دیا گیا تھا کہ نازیبا سچ ہر جاتی ہے یعنی غاصہ نہیں ہوتی، اس سے مقصود نفاق کی نفی ہے کراہت کی نفی مقصود نہیں لہذا نازیبا لکھ دیا ہو گی نیز کراہت سے مراد کراہتِ تحریمی ہے جو نیکو و نیک نظریہ کا انکار کرے مگر نہیں مگر ضعیف ضرور ہے جبکہ جبرائیل حیاتِ مجددِ مضرعی کے قائل ہیں جس کا ثبوت اپنی جگہ پر کیا جا چکا ہے اور اس حق پر بھی ایک بریلی تحریر اس سلسلہ میں ملے گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور اس پر حضرت مولانا غفرلہ صاحبِ قدس سرہ کے دستخط ہیں۔ اور اگر توہینِ رسول مقصود ہو تو اس کا کفر ہوتا یا ہر ہے۔ دستخط مولانا غفرلہ صاحبِ قدس سرہ دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو اشتر، ۱۰ شعبان ۱۴۰۰ھ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا مصدقہ تحریر۔

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ جس شخص کے مندرجہ ذیل عقائد ہوں اس کے پیچھے نازیبا پڑتا یا نہیں ہے؟ اور اگر جائز ہے تو کراہت کے ساتھ جائز ہے یا کراہت جائز ہے؟

۱۔ میں مذاب و ثواب کا ذکر نہیں! احادیث و آثار میں آیا ہے دراصل اس کا ملل دروں ہی ہے جو نیکو دروں کو جو بدعت کے نظر نہیں آتی اسی طرح اس پر جو مذاب و ثواب واقع ہوتا ہے وہی نظر نہیں آتا اور جس جسم مثالی کے ساتھ رنج و راحت ہوتا ہے وہی وہ جسم مثالی بھی نظر نہیں آتا۔ (اقول برمنیہ ص ۵۷)

۲۔ باقی اس ہم مضرعی کی صورت (میرہ بعد از موت تم ہر جاتی ہے حیاتِ ترکہ کی تم کو سنے کے بعد اگر باری تعالیٰ اس کو سیاتِ بیسلا کے ساتھ مذاب دیں تو کچھ بعید نہیں۔ ص ۵۸)

۳۔ ان کچھ کچھ مرنے کے بعد اس جو مضرعی پر کچھ مذاب و ثواب کے آثار نمایاں ہونے میں بدعتوں کی عبرت و درخست کے لیے اور اس کو عالمِ مثال میں بغیر تقویٰ درج کے حیاتِ بیسلا کے ساتھ

غذاب و ثواب ہوتا ہے۔ ^{۵۵}

۴۔ جنہوں نے اس جسم کو لا بلاؤ کہہ کر غذاب و ثواب کا انکار کر دیا ہے وہ اصل وہ حیاتِ بیبلا کی حقیقت کو نہیں سمجھے۔ ^{۵۶}

۵۔ اگر بعض معتزلہ اور رافضی کو مذکورۃ الصدقین کا نام ہوتا تو ان الیتِ جہادِ حیات لازم اور اک لاقتضیرِ حال کا قول دیکھتے اور شرحِ مختار دیکھتے کہ امتدھو ذین یخلق مثله تعالیٰ فی جمیع الاجزاء و یعضیہا انہا من الملیئۃ کی تاویل دیکھ کر پڑھتی۔ ^{۵۷}

انتکاسات ۱۱ سے واضح ہے کہ نزولت کے نزدیک نفوس میں جس غذاب و ثواب کا ذکر ہے اس کا مل موتِ روح ہے بہتہ جہدِ مغیری کہ اگر حیاتِ بیبلا کے ساتھ غذاب و ثواب ہوتا ہر ترکہ بیبلا نہیں لیکن اس جہدِ مغیری کے ساتھ روح کا تعلق کچھ نہیں اور یہ غذاب و ثواب اس جہدِ مغیری کو ہوا۔ تو بغیر تعلقِ روح ہوا اور جن لوگوں (معتزلہ وغیرہ) نے اس جسم کو بغیر تعلق کے کشل جہاد کہہ کر غذاب و ثواب کا انکار کر دیا ہے وہ حیاتِ بیبلا کی حقیقت کو نہیں سمجھے اسی حقیقت کو نہیں سمجھنے کی وجہ سے عقلیں کہ غذاب و ثواب کے لیے عالمِ برزخ میں (زمانِ الملیئۃ کے لیے تعلق کا ناقص ہونا پڑا۔ نزولت کے نزدیک بغیر تعلقِ روح کے جو حیاتِ بیبلا حاصل ہے عالمِ برزخ میں اسی سے ثواب و عذاب ہو سکتا ہے (زمانِ الملیئۃ کے عین کی طرف نہیں ہے اب جہد کو بغیر تعلقِ روح جہادِ تسلیم کہ کہ اس کی تہذیب و تعظیم کو تسلیم کر لیا کہ اسیر کے قول اند جہاد یغضب (ابوہی علی انبیاء ص ۵۵) کے مانند اور معتزلہ کے اس (قرآن کے مطابق نہیں ہے؟ دوسرے خود نزولت نے لکھا ہے کہ ”و اصل زندہ میں ہی مد رک روح ہی ملتی۔ جب کہ اپنی صورتِ زمینیہ میں قائم ہی نہیں رہا اور اگر ہے بھی تو روح سے بغیر اس کو اور کد و شعور پر گز نہیں ہو سکتا“ ^{۵۸} جب روح کے بغیر جہد کو ”اور کد و شعور پر گز نہیں ہو سکتا“ تو پھر اس کو غذاب و ثواب اس حالت میں حیاتِ بیبلا کے ساتھ کیونکر ہو سکتا ہے؟

۱۔ ”باقی رہا سلام و درود کا بلوغ سوا اس سے زیادہ ثواب ہے جو ہر وفات شدہ کو ملتا ہے۔ مذہب اہل السنۃ والجماعۃ“ (ص ۳۳ شفا الصدور)

۲۔ ”اور کد و شعور کا بلوغ پڑھتے دہستہ میں وہ بھی نہیں ملے کہ تین بندہ و آدمی میں قبر شریف مٹوا

ہے۔ جہاں ہر اک بھی گز نہیں ہو سکتا۔ ہر مائیکہ آواز جاکے : ص ۱۶۷۔

۸۔ مسند صالحین ترمذی کے حامی قریبوں تک کہتے ہیں کہ سب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا اور سلام کرنا چاہیے تو قبر رُخ ہر کرکھڑا ہو جائے اپنے میٹر قبر کی دیوار کی طرف کر کے دعا مانگے : ص ۱۶۸۔

۹۔ اللہ و شہ سے واضح ہے کہ شخص (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر) پڑھے گئے درود کے نہ بذریعہ طائر نہ پھینچے کا قائل ہے اور نہ عند القبر صراحۃ اللہ بخنے کا قائل ہے بلکہ صلی علی عند قبر ہی کے ساتھ اس کا درجہ گت عا د اور استہزا کا ہے اور شہ میں تو زائر قبر ہدایہ کے لیے بوقت سلام بھی قبر ہدایہ کی طرف پیش قدمی کرکھڑے ہونے کو کھ دیا ہے حالانکہ عامۃ المؤمنین کی زیارت قبر کے وقت بھی قبر کی طرف منہ کر کے سلام کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ ازاد و کرم ان مہارت پر خصوصی قوم (راہ اس شخص کے بارہ میں حکم صادر فرمائیں) کو کیا ایسے حاکم رکھنے والے شخص کی اہمیت درست ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جا کر اہت جائز ہے؟ عالم ہدایہ میں جسد مغضی سے یہ شخص چھ نو روں کے تعلق کی نفی کرتا ہے تو دہزم آتا ہے کہ اس شخص کے نزدیک قبر اظہر میں (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اقدس میں) جو حیات ہے وہ بھی میتر تعلق روح کے حیات بیدار کے ساتھ ہر اور میتر تعلق روح کے چرکھڑا رک دشو ممکن نہیں ہے اس لیے اس شخص نے درود خیریت کے پڑھنے کی مراد اجماع امت کے خلاف صحت ثواب بینا و بباد کیا ہے ہر ہر وفات شدہ کہیں یہاں ہے مگر اس میں (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) خصوصیت باقی رہ جاتی ہے : فقط المرقوم ۱۵ صفر ۱۳۸۹ھ۔

۱۱۔ ذکرہ بالا بیان کر رہے ہیں اور شی امام صاحب کا یہ عقیدہ ہے جو سلمہ بالا میں تحریر کیا ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ قرینی ہے جب تک وہ اپنے اس عقیدہ سے توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

میر درد شہداء بندہ دینی اللہ خادم دلائل الافادہ دلائل العلوام کو اچھا : ص ۱۶۹۔

الجلاب یحیٰ بندہ عسک شفیق ۱۲۔ ص ۱۶۹۔

اسی سوال کے جواب میں مدرسہ تحقیقی بکری مدرسہ حضرت مولانا غلام احمد صاحب عثمانی :

الجواب

حادثہ اور معنیٰ اس مسئلہ بطوری طور پر اہل حق اہلسنت والجماعت اس بات کے قائل ہیں کہ عذاب روح کو جسم کے ساتھ ہوتا ہے بعض نے اس میں جسم مثالی کا توسط مانا ہے اور باوجود جسم مثالی کے جسم مغیری یا اس کے اجزاء سے استدرتعلق ہونے میں جس سے تاہم تعلق و ہر کے کوئی بُعد نہیں بلکہ جسم کی حیثیت ترکیبی کا بقا۔ تعلق روح کے لیے لازم نہیں باوجود رتہ و درجہ ہر نے کے بہرہ رتہ کے ساتھ تعلق ممکن ہے اور ہر جزو احدۃ کی تقریبی ہے جہاں وہ موجود ہے تقریباً محرم اور تمام جگہوں کے قدرت سے تعلق پیدا کرنے پر خدا کو قدرت ہے جس سے عذاب و ثواب ہوتا ہے جیسا کہ ایک شہر بہت سی جگہوں کو شرف کرتا ہے اور ایک ریہ بے جگہی کا بہت رتہ میں سے تعلق ہوتا ہے لیکن اسکا اور ایک ہر دوسرے عالم میں ہونے کے ہم کو حادثہ نہیں ہوتا مگر ایمانی باغیب باقی رہے۔

بہر حال صحیح مسلک اہل حق کا یہی ہے کہ قبر میں روح مع الجسد کو عذاب و ثواب ہوتا ہے اور نہ ترکیبی باقی نہ رہے جس پر روایات اور سلف کے اقوال کثیرہ شاہد ہیں لیکن یہ عقیدہ کہ عذاب و ثواب معنی روح کو ہر اور جسم یا اس کے اجزاء سے کسی فرق کا تعلق نہ ہو یہ عقیدہ ابن حزم طاہری اور ابن میرق لاسے نیز یہ عقیدہ کہ جسد کو بغیر تعلق روح کے عذاب ہر یہ کلامیہ لاسلک ہے۔ عدم تعلق روح کے قول و مخالفت مذکور فی اقوال اور کلامیہ برابر ہیں، راجحیات بسبب کے ساتھ عذاب کا قائل ہوتا ہے مشرئ شخص ہے اور اس ضرورت میں تعلق یا قائم عذاب اجماع ہے کہ نہ تعلق ہر کے تعلق یا اجماعی ہر کے تعلق سے تاہم تعلق کا کوئی قائل نہیں۔ بہر حال یہ عقیدہ مشرئ اور اہل حق کے خلاف ہے۔

خیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس درود و سلام کے برخ سے ثواب کا پہنچا ملوینا بہت صحیح ہے اور وہ کے حق و کثرت فی کے موم اور روایات کے ذخیرہ اور سلف کے عقیدہ کی تضییع نہ تھی ہیں اور عقائد اہل حق نیز اس قائل نے یہ قریر کر کے اور بھی غم کیا ہے کہ درود و سلام کے وقت حضور کی طرف ہر کر کے کھڑا ہر کلمہ کھاتہ قریبات فقہاء کے خلاف ہے۔ مالگیری میں ہے۔

شعری قطف۔ عند وجہ مستند بالقبیلة وایضاً علیہ بہر حال میں خیالات کا
 اس شخص نے اظہار کیا ہے یہ غلط ہیں اور روایات صحیحہ اور اقوال سلف صالحین کے خلاف ہیں جس
 کی تفصیل اپنی جگہ پر کتب میں مسطور ہیں اس وقت تفصیل کی ضرورت نہیں لہذا یہ شخص مستدین میں
 داخل ہے کیونکہ مبتدع ہونے کے لیے یمن اور کافرانہ بھی کافی ہے اور مبتدع کے پیچھے ناز
 پڑتا اور اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب
 نوٹ اس سلسلہ کی تصنیفات میں لیکن الصدور کا مطالعہ مفید ہے۔

مہر دوستخط

کتبہ محمد وحید خزانہ مدرسہ دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الٹھڑ ضلع مید آباد، ربیع ثانی ۱۴۱۱ھ

اجواب صحیحہ عفر احمد عثمانی

۲۷ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ

مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ اور مرشدی حضرت مولانا قزاق احمد صاحبؒ مفتی کے
 ابن مفضل فتاویٰ کے واسطے سے انشاء اللہ تعالیٰ ان چاہک و لوگوں کی چاہدگی کمال کرمانے کہا ہے گی
 جنہوں نے ہمارے ان دونوں اکابر سے مولانا غلام اللہ خان اور مولانا سید منیر اللہ خاں کے
 بارہ میں سوال کر کے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا تھا وہ ابن مفضل فتاویٰ کو خود سے پڑھیں گے طبیعت
 صاف ہو جائے گی اور دل کے آشکالات و شبہات و دُور ہوائیں گے، ان دونوں فتاویٰ کی
 اصل (دکٹر فریڈلٹ) محترم کے پاس محفوظ ہے۔ سوال اگر تحقیق حق کے لیے ہو اللہ کتب اس طرح
 کیا ہوتا جس طرح ان دونوں فتاویٰ میں کیا گیا ہے، پھر تو اس کا جواب ان دونوں حضرات (۱۲۲۲
 کی طرف سے دی گیا، اگر اُدھر پر کے تفصیل سوال کے جواب میں آیا کہ ایسے مقامہ والوں کے پیچھے نماز کوڑ
 تحریر ہے، یا پھر سوال میں درج شدہ ان عبارتوں کے بارہ میں یہ ثابت کروا جائے کہ وہ ابن کتابوں
 میں نہیں ہیں جہاں حوالہ دیا گیا ہے مگر ان لوگوں کا مقصد مسئلہ کی تحقیق نہیں مقاصد عوام کو مضامین
 میں ڈالنا اور سید سے سادے مسلمانوں کو گمراہ کرنا تھا، اس لیے انہوں نے اصل واقعہ کو چھپا کر سوال
 صرف شخصیات کے نام سے کیا حالانکہ بحث حقائق و نظریات کی تھی۔

اصل واقعہ ہے کہ ہمارے مدرسہ متانہ ماہیروال (مرگودھا) میں ایک ناظرہ خواں صاحبہ قرآن
 نے اپنے رشتہ دار اختر حسین آزاد کو بھی اپنے ساتھ لے کر مدرسہ ضیاء العلوم جاک و سرگودھا سے تعلق
 قائم کیا اور فتویٰ بازی کی ہم جہادی کی بھی اختر حسین آزاد کے نام سے اور کبھی کسی دوسرے کے نام
 سے یہی سوال کرتا رہا چنانچہ نوائے حق صفحہ ۱۲۱ پر اختر حسین آزاد کے نام سے حضرت مفتی صاحبؒ کا
 فتویٰ شائع کیا گیا، اور تعلیم القرآن ماہ پلندہ ہی بابت ماہ اپریل ۱۹۸۳ء میں بھی اختر حسین آزاد، مدرسہ
 ضیاء العلوم جاک و سرگودھا میں پڑھتا بھی رہا اور اسی مدرسہ میں سفارت بھی کرتا رہا۔ مدرسہ مذکور نے
 بھی کچھ عرصہ مدرسہ مذکور جاک و سرگودھا میں مدرسہ کی کچھ دکان سے بھی ملینڈہ کر دیا گیا۔ دل کا حال قرآن اللہ تعالیٰ
 ہی کو معلوم ہے۔ مگر وہ لوگوں سے یہی کہتا ہے کہ میرا مقصد جاک و سرگودھا والوں کیسے نہیں ہے
 یہ فتاویٰ حاصل کرنے کی کاروائی مدرسہ متانہ سے ملینڈہ ہو رہے اور اپنے استاذ یعنی محترم کی مخالفت

کی وجہ سے کی گئی تھی۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ پندرہ سال سے زائد عرصہ پہلے کر یہ دونوں فتاویٰ اخبر کے پاس منسلک تھے۔ ”گراں“ ”ذائے حق“ اور ”تعلیم القرآن“ راولپنڈی دفتر میں فتاویٰ کی اشاعت نے ان دونوں فتاویٰ اور حقیقتِ واقعہ کی اشاعت کا موقع فراہم کر دیا۔ قجب ہوتا ہے کہ یکے کیجئے فصیحین اور ملاحین کو ”ذائے حق“ اور ”تعلیم القرآن“ میں اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ قال اللہ الشکی۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب مہاجر مدنیؒ کا تفصیلی جواب بھی اس مسئلہ حیات النبیؐ کی تائید اور اثبات میں عرصہ ہوا ”مقام حیات“ میں شائع ہو چکا ہے حال جہاں اسی جواب کو حضرت اقدس شیخؒ کے عزیز ہمارے حضرت مولانا عبد الغنی صاحب مکتیؒ کے مقدمہ کی طرح نام ”حیات النبیؐ علیٰ قولہما الکلیۃ والدلیۃ“ اداوار لاہور نے طبع دہلے کی نخل میں شائع کیا ہے، حضرت شیخ الحدیث نے اپنے الابرار کے عقیدہ کی تائید کیا ہے مگر کوئی حضرت الابرار کا ہمارے شیخ ہونا کما ہے، لکھتے ہیں۔

”بہر حال یہ کارہ آرا اور دیرینہ قدس اللہ اسرارہم کا ہر حق متبع ہے، اور ان سب حضرات کا منفقہ فیصلہ“ اللہ“ میں ہر کسی اجمال کے ترہ ہے۔ درمیان حیات النبیؐ اور شیخ الحدیث کے اختلاف میں

ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کا ایک فتویٰ

حضرت مولانا مسیح محمد شفیع صاحب کا ایک فتویٰ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کے

شمارہ بابیت ماہ سفر الخضر ۱۳۷۷ھ ص ۲۵ پر شائع ہوا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

”حیات دینی کا ہر لاکھ دنیا میں کوئی بھی قائل نہیں، قرآن کریم کی اتنی مرتبہ مخالفت کون مسلمان کر سکتا ہے، جو بھی قائل ہیں حیات برزخی کے قائل ہیں؟“

۱۔ فتویٰ ۱۱۔ پتھر لاہور قمر ہے حضرت مفتی صاحب کا یہ فتویٰ جب شائع ہوا تو ایک بزرگ عالم نے منسل استدار مرتب فرما کر حضرت مفتی صاحب سے اس فتویٰ کی وضاحت طلب فرمائی جس پر حضرت مفتی صاحب نے تفصیلی وضاحتی بیان انعام فرمایا جس کو ماہنامہ ”الصدیق“ طران بابیت ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ میں شائع کر دیا گیا تھا۔

دو منسل استدار اور تفصیلی وضاحتی بیان طران میں علامہ فرمائیں،

اگر غور سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے ان دوزن
فتوہوں میں حقیقتاً کوئی تضاد ہی نہیں ہے، پہلے فتویٰ میں حیات دینوی کے ساتھ ظاہری کی تہذیب
موجود ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے، مگر قبر اور ہرزخ کی حیات کو کوئی بھی دینوی ظاہری نہیں کہتا،
جو بھی قائل ہے وہ حیات برزخی کا ہی قائل ہے، اور نہ قرآنی ”ظاہری“ زندگی دوسلے پر دفن وغیرہ
کے احکام کیے مرتب اور جائز ہوتے، اور یہ ظاہری زندگی سب کو محسوس ہوتی، اس حیات ہرزخی
کو اگر بدن دینوی میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہونگی وہ سب سے حیات دینوی سے تفریق کر دیا جائے
تو اس میں بد تو کوئی شرعاً قباحت ہے اور نہ یہ اس کے حیات ہرزخی ہونے کے معانی ہے۔

اور دوسرے فتویٰ میں اس کی تصریح ہے کہ یہ حیات ہرزخی میں بعد مغرب کے ساتھ ہے
برزخی صوفی روحانی نہیں ہے بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دینوی کے باطل معانی ہے؟

پہلے فتویٰ میں ”ظاہری دینوی حیات“ کی نفی فرمائی گئی ہے اور دوسرے فتویٰ میں ”ہرزخی“
میں ”جسمانی حیات“ معانی حیات دینوی ”کا اثبات فرمایا گیا ہے ان دوزنوں میں کسی قسم کا تضاد کوئی
تضاد نہیں ہے، بلکہ یہ وہی معنی ہے جس کی التہد میں تمام الاہر علماء اور ابوبند نے تصریح فرمائی ہے۔
(اس کی تفصیل آئندہ آئے گی انشاء اللہ)

غلام غلام حسن لوگ اپنے سوا فہم سے الاہر علماء کرام کے فتاویٰ اور ان کی عبارات میں تضاد
پیدا کر کے حرام کو حلال دینے کی بیجا سعی کر رہے ہیں، اس تفصیلی وضاحت بیان سے چشم پوشی کرنا
ابھیچھ اہمال بیان کر ہی ہے سوچے بچے پیش کرتے رہنا، علوم کس طرح کی حیثیت پر مبنی تھیں؟
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دہلوی کے فتویٰ کی وضاحت

جن کمالیہ کے لوگوں نے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دہلوی کے اس فتویٰ سے
بھی عام لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ ان کی وصیت لے کر ہے کہ

”انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنی قبر میں زندہ ہیں گمان کی زندگی دنیوی زندگی نہیں
ہے بلکہ ہرزخی اور عام دوسرے لوگوں کی زندگی سے مختلف ہے، اس طرح غلام غلام حسن لوگ ہرزخی

ہے اور انبیاء کی زندگی سے نچلے درجے کی ہے۔ دنیا کے اعتبار سے قرد و سب اموات میں داخل ہیں۔ اثلث میت و انعم میتوں اس کی سرحد دلیل ہے، وھو کفایت اللہ کا ائذلا و کفایت المفقہ پہنچتا۔ اس فتویٰ میں صاف طور پر لکھا ہے کہ دنیا کے اعتبار سے وہ سب اموات میں داخل ہیں۔ اس اعتبار سے وہ زندگی و دنیاوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی ہے، اس سے واضح ہر جا ہے کہ عالم کے اعتبار سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زندگی دنیوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی ہے، اب رہا یہ کہ قبر شریف اور عالم برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات روح مبارک کے دنیوی جسد علیہ کیا تشریف کیوں سے ہے، اور اس اعتبار سے اس کو عالم برزخ میں ہوتے ہوئے بھی، دنیوی جہانی زندگی کہا درست ہے، اس کی نفی اس فتویٰ میں نہیں فرمائی گئی بلکہ دوسرے فتویٰ میں اس کا اثبات فرمایا گیا ہے اور قبر مبارک میں روح اہلبر اور ہم شریف کیا تشریف سے حیات کو تعلیم فرماتے ہیں اور اس کو اہل سنت و اہل بات کا مذہب قرار دیتے ہیں، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔

جواب، "صلوٰۃ و سلام کے ساتھ یا رسول و یا حبیب غدار کے الفاظ سے پکارتا اس خیال سے کہ صلوٰۃ و سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتوں کے ذریعہ پہنچا دیا جاتا ہے اور آپ تک ہماری نوا اور خطاب پہنچ جاتا ہے جائز اور درست ہے..... ان اس خیال اور اعتقاد سے مذکورہ بالا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک مجلس مولود میں آتی ہے اس کا شریعت مقدسہ میں کوئی ثبوت نہیں اور کئی وجہ سے یہ خیال باطل ہے، اول یہ کہ حضرت رسالت پند صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ اہل سنت و اہل جماعت کا مذہب ہے، تو پھر آپ کی روح مبارک کا مجلس میلاد میں آنا بڑی سے مفارقت کہہ ہوتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے اگر مفارقت کر کے آنا جائے، تو آپ کا قبر مبارک میں زندہ ہونا باطل ہوتا ہے واکم حکم اس زندگی میں فرق آنا ثابت ہوتا ہے، کوئی صورت ملانے اس کے کہ یہ ثبوت ہے یا مشہور تو میں ہے ذکر موجب تعلیم، اور اگر مفارقت نہیں ہوتی تو پھر مجلس مولود میں آپ کی موجودگی بیان اور روح کے ساتھ ہوتی ہے، یا بعض بزرگ شفت و علم کے پہلی صورت جائزہ باطل ہے اور دوسری صورت بے ثبوت اور بعین اعتبار سے موجب شرک ہے ائمہ و کفایت المفقہ جلد ۱ ص ۱۱۱۔

حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب کے اس مضمون فتویٰ سے کئی امور واضح طور پر ثابت

ہر قسم میں ایک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی اور حیات اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے اور یہ حیات ایسی ہے جو بدن اطہر کیا تو نودع مبارک کے دائمی تحقق سے قائم ہے اور یہ تحقق موجب حیات ہے، اگر نودع مبارک کو اس بدن مبارک سے ایک لمحہ کے لیے بھی مفارقت اور جدا ہو گیا ہوتا، تو قبر مبارک کی اس حیات کا باطل ہو تا، اہم ذکر اس زندگی میں فرق آنا ثابت ہو کر اہل سنت والجماعت کے مذہب کے خلاف ہو جائیگا، نیز قبر مبارک میں آپ کے جسد اطہر سے روح متدہر کا تعلق زمانا اور ہی متدہر سے متنازلت تسلیم کر کے اسکا جسد میلاد میں آنا مانا جانے لڑے بے ثمرت ہر قسم کے ملال و باعث، قرین بھی ہے کیونکہ اس سے قبر کی حیات کی نفی لازم آتی ہے، حضرت مفتی صاحبؒ کے اس تحریفی فتویٰ کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ مذہب اہل سنت والجماعت کے خلاف، آپ کی قبر مبارک میں ایسی برزخی حیات ماننے میں کہ جسم اطہر سے نودع مبارک کا کوئی تحقق نہیں اور اس معنی میں اس حیات کے دغری ہونے کی نفی خلتے ہیں کہ نودع مبارک کا اسی دغری جسد مبارک سے دائمی تحقق قائم ہے، آری اس شخص کی فہادت اور شرف ہم کا قریب ہے، حضرت مفتی صاحبؒ اس بحث سے بری ہیں، مفتی صاحبؒ "الہندہ" کی تصدیق کرنے والے اکابر علامہ اور بنوری سے ہیں حضرت مفتی صاحبؒ نے نہ صرف اعتماد علیہ الاثر کیا ہے بلکہ "الہندہ" کے تمام جراثیم کو ملاحظہ فرما کر اس پر اپنی تصدیق ثبت فرمائی ہے۔ چنانچہ اہتمام فرمایا ہے۔

وایت الاجوبہ کلھا فوجدنا حقتہ صریحہ
لا یومر حول مرادنا تھا شک ولا ریب
وہو معتقدی و معتقد مشائخی و معتمدی
نقدال وانا العبد الضعیف الراجی
رحمۃ مولانا المرہون بکشفائیت اللہ
انشاء جہا فتوری العننی المدد من قہ
المدروسۃ الامینیۃ الدہلویۃ

(الہندہ ص ۹۹-۱۰۰)

اتنی مرامت اور وضاحت کے ساتھ الہندہ کے جراثیم کی تصدیق کرنے اور ان کو نہ صرف اپنا

بکرا اپنے شایخ رحمہم اللہ کا بھی مقید و بنواسے کے بعد وہ المہدیہ میں درج شدہ اس عقیدہ کے خلاف کیسے کر سکتے تھے جس پر سب اکابر و رجسٹر کی تصدیقات ثبت ہیں۔ اور اس میں تفریک ہے کہ۔

عندنا وعند مشائخنا حضرت الرسالة	ہمارے نزدیک اور ہمارے شایخ کے نزدیک
صلی اللہ علیہ وسلم حیث ف قبر	حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں
التشریت وحیوۃ صلی اللہ علیہ وسلم	زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا
دیونہ من غیر تکلیف.....	مکلف ہونے کے.....
ثبت یہذا ان حیوۃ دیونہ برزخیۃ	پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
لحمہ نعالی عالم البرزخ	کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی ہی
(المبتد ۳۱)	ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے۔

اس تفصیل سے ناظرین کو ثابت ہو گیا ہو گا کہ حضرت مفتی صاحبؒ اور دوسرے اکابر کی جہلات جیسا کہ قبر کی اس زندگی کے دینی ہونے کی نفی کی گئی ہے اس سے انکا مقصد مطلق دینی زندگی کی نفی نہیں ہے بلکہ دینی مطلق کی نفی مقصود ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ زندگی ہر اعتبار سے دینی زندگی نہیں ہے، اسی طرح جس فتویٰ میں حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ

”لیکن حیات دینی کہنا خلاف اہل سنت ہے“ (مسائل العلماء ص ۳۱) اس سے بھی یہی مراد ہے کہ وہ دینی مطلق اور من کل الوجہ دینی نہیں ہے۔ کیونکہ سوال میں لکھا تھا کہ ”زید کتب ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں بیات دینی اس جہد مغری کے ساتھ زندہ ہیں کیا یہ صحیح ہے۔ اسکا جواب بھی صاحبؒ نے فرمایا ہے ”اس جہد مغری کے ساتھ زندگی کے سوال پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ بیات دینی کی قید کیا تو سوال کرتا ہے۔ اپنی قبر میں بیات دینی اس جہد مغری کے ساتھ زندہ ہونا کیا مطلب قریہ ہوتا ہے کہ وہ بیات ہر اعتبار سے دینی ہو بلا طر صرف جہد مغری کے لائق وہ بیات دینی ہے ہر اعتبار سے نہیں اس کی نفی حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمادی اور ہر اعتبار سے دینی کہنے کو خلاف اہل سنت والجماعت قرار دیا۔

فتیہ عبیر اور محدث کبیر حضرت السلام شیخ الاسلام مولانا طہر احمد عثمانی صابونیؒ اپنی منظر تصنیف

اعلاء السنن میں فرماتے ہیں۔

فان قلت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 حیوں فی قبره فیکون التخصیص عند
 الی دون المیت قلنا انتقلت حیاة الی
 لامن جنس الحیاة الدنیویة فهو
 میت باعتبار هذا الحیاة الدنیویة
 حیون بکمال الحیاة البرزخیة للمخایرة
 لهذا الحیاة (امام سنن میں ہے)

اگر تم کہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ
 ہیں تو یہ قربانی زندہ کی طرف سے ہوگی نہ کہ
 میت کی طرف سے تو ہم کہیں گے کہ وہ
 زندگی دوسری ہے اس دوسری زندگی کی جنس
 سے نہیں ہے لہذا وہ اس دوسری زندگی کے
 اعتبار سے میت ہیں اور برزخی زندگی کے
 ساتھ زندہ ہیں جو اس زندگی کے متاخر ہے۔

اس عبارت سے بھی بعض سنی ائمہ لوگوں نے دوسری حیات کا انکار کر دیا ہے حالانکہ اس
 عبارت میں قبر مبارک کی حیات پر برزخہ زندہ کی طرف سے قربانی ہونے کا شہ ہوتا تھا اس کو دفع فرمایا
 گیا ہے کہ وہ حیات دوسری ہے دوسری حیات کی جنس سے نہیں ہے اور اس میں کیا شک ہے
 کہ عالم برزخ میں ہونے کی وجہ سے حیات دوسری جنس کی بھی ہے اور اس دوسری حیات کے متاخر بھی
 ہے اس لیے قبر کی اس حیات پر دوسری حیات کے احکام جاری نہیں ہونگے اور یہاں قبر کی وجہ سے
 تغیر عن المہل لازم نہیں آئیگا، مگر اس حیات کا اس دوسری حیات کے متاخر ہونے کی وجہ سے وہ
 من وجہ دوسری حیات ہی ہے اس عبارت میں اس کی نفی نہیں کی گئی بلکہ اس کی وجہ اس حیات دوسری
 ہونے کی نفی کی گئی ہے جس سے وہ قربانی زندہ کی طرف سے بھی جائے نظر ہے کہ عالم برزخ
 میں اس کی وجہ دوسری حیات کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، چرھی قائل ہے وہ بعض وجہ سے دوسری
 حیات کا قائل ہے اس کے منہ سے ملنا مٹانی بخاری حدیث میں ہے چنانچہ اس کے رد
 ”مستند علماء دیوبند“ پر تصدیق فرماتے ہوئے اتمام فرمایا ہے۔

فقد رجعت النظر فی هذه المسألة

خطبت لوجدتها صحيحة نفياً

علقه قد ذهبت المرافع فيها

عقائد علماءنا ومشايعنا اخذنا

من الصلوات وغیرہ من منکعات

احکامنا من عبادہ و یوبند (۱۳۸)

حضرت مولانا غفر احمد خاں صاحب فریجی اس رسالہ کی پرزور الفاظ میں تصبیح فرمادے ہیں اور کہند
و فریجی میں درج اپنے اکابر و مشائخ علماء دیوبند کے فتوے کا احوال دے رہے ہیں نیز مسکعات الغنی
سلی اللہ علیہ وسلم میں اکابر دیوبند کا متفقہ اعلان ہے حضرت مولانا کے دستخط ثبت ہیں اور اس میں تصریح
ہے کہ مجدد عصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کرمیات حاصل ہوتے اور میات دنیوی کے مثالی ہوتے
اس اعلان کے متن کا ذکر آدرج ہو چکا ہے۔

اس اعلان اور اس تصدیق کے ہوتے ہوئے اس میں کیا شک رہ جاتا ہے کہ حضرت مولانا کا
عتیدہ اپنے اکابر علماء دیوبند کے ساتھ ہے اور وہ اس عتیدہ میں اکابر علماء دیوبند کے ہم قرار ہیں۔
زیر نظر رسالہ ایک عرصے سے نکلا ہوا تھا، بعض شخص اسباب کی سب سے اس کے شائع ہونے
کے آثار کا ہر ہونے کے قریب پر نظر ثانی کی گئی اور اس کے شروع میں پیش منظر "اور" مقدمہ کا اضافہ
نہی کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائی احترام تمام سادین و دعاگوں کے لیے ذخیرہ اکتاف
بنائیں۔ آمین۔

ستہ و بیکہ رشیدی غنی حق

قادم مدد عروج حقانہ سید ابوالفتح سید محمد رضا در رمضان المبارک ۱۳۸۰ھ

استفتاء ۷

محذوثر العلماء والفضلاء حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی
السلام علیکم۔ باہتمام تعلیم الفرقان راولپنڈی جلد ۱۷ شمارہ ۱۷ ماہ ستمبر ۱۳۸۵ھ میں مسئلہ
حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جناب کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے۔ اس کے بہام و اجمال
کی وجہ سے بہت سے بھڑن کو مغلطہ ہوا یا غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔
لہذا منوہ بان عرض ہے کہ مندرجہ ذیل امور کی تشریح فرما کر مغلطہ اور غلط فہمی کو دور فرمایا
جائے۔

(۱) عالم برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجیدہ العنصری حیات دنیوی کی طرح زندہ
ہیں، یا روح کا جسم سے کوئی تعلق نہیں۔ گو جسم سلامت ملنا جائے۔ حیات صرف روحانی ہے۔
آپ کا کیا معنیہ ہے؟

(۲) عالم برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجیدہ العنصری زندہ اعتقاد رکھنا یا اکابر
دیوبند کا متفق علیہ مسئلہ ہے یا مختلف یہ؟

(۳) اگر متفق علیہ مسئلہ ہے تو جو علماء عالم برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات جہانی
کے منکر ہو کر صرف حیات روحانی کے قائل ہیں۔ اور قائل ہی نہیں، بلکہ شبہ و دو حیات جہانی
کی تردید کو موضوع بحث بنائے ہوئے ہیں اور آپ کے حملہ بالا فتویٰ کو (جو لغت تھا ہے) تائید
میں پیش کرتے ہیں کیا یہ ایسا مسئلہ میں دیوبندیت سے ہٹے ہوئے یا بالفاظ دیگر دیوبندیت
سے خارج ہیں یا نہیں؟ اور آپ کے فتویٰ کو ان کا تائید میں پیش کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

(۴) اگر تائید میں پیش کرنا صحیح نہیں تو جناب اپنے فتویٰ کی ایسی مفصل تشریح فرمادیں کہ
مغلطہ اور غلط فہمی دور ہو جائے۔

بیٹو! تو جبروا

السائل، ایک از خدام علماء دین، ملتان

۱-۲-۳۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محذوثر المحترم و اہم معالیکم السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

سوالات کے جواب سے پہلے یہ عرض ہے کہ میرے خیال میں پہلے بھی میری تحریر کا منشاء کچھ زیادہ مبہم نہ تھا۔ مگر تقبیل ارشاد کے لئے مزید توضیح عرض کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میرے نزدیک عوام کا یہ اجمال عقیدہ کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں ان کے ایمان اور نجات کے لئے کافی ہے اُن کے ذہنوں کو اس کی تفصیلات میں الجھانا مناسب نہیں خصوصاً ایسے نسلے میں کہ ہمارے عوام کو اسلام کے ضروری احکام و فرائض و واجبات اور حلال و حرام تک کی خبر نہیں اور ان کو کھسی قمی بھڑکی یا خلعت کی بناء پر ان ضروری احکام کا علم حاصل کرنے کی فرصت بھی نہیں۔ ہمارے لئے یہ اسلام کی کوئی بھی خدمت نہ ہوگی۔ کہ ہم ان کو ضروری احکام دین بتلائے کی بجائے اس مسئلے کی غیر ضروری تفصیلات میں الجھائیں جس بزدل یا جس عالم نے عوام میں یہ بحث پیدا کر دی ہے، میرے نزدیک کوئی شراب کا کام نہیں کیا۔ اور آئندہ بھی اگر اس بحث کے کچھ اختلافی پہلو میں توطاء کو چاہئے کہ صرف کسی علمی مجلس میں پیش کر ان کو سلجھائیں جو ام میں اس بحث اور اختلاف کی اشاعت تقریر یا پھر بڑا کرنا سوائے مفاسد کے کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔ اس لئے پچھلے جواب میں اس قدر قصداً مسئلے کی تفصیل و تنقیح سے گریز کیا تھا۔ اب چونکہ سوال ایک بزدل عالم کی طرف سے آیا اور ایک علمی رنگ میں آیا تو اپنی معلومات پیش کرنا

ہوں۔

(۱۲) جمہور اہل سنت کا عقیدہ اس مسئلے میں یہی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام بروز میں جسد منصری کے ساتھ زندہ ہیں۔ اُن کی حیات برزخی صرف دعائی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی کے بالکل مائل ہے۔ بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کی حیات برزخی کے کچھ آثار بعض دنیوی احکام میں بھی باقی ہیں۔ مثلاً میراث کا تفسیر ہونا۔ اُن کی ازواج مطہرات سے بعد وفات کسی کا نکاح جائز نہ ہونا۔ متفقہ میں میں المم ہیقی کا اور متاخرین میں شیخ جلال الدین سیوطی کا مستقل رسالہ اس مسئلے کی توضیح کے لئے کافی ہے۔ جن میں روایات حدیث پوری تنقیح کے ساتھ درج ہیں۔ یہ ہیقی نے فرمایا۔ ولبایۃ الانبیاء بعد السمات شواہد من الاماریۃ العصیۃ۔ اس میں تصریح ہے کہ موت کے بعد اُن کی حیات اماریہ مٹ بھیجہ سے ثابت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت صرف جسم پر آئی ہے مروج پر نہیں۔ اس لئے حیات

بعد الموت وہی ہو سکتی ہے جس میں جسم بھی شریک ہو۔ اس حیات کو صرف روحانی کہنے کے کوئی معنی نہیں۔

اور شفاء اسقام میں امام حدیث و فقہ تقی الدین سبکیؒ نے اپنی کتاب کاٹواں باب اسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے لکھا ہے اس میں انبیاء علیہم السلام کے لئے بعد وفات کے حیات جسمانی حقیقی ثابت کرنے کے لئے فرمایا ہے۔ وقد ذکرنا من جملة من العلماء وشهد له صلوة مؤمنی علیہ السلام فی قبره فان الصلوة لیست من جسد الحیاة وحکذا انک الصفات المذکورة فی الانبیاء لیلة الاسراء حکما صفات الایسار ولا یلزم من کونها حقیقیة ان یکون الابدان معها حکما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب والامتناع عن النفرة فی الحیاب العکشیف وغیر ذلک من صفات الایسام التی فتشاهدھا بل قد تلکون لها حکم آخر فلیس فی العقل ما یمنع من اثبات الحیات الحقیقیة لهم۔ (شفاء الاسقام ص ۱۸۸)

اس کے بعد شہداء کی حیات برزخی پر بحث کرتے ہوئے فرمایا۔ فلحد یقن الایضا حیات حقیقة الان وان الشہداء احياء حقیقة وهو قول جمهور العلماء لیکن هل ذلک وظروح فقط او للجسم معافیہ قولان۔

اس کے بعد اس قول ثانی کو ترجیح دی ہے کہ یہ حیات حقیقی صرف روح کے لئے نہیں بلکہ جسد کے لئے بھی ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ جب عام شہداء امت کے لئے برزخ میں حیات حقیقی جسمانی ثابت ہے تو انبیاء کی حیات کچھ ان سے اعلیٰ و اقویٰ ہی ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثل حیات دنیوی کے ہے۔ جمہور امت کا یہی عقیدہ ہے۔ اور یہی عقیدہ میرا اور سب بزرگان دیوبند کا ہے۔

(۲، ۴) مسئلہ مذکور الصدر کی تحقیق میں یہ بھی آچکا ہے کہ صرف حیات روحانی کا قول جمہور علماء امت کے خلاف ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مذہب نہیں۔ سلف اور جمہور اہلسنت والجماعت کے مکمل اتباع ہی کا نام دیوبندیت ہے۔ جو عقیدہ جمہور اہلسنت والجماعت کے خلاف ہے۔ وہ دیوبندیت کے بھی خلاف ہے۔

میرے سابقہ فتویٰ سے حیات جسمانی کے انکار پر سند پکڑنا صحیح ظلم اور میرے کلام کی تحریف ہے۔ واللہ الموفق للسداد۔

آخر میں پھر عاجزانہ التماس ہے کہ حیات انبیاء کے تفصیلی درجات کی خاص علمی بحث کو علمی دائروں میں ہی رکھا جائے۔ عوام میں نفعی یا اثباتی اس بحث کو ڈالنا ان کے لئے کوئی خیر خواہی ہے اور نہ اسلام کی کوئی اچھی خدمت جو بحث کسی طرح سے رسالوں میں یا اشتہاروں کی صورت میں چلی چکی ہے اس کو وہیں ختم کر کے اگر ہمت کرتا ہے تو کسی علمی مجلس میں مشافہہ بحث کر لی جائے۔

والسلام

(دستخط) بندہ محمد شفیع عفرک

دارالعلوم کراچی

۱۴-۲-۵۸ھ



مقدمہ

مسک المہنت والجماعت

استفتی علی ثلاثہ وسبعین ملتہ کلہم فی النار الاملۃ واحداً

قالوا من ہی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی (ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت بہتر ذوق میں تقسیم ہوگی سب دوزخ میں داخل ہوں گے مگر ایک فرد جنت میں جائے گا، صحابہ نے عرض کیا کہ وہ کونسا ہے اے نبی! خدا آپؐ نے فرمایا جس عقیدے پر میں ہوں اور میرے اصحابؓ اور ایک روایت میں ہے بہتر دوزخ میں ہونگے اور ایک جنت میں اور یہی جماعت ہے وہ اللہ جل الجلالۃ وامت شذذ فی النار۔ اللہ تعالیٰ کی مدد جماعت و جمہور پر ہوتی ہے جو شخص اس سے علیحدہ ہوا وہ دوزخی ہے۔

اتبعوا السواد الاعظم (ابن ماجہ) فرمایا کہ تم پیروی کرو بزرگ جماعت کی اور نہ شذوذ کا دلی دوزخ ہے۔

قرآن و حدیث کی نفوس سے جمہور صحابہ و تابعین اور ملت صالحین کی اتباع کی تاکید ثابت ہوتی ہے اور جمہور ملت صالحین صحابہ اور تابعین کی مخالفت اور ان کے طریقے سے انحراف و شذوذ منوع اور اس کی سزا دوزخ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دل و زبان سے ایمان لانے کے بعد ہر مسلمان پر لازم ہے کہ مذہب المہنت والجماعت کو خوب مضبوطی کے ساتھ چکے، اور عمر بھر عقیدۃ المہنت والجماعت پر قائم رہے جو نحو المہنت والجماعت ہی فرقہ فاسق ہے۔ جیسا کہ احادیث شذذہ بالا سے واضح ہوتا ہے۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحب "عائنا علیہ واصحابہ" کی تحقیق میں تحریر فرماتے ہیں۔
 "صحابہ کا سوال فرقہ نامیہ کے متعلق تھا آپ کا मत جواب "۱۲ اصحابی ہونا چاہیے نہ اثنی عشر
 جماعت میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں، بلاشبہ اس وقت فرقہ نامیہ کا مصداق یہی جماعت تھی اور اگر اس
 سے بڑھ کر کوئی آئین لگ جاتا مفسودہ شاذ و نادر کتاب و سنت ہے۔ بلکہ "عائنا علیہ واصحابہ" کا
 حاصل بھی یہی ہے، پھر آپ کے اصحاب کا طریقہ آپ کے طریق کے سوا کوئی اور طریق نہیں تھا جس کے
 مستقل طور پر بیان کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی چاہیے۔

"بیشک متبادر یہی تھا کہ جواب اناد اصحابی ہوتا مگر یہاں سائل کا مقصد اس کے زمانے کی
 جماعت تھی کہ تین ذمتی، وہ دور فق میں حق جماعت کی تین کا طالب تھا، اگر اسے آپ کتاب سنت
 کا ہی معیار جلتے تو یہ جواب اس دور کے مناسب مال نہ ہوتا جس میں ہر اہل سے اہل فرستے کا دعویٰ
 یہی ہوتا ہے کہ وہی کتاب و سنت کا مال ہے، اس لیے یہاں آپ نے وہ فعل کن آئین بتانا چاہا
 ہے جس کا زمانے کے بھی مناسب مال ہو، وہ مرت کتاب و سنت نہیں بلکہ اس کی وہ عملی تصویر ہے
 جو آپ نے اپنے صحابہ کے سامنے بطریق اسوہ پیش فرمائی تھی اس لیے یہاں افراد و اشخاص کی بحث
 چھوڑ کر ان اوصاف کو بتا دیا گیا ہے جو فرقہ نامیہ کی نشین کے لیے ہمیشہ کے لیے کارآمد ہیں۔

اس جواب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دور فق میں کچھ ایسا تعصب نمودار ہوا ہے کہ اس زمانے کی
 کٹ جی ختم کرنے کے لیے صرف الفاظ کافی نہیں ہوتے یہاں حقیقت و مجاز علوم و خصوص کے
 احتمالات پیدا کر دینے کا سہارا ہوتا رہتا ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دو لوگ مل ہی وہ کھلی
 ہوئی شریعت ہے جس میں یہ احتمالات نہیں چلتے، اسی لیے اس دور فق کا بنیادی مسئلہ اسی تعین شریعت
 کا انکار ہوا کرتا ہے، قرآن کریم سے زیادہ لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں اور حدیث سے زیادہ فقہ کا۔
 رہا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی سنت کو یہاں مستقل حیثیت کیوں دی گئی ہے تو اس
 کی وجہ بنیاد میں اس کا اہتمام و انظمار کرتا ہے جو آپ کو اپنے صحابہ کے فہم پر حاصل تھا..... صحابہ کے
 بعض اہل کی صورت اگر دور سخت میں ہیں غور کرنے کو مستعد شریعت کے لحاظ سے اسکا یہی شریعت
 کے مطابق ہونا ضروری ہے، لیکن دور فق میں صحابہ کے متعلق یہ سن نکل رہا نکل ہے، اس لیے
 اس بحث کو ختم کرنے کے لیے اس کے طریق کو ایک مستقل حیثیت سے دی گئی ہے..... خود

دیجی اپنی کا حضرت عمرؓ کی بار بار تصویب کرنا اس بات کی کٹھنی ضمانت تھی کہ آئندہ بھی ان کی اصابت رائے انت کو تسلیم ہونا چاہیئے۔ بیچ بخاری میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے زمانے میں ہوتے تو موجودہ بے اعتباریوں کو دیکھ کر مورتوں کا مسجدوں میں آنا بند کر دیتے۔ اس اختلاف ضرورت اور اتحاد مقصد کے پیش نظر مناسب ہوا کہ "ما انا علیہ" کے ساتھ ساتھ "وامامی" کا فقرہ اور اضافہ کر دیا جائے۔

حضرت مولانا سید عبدالمعز رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جماعت اور سواد اعظم سے دیجماعت بڑا اور اعظم مراد ہے جو "ما انا علیہ" و "امامی" یعنی کتاب و سنت کی شیعہ ہے۔ اگر ان ہر ہر الفاظ کا خلاصہ نکال کر قرآن پر لگا کر اہل حق ہونے کی علامت رہے کہ وہ جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہو اور نہ صرف یہی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے طریق کا بھی احترام کرنے والی ہو۔ اگر کوئی جماعت صرف آپ کے طریقے کا احترام کرتی ہے لیکن صحابہ کے طریق کا احترام نہیں کرتی تو وہ ان الفاظ کے حدود سے باہر ہے۔ وہ دو قسم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے مابین تفریق کا حقیقہ بھی ظاہر ہو چکا۔

اسی اہمیت کے پیش نظر الفاظ باہمی صحابہ کرامؓ کی سنت کو ایک مستقل حیثیت دے دی گئی ہے۔ وہ نہ جس طرح رسول کا طریقہ خدا تعالیٰ کے طریق سے علیحدہ نہیں ٹھیک اسی طرح صحابہ کی سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے علیحدہ نہیں۔ اس لیے فرقہ نامیہ کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ وہ ان دونوں طریق کی جوہر حیثیت ایک ہی ہیں، اپنے اپنے مرتبے میں بڑگی اور احترام کی کٹائی ہو چکا اس پر لازم ہی ہو۔ خواص نے صرف سنت رسولؐ کو یا صحابہ کی ایک جماعت کو لازم ٹھہرایا ہے ان کے ناحق ہونے کی پہلی علامت تھی اور اسی کی طرف حضرت ابن عباسؓ نے بھی اپنے کلام میں اشارہ فرمایا تھا۔

(ترجمان السنۃ مشق جلد اول)

مولانا محمد رفیع عثمانی نے بھی اہلسنت کی انہیں خصوصیات اور امتیازات کا ذکر تفصیل سے فرمایا ہے تفسیر و تبدیلی کے ساتھ مقرر طور پر ذیل میں ملاحظہ ہو۔

اہلسنت کا امتیاز اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ما انا علیہ اسماعی و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام کے طریقے کو مضبوطی سے پکڑ رکھے۔ وہ اس کے متعلقے میں اپنی عقل و رائے کی اور دنیا کی

قبل وصال کی پرواہ نہیں کرتے، دہرِ مالِ اہنست والہامت اللہ ان دوسرے فرقوں کے درمیان تھا اور خیالات میں جتنے بھی اختلافات ہیں وہ سب طرزِ فکر کے اسی بنیادی فرق کا نتیجہ ہیں۔

دوسرے فرقوں کا حال یہ ہے کہ وہ سنت کو اور جماعتِ صحابہ کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ ان فرقوں میں سب سے پہلے پیدا ہونے والے دو فرقے خوارج اور شیعوں میں شیعوں کی اگرچہ بہت سی شاخیں ہیں، لیکن یہ بات قریناً سب میں مشترک ہے کہ دین کے معاملے میں صحابہ کرامؓ ان کے نزدیک قطعاً قابلِ اعتماد نہیں، بلکہ ان کے اکثر فرقے ترجمہ صحابہؓ کو معاذ اللہ منافق اور عیسائی دین سمجھتے اور جو مقام سنت کا ہونا چاہیے، وہ ان کے نزدیک ان کے اثر کے اقوال و افعال کا ہے، بلکہ اکثر ان کے سارے مذہب کی بنیاد اس کے اثر کی روایات ہی پر ہے۔ اور خوارج کا حال یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے اجتماعی مسلک اور اجماعی فیصلوں کا اتباع جس طرح اہنست ضروری سمجھتے ہیں وہ نہیں سمجھتے، گویا ان کے نزدیک یہ ہر مسئلہ ہے کہ دین کی کسی حقیقت کو اور قرآن و سنت کی کسی بات کو سمجھنے میں صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت یا انہی بڑی تعداد فعلی کر جائے اور بعد ازلے اس کو صحیح سمجھیں، لیکن اہنست اس خیال کو گراہی بلکہ سیکڑوں گراہیوں کا سرچرچہ سمجھتے ہیں۔ دوسرے تمام فرقوں کے مقابلے میں اہنست والہامت کا امتیاز اور انکا شمار یہی ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کے اجتماعی مسلک کو داعیہ الاتباع سمجھتے ہیں، اور انکا بنیادی اصول یہی ہے کہ دین کی جس حقیقت کو اور کتاب و سنت کی جس بات کو صحابہ کرامؓ کی جماعت نے جس طرح سمجھا اور مانا اور ان کے درمیان اس میں اختلاف رائے نہیں ہوا اس کو اسی طرح سمجھا اور مانا ضروری ہے، اور کسی کے لیے اس میں اختلاف رائے کی اور نئے سرے سے اس پر غور کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ افزون اہنست والہامت دین کی کسی حقیقت اور کسی مسئلے پر صحابہ کرامؓ کے اجماع اور اتفاق کو فیصلہ کن چیز سمجھتے ہیں جس سے اختلاف کرنے کی ان کے نزدیک کسی گنجائش نہیں۔ اسی لیے ان کو اہنست والہامت کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کتاب اللہ کے بعد سنت اور جماعتِ صحابہؓ کی دین میں اپنی تعلیم کوئی ہے اور اپنے کو انکا اتنا پابند بنا دیا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ اہنست والہامت کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کو دین کی اصل و اساس ماننے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یعنی آپ کے ارشادات اور آپ کے طرزِ عمل کو اس کی شریعت اور اس کے اجمال کی تفصیل سمجھتے ہیں اور ہر چیز قرآن مجید میں بیان نہیں کی گئی ہے اور سنت میں

انکلیان ہے، ان کے نزدیک وہ بھی واجب اتباع اور جزو دین ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی یہ عیثیت تسلیم کرنے کے بعد وہ جماعتِ مسماۃ کی یہ عیثیت بھی تسلیم کرتے ہیں کہ کتاب و سنت کا جو مشاعرہ انہوں نے کہا اور جن امور پر انکا اجماع ہو گیا وہ بھی واجب اتباع ہیں اور کسی مسلمان کو حق نہیں ہے کہ ان کے اجتماعی مسلک اور اجتماعی فیصلوں کے خلاف اپنی کوئی رائے رکھے،

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کا مکتوبِ گرامی۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں جس کو ابو داؤد میں سند کے ساتھ بیان کیا ہے، اہلسنت کے اس مسلک کی بڑی واضح ترجمانی فرمائی ہے، فرماتے ہیں، واللہ اعلم بعد انزل اللہ ایتہ کذا و بعد قال هذا؟ لقد قرأوا منه ما قرأنا و بعد عنہما من قال یلعنہ ما یلعنہم و قالوا بعد فالت کھلم بحضرت و قدر (اور ہر مذکور کتاب السنن باب فی لزوم السنۃ) مطلب یہ ہے کہ اگر تم قرآن مجید کی بعض آیات کو اس کے خلاف پڑھتے ہو اور اپنی دانست میں تم ان آیتوں کو مسئلہ تقدیر کے خلاف سمجھتے ہو تو یہ فرسوج کر کہ سب آیتیں قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ نے بھی پڑھی تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور آپ کے یقینی صحبت سے وہ قرآن کو تم سے بہتر سمجھنے والے تھے، اس کے باوجود وہ اس مسئلہ تقدیر کے قائل ہوئے ہیں اس سے تمہیں خود کج رہنا چاہیئے کہ تم ان آیتوں کا مطلب سمجھنے میں غلطی کیا ہے ہو؟

غرضیکہ اہلسنت والجماعت کا مسلک اور انکا بنیادی اصول یہی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اپنے اس مکتوب میں بیان فرمایا ہے یعنی دین کے بارے میں جماعتِ صحابہ پر پورا اعتماد کرنا اور ان کے متبادل میں اپنے علم و جسم کو شخص اور اس کا گتے ہوئے ان کے اجتماعی مسلک اور اجتماعی فیصلوں کی پوری پوری تقلید کرنا، جمہور امت کا مسلک یہی رہا ہے اور یہی وہ صحیح مسلک ہے جس کی حدیث شریف میں مانا، علیہ و اصحابی سے تغیر فرمایا گیا ہے۔

ایک گمراہ کن مغالطہ :-

بعض لوگ جن کی نظریں سلف کی اتباع کی اتنی اہمیت نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ اصل یہی نہیں

قرآن و حدیث ہے اور دین میں ہم قرآن و حدیث کے سوا کسی چیز کو سند نہیں مانتے !

یہ بات صحیح ہے کہ اصل چیز دین کے بارے میں قرآن اور حدیث ہی ہیں لیکن یہ لوگ اس بات کو غلط معنی میں استعمال کرتے ہیں اور مغالطہ دیتے ہیں گویا یہ کو حق اور باطل کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ سلف صالحین کا اتباع نہیں چاہتے اور جن کو ان کے علم و فہم سے زیادہ اپنے علم و فہم پر اعتماد ہے وہ اپنی رائے اور اپنی فکر کا اتباع کرتے ہیں اور کتاب و سنت کا نام لے کر دوسروں کو بھی اسی کے اتباع کی دعوت دیتے ہیں۔

پس ہمارے اور ان کے طرز فکر اور طرز عمل میں فرق یہ نہیں ہے کہ وہ دین میں اصل کتاب و سنت کو قرار دیتے ہیں اور ہم سلف صالحین کو۔ بلکہ یہ ہے کہ ہم کتاب و سنت کا اشتہار متعین کرنے کے بارے میں سلف صالحین کے فہم و فکر کو زیادہ قابل اعتماد سمجھتے ہیں اور وہ اپنے خیالات اور اپنے فہم پر زیادہ مجبور کر رہے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی پہلے سلف کے ان کی تقلید کریں۔

خارج کا قرآنی نعرہ اور حضرت علیؓ کا جواب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ خوارج کے بلج کو سمجھانے کے لیے تشریف لے گئے خوارج نے قرآن کا نعرہ دیا کہ ہم اسی کتاب اللہ کو مانیں گے جیسا کہ آج کل کے بہت سے گمراہ فرقے ایسا ہی نعرہ دیتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید پڑھ کر اس کو اُپر اٹھایا اور فرمایا..... ایھا المصحف حدث..... ایھا المصحف حدث۔ یعنی اسے قرآن بول یعنی اسے قرآن بول ہمارا یہی فرمایا پھر کچھ دیر خاموش رہ کر خوارج سے مخاطب ہو کر فرمایا تم نے دیکھ لیا کہ قرآن میرے کہنے سے جی نہیں بولا۔ گویا اس تمہیر سے انہیں بتلایا کہ قرآن کی پیروی کی صورت یہ ہے کہ جو قرآن کو سمجھنے والے میں وہ جو کچھ قرآن سے کہہ کر نکلیں اس کی پیروی کی جائے۔ کتاب و سنت بولتے ہوئے انہی قرآن میں کہہ رہے ہیں کہ کئی سوال کریں اور وہ ہم کو ہماری زبان میں جواب دے دیں۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا اجتنبوا جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلو دیاست قرآن کو اور دین کو حاصل کیا، یہ تم کہتے ہو کہ تم ان سے زیادہ قرآن کو اور دین کو جانتے والے ہو! پھر آپ نے ان کے خیالات و شبہات کا تفصیلی رد کیا، سوئے انکو رد نہائی کہتے ہیں اس واقعہ سے مجھے صوف یہ بتلانا تھا کہ ہمارے اس زمانے کے

جو لوگ اور چھٹے فرستے اتباعِ سنت کے عمل کے جا کی نہیں اور کہتے ہیں کہ ہم صرف کتاب و سنت کو ملتے ہیں دراصل ان کی مذہبیت باطل رہی ہے جو ان خواتین کی تھی اور وہ لوگوں کو سلف کے اتباع سے توجہ کرانے میں متبیین میں داخل کرنا چاہتے ہیں اور جو سادہ لوح انکی بات ملتے ہیں وہ درحقیقت سلف صالحین کے اتباع سے آزاد ہو کر خود ان کے شیخ اور مستفی بن جاتے ہیں اور اسی سے امت میں نئے نئے فرقے اور نئے نئے گروہ پیدا ہوتے ہیں۔

بہر حال دین کے بارے میں سلف صالحین پر اعتماد اور انکے اتباع ہمارے نزدیک نہایت ضروری ہے اور اسی میں تمام مسائل کے دین اور ایمان کی حفاظت ہے۔ (دین و ذہنیت ص ۱۳)

قبر میں مرد و عورت کی وہ سے حیات کو نفسی قرآنی کے خوف کتنا بھی سلف صالحین کی اتباع سے آزاد ہو کر انہار خیال کی۔ ایک مثال ہے، بعض لوگوں نے حافظ ابن حزم کی اتباع میں اُست و کبریا

”اللہ یشوق الالقص حین موتھا والقی لعنتہ فی منامھا فیہ الاتی قضی علیہا الموت ویوسل الاخری فی اجلی تسی“ تو جھگڑا۔ الشریعہ کرنا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور ان جانوں کو قبض کرنا ہے جو نہیں مرتی انکی نیند میں سر روک دینا ہے ان جانوں کو مقرر وقت تک چھوڑ دینا ہے اسے ثابت کیا ہے کہ اس نفس قرآنی سے ثابت ہوا کردہ تمام مرد و عورت جن کا ذکر ہم نے کیا ہے قیامت سے پہلے ہم کی طرف نہیں دیکھیں۔ (کتک لیل ص ۱۶)

حافظ ابن کثیر، علامہ ابن حزمؒ کے اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں

فاما سکہ سبحانہ الی قضی علیہا

الموت لاینافی وہ ما الی جسدھا

الیف وقت ما راعا رعا لا

یوجب لہ الحیوة الممدودة فی

الدنیا و اذا احسان النہم روحہ فی

جسدہ و معہ حیاتیہ غیب

حیاة السقیط فان النہم شقیق النہم

فہکذا الہیت اذا امیدت روحہ

کامیاتیہ کے فرماتے ہیں۔ کچھ عزیزند

الاجساد بحالت لہ حال متوسطة
 بین النہی و بین المیت الذی علم
 قوہ روحہ الی بدنہ کحال انسانہ
 المتوسطة بین النہی و المیت فکامل
 هذا ینحی عنک اشکالات کثیرہ
 (کتاب الروح ص ۷)

موت کی پہن ہے اسی طرح مردہ کا مصلح
 ہے کہ جب روح اس کے جسم کی طرف
 لوٹتی جاتی ہے تو اسکا حال زندہ اور ایسے
 مردہ کے حال کے درمیان ہوتا ہے جس کی طرف
 روح دنیا کی گئی ہو یا کہ مرنے والے کامل
 زندہ اور مردہ کے درمیان ہوتا ہے اس مثال

جی خوب یاد کرو اس سے تمہارے بہت سے اشکالات رفتی ہو جائیں گے :

مفسرین کلام کی تفسیر کے مطابق موت میں ارواح کو روک لینے کا مطلب یہ ہے کہ ارواح اپنی
 میں تدریج و تعرت جیسے کرتی اور ان کو تدریج و تعرت سے روک دیا جاتا ہے مثلاً یہ کہ بدن میں غن کا دور
 ہر سانس چلے گا، جسم پر غصہ نہیں پھیلے گا، لاش و نما ہو مثلاً بال برص میں، ناخن پڑیں، سیسہ کو دنیا میں یہ
 کاروائی ہوتی تھی چنانچہ علامہ اوسجی اللہ یشوقہ النفس حین موتہا کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

ما یتبہا عن الابدان فان
 یقطع تعلقها لتعلق التصرف فیها
 عنہا ۱۱ (روح المعانی ص ۱۱)

یعنی اللہ تعالیٰ ارواح کو اپنی طرف سے جتن کرنا
 ہے اور یہ کہ ایمان میں ارواح کے
 تصرف لائق ذاتی نہیں رہتا۔

اس مہارت میں تعلق التصرف فیہا انہما کے الفاظ صاف طور پر اس حیثیت کو واضح کر رہے
 ہیں کہ موت میں ارواح کا بدن سے تعرت لائق باقی نہیں رہتا جب موت میں اساک ارواح کا مطلب
 یہ ہے کہ ارواح کو ایمان میں تعرت کرنے سے روک دیا جاتا ہے تو اب تعرت فی او بدن اور دنیا کی
 جزوہ مہرہ ثابت کرنے کے لیے مردہ ارواح کو اساک کے خلاف ہر گاہ، مگر روح کا مصلح بدن کی طرف
 مجبور کرنا جس سے دنیا کی جزوہ مہرہ ثابت نہ ہو اور بدن میں تدریج و تعرت بھی حاصل نہ ہو، ایسا مردہ اساک
 ارواح کے خلاف نہیں ہے، اور قبر میں جو مردہ ارواح امادہ بیٹھ مجھ سے ثابت ہے وہ ایسا ہی ہے
 جس سے تعرت تدریج و بدلہ حاصل نہیں ہوتا ماسیچلہ وہ اساک ارواح کے خلاف نہیں ہے اور اساک اساک ارواح
 کے خلاف لینے جانی اور مفسرین کے بیان کردہ اس مطلب کو تسلیم نہ کیا جائے اور اساک مصلح ہے یہ مردہ اور ارواح
 کو اس طرح روک دیا جاتا ہے کہ کسی طرح سے بھی حرکت و تدریج نہیں کریں اور کسی ایک مقام میں مجبور ہو جائے کہ

جانتیں ہیں، قرعہ مطلب ان تمام احادیث صحیحہ کے خلاف ہو گا جن میں ارواح کا موت کے بعد جنت میں جہنما پھرنا، سیر کرنا وغیرہ ثابت ہو چکے ہیں، اور آیت مبارکہ میں ارواح سے چھ ارواح کا دوبارہ ابیان میں اگر تصرف کرنا مذکور ہے اور اسکا کہ اسی ارسال کے متبادل میں بیان فرمایا گیا ہے اس لیے لامحالہ اسکا سے ایسے ارسال کی نفی ہو گی جس میں تصرف فی القبر بیان پایا جائے، اور خفا میں اسکا متبادل ارسال مذکور ہونے سے ثابت ہو گیا کہ اسکا محدود روح فی القبر اور عالم قبر میں فی الجملہ موجود ہونے کے خلاف اور معارض نہیں ہے، بسا شہادت احادیث صحیحہ سے ہوا ہے بہر حال قرآن کریم کی اس آیت اور محدود روح کی احادیث میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے اور نہ ہی یہ آیت اس بارے میں خاص مرتبہ ہے کہ عالم قبر میں روح کا اعادہ کسی قسم کا ہی نہ ہو گا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ”پھر اس مسئلے کرنے کے بعد، ان جہانوں کو کہ تصرف فی القبر کی طرف لو کہتے تھے، روک دیتا ہے جن پر موت کا حکم فرمایا گیا ہے اور باقی جہانوں کو (جو کہ قوم میں مسلط ہو گئے تھے) اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا، ایک ميعاد معلوم (یعنی مدت مقرر) تک کے لیے راکھ دیتا ہے (کہ جاگ کر پھر دستور ابیان میں تصرف کرنے لگتی ہیں)۔“
(بیان القرآن جلد ۱۰ ص ۱۰۷)

(الغرض اس آیت کریمہ سے حیات فی القبر کی اس نوع کا رد اور اعادۃ الروح فی القبر کے اس مفہوم کا ابطال جس کے بعد مثبت ہے اور روح کا جسم سے قبر میں الیا تعلق جس سے دوسری جگہ سہوۃ تو ثابت ہو کر عند القبر سماع اور قبر کی راست و تکلیف وغیرہ کا ادراک ہو سکے، اس آیت سے اس کی نفی کسی طرح بھی نہیں ہوتی۔ مگر انجلی بعض لوگ اس آیت سے محدود روح فی القبر اور حیات فی القبر کی احادیث کا رد کرتا چاہتے ہیں مگر یہ دیکھ نہیں ہے، جیسا کہ اوپر تفصیل سے گزرا، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حیات فی القبر کا اس آیت سے انکار ایسے ہی لوگوں نے کیا ہے جو مذہب قبر کا انکار کرتے ہیں اس زمانے میں ہر لوگ اس آیت سے اعادہ روح کا انکار کر کے حیات فی القبر کا انکار کر رہے ہیں اور انہیں لوگوں کی روش پر چل رہے ہیں جو مذہب قبر کا انکار کرتے ہیں۔

اس تفصیل سے قصد ہے کہ قرآن و حدیث کے مطلب اور معنی سمجھنے اور ان کے مفہوم و مضامین کے متعین کرنے میں حضرات سلف صالحین کے فہم پر اعتماد کرنا ضروری ہے اس کے بغیر قرآن و سنت

کے صحیح معنی اور زاد کو صرف اپنے فہم و علم کی بنیاد پر سمجھنا درست نہیں ۔
حضرت مجدد و امام ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں ۔

سعادۂ آثار آئندہ ہو ملکہ ضلالتہ	اسے نیک بنت جو پیرم پر ہوا دم پر دم
است تعجیب عقائد بستمندانے کتاب	ہے وہ کتب و سنت کے مطابق حکام کی اصلاح
و سنت پر بھیج کہ علماء اہل حق	کہ تائید کس طرح پر کر ملنے اہل حق نے
شکر اللہ سبحانہ ان کتاب و سنت	و اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو بار آورے
آں عقائد و افہیمہ اند و انالیغہ	کتاب و سنت سے ان کو کچھ ہے لہذا ہے
کہ ۱۴ چہ فہمیدن ما و شد از حیف	افزایا ہے کہ کچھ ہمارا اور تہدائے کائنات
اعتبار و ساقط است اگر موافق اقدام	ہر گزوں کے فہم کے مطابق نہ ہر امتداد کے
ہیں جو گواراں بنا شد زیرا کہ ہر بیت	تمام سے متاثر ہے کچھ عمر پر ہر حق اور گوارہ
و ضل احکام باطل خود و از کتاب و	اپنے باطل احکام کو کتاب و سنت ہی سے
سنت فہم و اتان بنا اخذ محض فاید	سمجھتا ہے اور وہیں سے اقتدار کچھ ہے تاکہ
والحال اند لا یفنی من الحق ضیاد	اسکایہ کچھ حق کی کسی چیز سے مستحق نہیں کہند
رکیزات و فخر حق حق و حق و حق و حق	

یعنی ارشاد

حضرت مجدد و امام ثانی ہر کلمہ کی دلی اور طریشان کے صاف طور پر ترجمہ ہے جس کو
بہاد اور تہدائے کائنات نے حق کی سیر کے مطابق نہ ہر فرد و امتداد کے ہر گز وفاق نہیں ۔ تو انج اس
زمانے میں کسی اور کا کیا مقام ہے کہ جس کی فکر و نگاہیں صحت کی کمر سے زیادہ قابل اعتبار و امتداد ہو سکے
و در ہی بات حضرت مجدد و امام ثانی کی مہارت سے یہ واضح ہوتی کہ کسی شخص یا فرقے کا کتاب و سنت سے
استدلال کرنا ضروری نہیں کہ وہ قابل اعتبار ہی بہاد صرف قرآن و سنت کا مفہوم اس کے حق پر ہونے کی
ضمانت نہیں ہر ۱۴ چہ عمر پر حق اور گوارہ فرقہ اپنے باطل عقائد و نظریات کو ہر ذمہ خود کتاب و سنت سے
جی کہتا اور دلائل ہی سے حاصل کرتا ہے ۔ ایسے سلف صالحین کی تفسیر و تشریح کے خلاف قرآن و سنت
سے استدلال نہ ہر فرد و امتداد پر حق ہر گز اور گوارہ باطل فرقوں کی پیروی ہوگی ۔

حضرت امیر ابن عبد الجبارؑ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:-

ولا يجوز أحداث تأويل في آية و
بأنه ليس كرسى آية و حديث لا كرسى آية
منه لم يحن على هذا السلف
ولا عرفه ولا ينيه للامة فان
هذا يتحسن انهم وجدوا الحق
في هذا فملاوا منه واهتدى
اليه هذا المعترض المتأخر
فكيف اذ كان تأويل يخالف
تأويلهم و يخالف و يخالف هذا
لتأويل اظهر من ان يطلب في
وه الخ (الصادق المكي ص ۲۰۳)
طبع مصر

کسی بطل کی بھی ضرورت نہیں :-

اس سے معلوم ہوا کہ جس آیت کریمہ یا حدیث شریف کا ہر مطلب اور معنی حضرات سلف صالحین نے نہ سمجھا ہر اور نہ کیا ہر اور متاخرین میں سے کسی نے سمجھا اور کیا ہر، تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ مطلب کوئی نصیحتاً مردود ہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہ کے واقعات استدلال۔

حضرت عزیر علیہ السلام سے متعلق قرآن کریم کے مضمون سے حضرات سلف صالحین نے صحیح سورتی کی نفی پر استدلال نہیں کیا۔ اسی طرح اصحاب کعب کے واقعہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ وفات سے بھی سلف صالحین میں سے کسی نے عدم صحاح انبیاء علیہم السلام پر استدلال نہیں کیا اور واقعہ ان واقعات کو عدم صحاح مرقا، خصوصاً عدم صحاح انبیاء علیہم السلام سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ یہ واقعات قرآن کریم میں سلف خلف سب نے پڑھے پڑھائے اور ان آیات کی تفسیریں اور تشریحات صحیح

مگر کسی نے بھی ان سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مہم سماع عند القبر پر استدلال نہیں کیا ؟ اب جو شخص ان سے یہ استدلال کرے وہ باطل و مردود ہے اور بقول علامہ ابن عبد البر وہی اسکے رد کے لیے کسی بطلان کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ان واقعات کے ہوتے ہوئے بھی حضرات عند القبر سماع انبیاء علیہم السلام کے قائل تھے جس کی تفصیل آکر ہی ہے۔

حضرت سراج علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قبر اور ہرزخ کی زندگی میں زمانے کے کم و بیش گزرنے کا احساس نہیں ہوتا، ویسے ہی مام طور پر اس و غری زندگی میں بھی غرضی اور فنی کی حالت میں وقت اور زمانے کی طرف توجہ اور التفات نہیں رہتا، اور اس کی صحیح یقین اور تصدیق نہیں ہو پاتی، فنی کی حالت کا زمانہ دراز اور غرضی کے وقت کا زمانہ چھوٹا محسوس ہوتا ہے ایسے اگر حضرت سراج علیہ السلام نے ہرزخ کی غرضی والی سوسالہ حالت کو ایک دن یا اس سے کم سے تعبیر فرمایا ہے تو اعلیٰ تعجب نہیں ہونا چاہیے اور نہ اس سے یہ کہنا چاہیے کہ حضرت سراج کو اس حالت میں کسی بات کا سماع حاصل نہیں تھا، کیونکہ زمانے کی مدت معلوم نہ ہونے اور مہم سماع میں کوئی عذر نہیں ہے، کہ مہم علم مہم سماع کو مستحکم ہو، اور تعین مدت کا علم نہ ہونے سے مہم سماع ثابت ہو جاتے۔ حضرت سراج علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جواب ”بشت یومنا اربعین یوم“ سے واضح ہے کہ حضرت کو اپنے بشت اور قیام کا علم تھا البتہ مدت بشت کی یہ تعین کا احساس نہیں تھا، تو پھر اس جواب سے مطلقاً فنی علم کو کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے ؟ اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ عذر علیہ السلام کو اپنے رہنے کا علم ہی نہیں تھا، حالانکہ بشت فرما کر اپنے رہنے کے علم کو قرآن و ثابت فرما ہے ہیں البتہ وقت کی تعین اور مدت قیام کا صحیح تشدید نہیں ہو سکا اور سوسالہ مدت ان کو ایک دن یا اس سے بھی کم محسوس ہوئی، دیکھئے کہ بشت سے وقت کی تعین اور مدت بشت کے سوال و جواب میں اپنے احساس کے مطابق بشت پورا اور یمن یوم فرمایا گیا کیونکہ بشت سے زمانہ کی قوتیت و تعین و ریافت فرمائی گئی تھی، بشت اور بشت کا حامل اگرچہ حضرت سراج علیہ السلام ہیں اور فعل اپنے حامل کی صفت ہوتا ہے اور اپنی صفات کا علم ضروری ہوتا ہے، (الشباب از کاظمی شمس الدین صاحب) مگر زمانہ اور وقت دو انسان کے ذاتی حالات میں داخل ہے اور نہ صفات میں بکثرت ہے اور الگ متولد ہے۔

بشتا بشت میں ٹھہرا تو حضرت سراج کی صفت ہے، مگر ٹھہرنے کا زمانہ اور وقت غریب ہے۔

سنت الگ متولہ سے ہے اور عرف الگ متولہ سے ہے، دونوں کو غلط نہیں کرنا چاہیئے، الشباب
الہین، مولانا سرخاں صاحب (ماملہ) سے کہتے ہیں کہ وقت الگ متولہ کا علم کو سنت ہر ایک وجہ سے معذوری تھا اسکو
بہشت سے تیار کیا گیا، مگر وقت بہشت اور وقت قیام کا علم معذوری نہیں تھا اس لیے اس کی تعین اور وقت
نہیں ہر ایک کیونکہ زمانہ اور وقت سنت نہیں ہے کہ اسکا علم معذوری ہوتا بلکہ عرف اور الگ متولہ ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ بہشت اور عت کہتے، اور الگ الگ متولہ ہیں، وقت بہشت کے علم سے علم بہشت
کی فنی لازم نہیں آتی، فافہم ولا تھن من القاصون۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمد الحسن قدس سرہ واقعہ عزیز کے فائدہ میں تحریر فرماتے ہیں۔
”سورہیں الگ اسی حال میں رہے اور کسی نے ذائقہ رواں اگر دیکھا نہ اعلیٰ خبر ہوئی (فائدہ قرآن مشہ)
جب اس سوساہ وقت بہشت اور قیام کی اہم تر شاخ میں کسی نے ذائقہ رواں اگر دیکھا اور نہ ان کی
خبر ہوئی تو پھر کسی کام و سلام کے صلح خدا سے اس واقعہ کو کیا تصدیق باقی رہا؟
نیز حضرت حکیم الامت تھانویؒ اس واقعہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

”یہی بات کہ جب دوسروں نے دیکھا نہیں تو لوگوں کے لیے خود قدرت کی طرح ہوا؟ وہ
اسی کی یہ ہے کہ قرآن خارج قلعہ سے انکا صدق بیان لوگوں کو بعد از معذوری کے سلام ہر جاد سے گا۔
جیسا کہ خدا ان کی ایسی ہی قرآن سے خبر پتا ملے رہنا مدت طویل تک معلوم ہو گیا، واللہ تعالیٰ اعلم (بیان القرآن
ج ۱ ص ۳۱) اس سے بھی معلوم ہو کہ ذکر ان کے پاس گیا اور نہ ان کو کسی نے دیکھا۔ جہاں القرآن مشہ
میں اس واقعہ سے برہم سامع کوئی پرستہ دل کیا ہے وہ درست نہیں ہے، مؤلف جہاں القرآن
لکھتے ہیں۔ ”یہ بعض ان کا اندازہ اور تخمینہ تھا، سو سال کا عرصہ انہیں ایک روزہ خواب کی طرح معلوم ہوا
اس سے معلوم ہوا کہ حالت موت میں یہ جلیل القدر پیغمبر علیہ السلام اختلاف میل و نہار اور انکسابت زمانہ
سے بالکل بے خبر تھا۔ اگر انہیں ان چیزوں کا احساس ہوتا تو قدرت کا وہ یہ تخمینہ بیان دہکتے بلکہ ان کو
پڑ رہی مدت کا ٹھیک ٹھیک علم ہوتا، اس واقعہ سے صلح موت کی فنی ہوتی ہے، کیونکہ حضرت عزیر علیہ السلام
دنیا میں ہونے والے تمام اختلافات سے بے خبر تھے۔ سو سال کے عرصہ میں ذوقیات دن کے اختلاف
کا ان کو پتہ چلا اور نہ ہی بیرونی آوازیں سنائی دیں“ (جہاں القرآن ص ۳۱)

اس واقعہ میں اگر باغرض یہ ثابت بھی کر دیا جائے کہ حضرت عزیر کو بیرونی آوازیں نہیں سنائی دیا

گئیں، تو بھی اس خاص واقعہ کو سمجھ سوتی کی نفی کے لیے بطور قاعدہ کلیہ کے پیش کرنا قدرتِ جیس ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت عزیرؑ کی یہ موت ایسی معاد موت نہیں تھی جو میرے کپڑا پر ہونے کے بعد کیا کرتی ہے اور اس کے بعد دنیا میں دوبارہ زندگی نہیں دی جایا کرتی، بلکہ غیر معاد طریقہ پر عام اموات کے برخلاف ان پر یہ موت وارد کی گئی تھی، اس لیے عام موتی کو اس خاص میت پر قیاس کر کے عدمِ سمجھ سوتی پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ قیاس قیاسِ مع الفارق ہے۔ اور اختلافِ دلیل، دشوار اور انتکاباتِ زمانہ سے بے خبر رہنے کی وجہ سے عدمِ سمجھ سوتی پر استدلال کرنا تو باطل ہی غیر متعلق اور غلط ہے، اس لیے کہ یہ امور سمجھات میں سے جیسا ہیں، جن کے سمجھ سوت میں اختلاف اور گنگنا ہے، غیر سمجھات کے عدمِ علم اور بے خبر رہنے سے سمجھات کے نہ سمجھنے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، اس واقعہ سے حضرت عزیرؑ کے علمِ غیب کی تو نفی ہوتی ہے کہ ان کو اپنی موت کے بعد اختلافِ دلیل و دشوار اور انتکاباتِ زمانہ کا علم نہیں ہوا، اور اس لیے وہ قدرت کا تجزیہ صحیح طور پر نہیں کر سکے۔ مگر اس واقعہ سے سمجھ سوت کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ حالتِ موت میں ان سے سلامِ کلام اور اس کے دہننے کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے، اس واقعہ سے جو کچھ ثابت ہوا وہ یہ ہے کہ برزخ میں رہنے کی مدت کا احساس نہیں ہوتا اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وقت کتنا گزر رہا ہے کہ حضرت متنازعہ اس واقعہ کے فوائد میں لکھتے ہیں: ”بنا پر میں بعد بعثت کے برزخ میں رہنے کی مدت معلوم نہ ہوتا (الی ان قال) اور بنا پر میں امر کی نظیر ان کا جواب میں یونہی اور بعض یوم کہتا ہے جیسا بعینہ یہی جواب بعض اہلِ مشردی کے (در بیان القرآن ص ۱۳۱) اس عبارت سے واضح ہوا کہ برزخ کی مدت معلوم نہیں ہوتی۔ اس واقعہ سے متعلق مزید بحث ”ہدایت المیزان فی جہاں القرآن“ میں طلباء اور علماء کے لیے قابلِ ملاحظہ ہے وہاں ملاحظہ فرمایا جائے۔

اسی طرح واقعہ اسبابِ بعثت سے بھی عدمِ سمجھ سوتی کا مسئلہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ اس واقعہ سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ ان کو نیند میں اپنے رہنے کی مدت اور زمانہ معلوم نہ تھا، اس سے کسی طرح ثابت ہوا کہ وہ سمجھ سوتے بھی نہیں تھے؟ پھر مردے کا سمجھنے والے پر قیاس کرنا قیاسِ مع الفارق ہے کیونکہ نیند میں عام طور پر اردک و خنجر ایک گود میں جھانک رہا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نیند کی حالت میں خلاق و متعلق و غیرہ کسی چیز کا متنازعہ نہیں ہوتا، اور قبر میں اعادہِ روح

کے بعد میت کا معاملہ برعکس ہوتا ہے۔ میت میں ادرک دشمن اور ظلم یا فساد ہوتا ہے اور اسی بناء پر تعمیرین سوال کرتے ہیں اور مردہ اسکا جواب دیتا ہے تو اس کے جواب کا اعتبار ہوتا ہے۔ (الاسلام مرقیٰ ص ۲۲۲)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وحده وصلى وسلم على عباده الذين اسطق
آمَنَّا بِعَدَدِ! اَتَعْقُوبُوتِ عَلَى رَحْمَةِ عَلَيْهِ وَبِسْمِ كِي حَيَاتِ بَعْدَ اَوَّلَاتِ اَعْدَاءِ بَاعِ عِنْدَ اَلْقَبْرِ

یہ

علمائے دیوبند کا مسلک

پیشتر اس کے کہ کرا حضرت سلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد الوفاات اور آپ کے صلح عند القبر کے بارے میں ہم مسلک علمائے دیوبند پر اکابر دیوبند کی تصریحات پیش کریں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کی ضمانت کر دی جائے کہ مسلک علمائے دیوبند سے ہماری کیا مراد ہے؟

مسلک علمائے دیوبند

معلوم رہے کہ دارالعلوم دیوبند نہ ترکشی اعتقادی یا فقہی مستقل مکتب فکر کا بانی ہے اور نہ ہی کسی مقام ادارہ یا شخصیت سے تعلق کا نام مسلک علمائے دیوبند ہے اس لیے اس مسلک کی تاریخ بھی قیام دارالعلوم کی تاریخ سے شروع نہیں ہوتی بلکہ مجدد ملت صالحین کے مطابق جو عقائد و افکار قرونِ شانہ و شہوداً بالخیر سے مامانہ علیہ و اصحابی کی متناہ وراثت کے طور پر منتقل ہوتے چلے آ رہے ہیں وہی مسلک علمائے دیوبند ہے۔ اور نبی کی کامل اتباع اور تعلیم و اشاعت دارالعلوم کا طہرانے امتیاز ہے۔

اکابر دیوبند عقائد میں اہلسنت والجماعت کے طریقہ مرضیہ کے پابند اور فروعاً میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک حنفی پر گامزن ہیں۔ ان کا سلسلہ سلوک و تصرف بھی مین سنت کے مطابق اور اسوۂ مشائخ سلاطین اربعہ کے تابع ہے۔

اسلام اور اسلامی عقائد و اعمال اور اخلاق کا سرچشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے۔ بلکہ سنت اللہ

کے مباحث چرمحکتاب کے ساتھ نمونوں کر بھی اس لیے سمجھا جاتا ہے کہ وہ قول و فعل سے اس کی تفسیر و تشریح کریں، اس سنتِ مستترہ سے پتہ چلتا ہے کہ دین کو سمجھنے اور سمجھانے کا راستہ صرف کتاب نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ وہ اشخاص بھی ہیں جو کتاب کے عمل پیکر بن کر اس کی تعبیل و تشریح کتے ہیں، لہذا دین کو سمجھنے کے لیے کتاب اللہ اور رجال اللہ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے کتاب اللہ کو سنتِ درمحل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ہی ٹھیک طریقے پر سمجھا جاسکتا ہے اور سنتِ درمحل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھنے کے لیے صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ معاص خیر و دوسرے اکابر دین کے مترادف و مترادف و مل کی روشنی کی ضرورت ہے۔

سنتِ صالحین کے خلاف دین کی تعبیر و تشریح کی ہر کوشش گمراہی کی طرف باقی اور نت نئے نقصان کو جنم دینے کا سامان فراہم کرتی ہے۔ دین میں جتنے بھی نئے اور گمراہ فتنے پیدا ہوئے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ ان فرقوں نے کتاب و سنت کے معنی اور مطلب کے سمجھنے میں سنتِ صالحین کے فہم پر اعتماد کرنے کی بجائے خود اپنے ہی فہم پر اعتماد کر کے سنتِ صالحین کے خلاف دین کی تعبیر اور تشریح کا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔

دین کے ان سرچشموں میں ملائک کا فرق بھی ملحوظ ہے، جو مقام کتاب اللہ کا ہے وہ سنتِ درمحل اللہ کو حاصل نہیں ہو سکتا اور جو مرتبہ نبی کا ہے وہ کسی صحابیؓ کو نہیں مل سکتا اور جو درجہ ایک صحابی کو حاصل ہے کوئی دوسرے سے بڑا اولیٰ اس درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔

فرقِ ملائک کے ساتھ دین کے ان سرچشموں میں سے ہر ایک کے حقوق و حدود کی رعایت ہی درالعلوم و دیوبند کا وہ خصوصی مزاج ہے جس نے اسے اس زمانے میں دوسرے اداروں اور مکاتب فکر سے امتیاز عطا کیا ہوا ہے، اور جس کی بناء پر اس کا مسلک مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے درمیان ایک ایسے رابطہ اتصال کی حیثیت رکھتا ہے جو افراد و تفریقیت سے بہت بڑی کتاب و سنت تک پہنچتا ہے۔

مسلمہ مجاہدِ اہلسنت کے مطابق اس رابطہ اتصال اور خصوصی مزاج کا امتیازی نام ”مسلمہ ملائک“ دیوبند اور دیوبندیت ہے، اور مسلمہ ملائک دیوبند سے ہی ہماری مزارعہ سی مجاہدِ اہلسنت والہامات کا مسلک ہے۔

لیکن جس طرح قرآن و سنت کے حاکمین اور مسلک و ملت والوں کو جہنم کرنے اور ان کی اہل سنت اور امتدادِ جنت کی خدمات پر پانی پھیرنے کے لیے بعض ماسدین اور بدعت پسند لوگوں نے ان کی طرف طرح طرح کے خصوصاً مذہب کرنے اور بے بنیاد التزامات لگانے کی مہم چلائی کی ہوئی ہے، افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اسی طرح اس زمانے میں بعض وہ حضرات جو کلمائے دیندہ کی شاگردی کا دم بھرتے اور کلمائے دیندہ کی طرف اپنے اسباب کو باعثِ فخر بھی سمجھتے ہیں نہ صرف یہ کہ مسلکِ کلمائے دیندہ سے اختلاف رکھتے ہیں بلکہ دیندہ کے اجماعی مسلک کے خلاف عمل و عملان تحریر و تصنیف میں بھی مصروف ہیں اسی میں سے بعض ناخبر کاروں اور ناواقف اندیشوں کا اثر یہ حال ہے کہ وہ عادتِ عامہ اور عتیقاتِ زمانہ سب کو غلط فہمی کے اور سب سے ہی غلطی طرز پر بے پردہ ہو کر اس اجماعی مسلک کے خلاف دعوتِ مناظرہ اور چیلنج بازی ملک سے بھی نہیں چرکتے، اور وہ اس بات کو بغیر نظر انداز کرتے ہیں کہ مناظرہ بازی کی اس فضا سے شر و فساد کا دروازہ کھلتا اور باہمی قتلا و اور اہتمام و تنظیم کا راستہ بند ہوتا ہے نیز کل سطح پر بھی اس سے ان رمان کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس اعتراض و اعتراض کے مضمرات کہیں کہیں ملک پہنچیں گے اس سے بھی بے فکر کسی طور پر غور و فکر کیا کر لیتے ہیں۔

ایسے پُر غور و پر فساد و الحاد اور شرور و فتن سے چڑ زمانے میں، جب کہ حواری سطح پر مذہب کی گرفت ڈھیل ہوئی جا رہی ہے اور اعتمادِ ملت کے ساتھ فکرِ اُکرت کا دائرہ بھی مستحکم چلا رہا ہے بلکہ خود مذہب سے بھی تغیر برپا ہوا ہے اور ایک طرف نفسِ اسلام کے مقابلے میں الحادی قوتیں اپنی متغیر طاقت کے ساتھ مسلمانوں اور دوسری طرف مالِ قدس کا شمار مذہب کو مہذب و مذہب کی یاد سے زیادہ کوئی مقام دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ جہاں نفسِ اسلام اور مہذبِ اسلام کا تعلق اور اصول دین کی تبلیغ و اشاعت زیادہ قابلِ اہتمام ہو جاتی ہے وہاں اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دینی طبقوں میں بھی بھی اجماعی مسلک کے خلاف کوئی چھلکا رہی ہو سکتی نظر آنے سے اقل رہتے ہی میں بھی ایسے کی بُری مہم کرنا ضروری ہے اور سردِ اعظم کے اہدایات کا تعلق بھی حاکمینِ مذہب کا خصوصی فریضہ ہے۔

دینی حاکمیت اور دانشوری کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بیرونی حملے کے وقت بھی داخلی تعلق کا خاص خیال رکھا جائے اور اس بات پر گہری نظر رکھی جائے کہ دینی حلقوں میں ایسی چھلکا رہوں کا برداشت

مسک ملائے دیوبند ہی کے نہیں بلکہ جمہور ملائے اہنت والہات کے اجماع کے بھی خلاف ہے اور پہلے عرض کیا گیا ہے کہ مسک ملائے دیوبند کوئی نیا مسک نہیں ہے بلکہ جمہور اہنت والہات کے مسک کا نام مسک ملائے دیوبند ہے، اس لیے جرنیل مسک ملائے دیوبند کے خلاف ہو گا وہ جمہور اہنت کے بھی خلاف ہو گا۔ اس حقیقت کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے ہی بعض آزاد مغترین یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم دیوبندی نہیں ہیں اور وہ اپنے دیوبندی ہونے کی نفی کرتے ہیں کوئی پاک غلوس نہیں کرتے، اگر ان کی غلوس حقیقت پر ہوتی کہ دیوبندی ہونے کی نفی کرنے سے اہنت ہونے کی نفی بھی ہو جاتی ہے، تو وہ اپنے دیوبندی ہونے کی یوں بڑا نفی کرنے کی جرأت نہ کرتے،

غلط نظریہ

ان لوگوں کا یہ خیال دراصل اس غلط نظریے کا نتیجہ ہے کہ موت کے بعد ثواب و عقاب کا سارا معاملہ صرف رُوح سے ہوتا ہے اور اگر بدن یا اجزائے بدن سے اس معاملے کا تعلق ہوتا بھی ہے تو پھر بھی رُوح کا تعلق ان ابدانِ منصرہ مدفونہ سے نہیں ہوتا۔ بغیر تعلقِ رُوح کے ہی یہ بدن یا اجزائے بدن مشاب یا معذب ہوتے ہیں۔

یہ نظریہ جمہور اہنت کے اس اشتدای پہلو سے قطعی طور پر متصادم ہے کہ ثواب و عقاب کا معاملہ صرف رُوح سے نہیں بلکہ اجسادِ منصرہ مدفونہ یا اس کے اجزاء بھی جس حالت میں بھی وہ پائے جاتے ہیں اور جس مقام میں بھی وہ سول رُوح کے تعلق سے لذتِ عالم کا اور آگ کرتے ہیں اور قبر کے نقاب و مضاف کا معاملہ رُوح اور بدن دونوں کے مجرے سے متعلق ہوتا ہے۔ نئی آدمی کی امدادِ رفات کے بعد غلامِ طہین اور کھیرین میں استعراذ پذیر کیوں نہ ہیں ان کا ایسا تعلق اجسادِ منصرہ مدفونہ یا اس کے اجزاء سے ضرور قائم کیا جاتا ہے جس سے لذتِ عالم کا اور آگ ہو سکے۔

مستزلہ اور روافض کا نظریہ

اہنت والہات کے برخلاف مستزلہ اور روافض مذہبِ قبر کے حامل نہیں ہیں ان کا نظریہ

ہے کہ قبر میں عذاب و ثواب کچھ نہیں انکے نزدیک اجماع مدفونہ ضمن مجاہدی حیثیت میں ہوتے ہیں اور عالم بدخ میں انتقال کرنے کے بعد روح و بدن میں کئی مفارقت رہتی ہے۔ شرح مفاد نفسی میں ہے۔

وانحصار عذاب القبر بعض المعتزلة والرافضة (ص ۳۰) اور ضمن مستزاد اور روافض نے مذہب قیصر کا انکار کیا ہے۔

مستزاد کی شاخ فرقہ کرامیہ اور صالحیہ اس کے قائل ہیں کہ اجماع مدفونہ میں تو مجاہدی حیثیت میں لیکن عذاب و ثواب قیصر پھر بھی حق ہے۔ ملاحضہ جنب جہاد میں جس ہی نہیں ہے تو اسکی تقدیب و تقسیم اور لذت و اہم کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔

میت کو جہاد و تقسیم کرتے ہوئے مذہب قیصر کا اقرار کرنا بعض مسطاد و مفاد و ہی اور درپردہ انکار کی ہی اقرار و خاموشی ہے۔ حق و ہی ہے براہ سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے اور قرآن و سنت کے سچے اسی عقیدے کی بنیاد رکھتے ہیں۔ علامہ خیال فرماتے ہیں۔

جوہر بعضهم تغذیب غیر الہی ولا شک انه منسقطۃ۔ (خیال مذہب)
ان میں سے بعض نے بغیر حیات و بدن کے مذہب کو کچھ جائز قرار دیا ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نری حماقت ہے۔

علامہ عبد الحکیم اس کی وجہ میں فرماتے ہیں۔

لان الجہاد لاحسن له فکیف یتصور تغذیبہ (ما شیئہ مد الحکیم)
اس لیے کہ جہاد میں اہم و لذت کا احساس نہیں ہوتا اسکی تغذیب کے تصور ہرگز ہے۔

خلاصۃ الملام ۱۰ ہے کہ اسفرت ملکی اشد علیہ دلم کے بعد الطہر کو روضہ منورہ میں ان بعض مشہور دہر بند کے کہنے کے مطابق بعض جے جس وجہ شہر اور جہاد مطلق تقسیم کر دیا جائے۔ تو مستزاد اور روافض کے اس اصول کو صحیح تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وفات کے بعد روح و بدن میں کوئی تعلق نہیں ہوتا ان میں کئی مفارقت رہتی ہے۔ عا ہر ہے کہ قرآن و سنت کے پیش نظر یہ اہل حق کا نظریہ نہیں ہو سکتا۔

مقامِ اہنت کی سب کتابوں میں مذاہبِ قبر کے برحق ہونے کی تصریح کی گئی ہے اور اس عقیدہ کو ضروریاتِ اہل سنت میں شمار کیا گیا ہے۔

جو شخص اسکا قائل نہیں وہ مسترک اور روافض کے مرفوع اور اہل سنت کا مخالف ہے، اللہ اگر بتدوین قائل ہے تو اس کے فرقہ کرام میں سے ہر شخص میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔

دعوتِ فکر: جو حضرات یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آخرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اجداد مبارک صرف اکراماً محفوظ ہیں اور اربعینِ مطہرہ سے ان کو کئی منازعت ہے، ایسے وہ حیاتِ انبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فلسفے و علم اور سماعِ عند القبر کے قائلین کے خلاف، قرآنِ کریم کی ان آیات کریمہ کو چیل کر کے، جن کو مشرکین کے خلاف پیش کیا جاتا تھا، اس عقیدہ کا شرکِ ہونا ثابت کرنے میں مصروف ہیں اور ایسے عقیدے والوں کے پیچھے غماز نہ پڑھنے کا اعلان کر رہے ہیں، ان کو اپنی ہمارے روش پر غور و فکر کی ضرورت ہے، استدراجِ ہاشمیت اور غم کے ساتھ جمہورِ اہنت کے عقیدے سے خلاف کا انہدام کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں اور قابلِ تحمل ہو سکتا ہے؟

ظاہر ہے کہ استدراجِ غایبانہ اندازِ فکر اور تشددانہ طرزِ عمل سے اپنے حریف اور گروہی تعصب کے آشکارا کرنے کے سوا اور کیا حاصل کیا جا سکتا ہے؟

عور و روح فی الجہد:

جمہورِ اہنت والہامات اس پر متفق ہیں کہ موت کے بعد قبر میں یا جہاں بھی میت کا جسد عنصری یا اس کے اجزاء ہوں روح کا عود ہوتا ہے اور جسد، میت یا اس کے اجزاء میں اس عود روح کی وجہ سے چیرمیاں قائم ہو جاتی ہے۔ یہ عود دخولِ روح در جسد کی صورت میں ہوتا ہے، یا اتصالِ روح بحد سے ہوتا ہے، بہر حال اتنی بات مجمع علیہ اور یقینی ہے جس پر سب کا اتفاق ہے کہ بدنِ مدفون رہا (اجزاء بدن) دخولِ روح یا اس کے تعلق سے نائز الیات ہو جاتا ہے۔

مصلحِ مشرق کی مشہور کتاب البراد و شریعت میں ہے۔

نقاد روحہ فی جسد ۶۱۲
اس کی روح اس کے جسد میں وثائقاً جاتی ہے۔
(امرواؤد جلد ۲ صفحہ ۲۱۱)

اس حدیث کی سند کے بارے میں حافظ نور الدین ابوشیخؒ لکھتے ہیں۔

رواہ احمد و رجالہ رجال الصحیح اس کرام احمد نے روایت کیا ہے اور

(معجم الزوائد ص ۳۶۶) اس کے سب راوی صحیح کے راوی ہیں۔

اور حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں

هذا حديث مشهور مستفيض صحيح یہ حدیث مشہور مستفیض ہے خلیل حدیث

جماعة من الحفاظ الخ کی ایک جماعت نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(کتاب الروح ص ۵۹، ۶۰)

ایک اور جگہ اس حدیث کو حافظ ابن قیمؒ نے بن کی طرف روح کے لٹنے کے بارے میں
نفس مرگ قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

انتم الصبیح وهو قوله صلواتی علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ روح اس

وسلو قعد الروح فی جسد کے بدن میں لٹائی جاتی ہے (صحیح)

(کتاب الروح ص ۵۷) اور یہ ہے۔

حافظ ابن حجر متوفی ۸۵۰ھ نے بھی اس حدیث کو

صاغت الحدیث (فتح الباری ص ۳۵۷) "یسا کہ یہ حدیث ثابت ہے کہہ کر

میکہ لڑا دیا ہے۔

غرضیکہ یہ حدیث اصولی حدیث کی رو سے باطل صحیح اور مذہب اہلسنت والجماعت کی قوی

دلیل ہے۔

علامہ ابن قیمؒ اپنے استاد علامہ ابن حجرؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ مردود کی حدیثیں صحیح اور

مستتر ہیں۔

قال شیخ الاسلام الامام ہاشم المصنوع شیخ الاسلام نے کہا ہے کہ صحیح حدیثیں جو کہ

المستأثرة عند علماء الروح الی مستتر ہیں بخوار ہی ہیں کہ سوال کے وقت

البدن وقت السائل اور مجروح بدن میں لٹائی جاتی ہے۔

(کتاب الروح ص ۶۱)

علامہ مناظر ابن جریر حنفیؒ، ابن حزمؒ اور ابی ہریرہؓ کی اس رائے کی کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے اور روح جسم کے طرف نہیں لڑائی جاتی۔ تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وَمَا تَقُولُ الْجَبَدُورُ فَقَاتِلُوا الرُّوحَ
الْجَبَدُورُ بَعْضُهُ كَمَا ثَبُتَ
فَ الْحَدِيثُ وَالْوَحْيَانِ عَلَى
الرُّوحِ فَقَطْلُهُ يَكْفِي لِلْبَدَنِ
بِذَلِكَ اخْتِصَاصٍ -
(فتح الباری ص ۲۰۷)

علامہ آرمی بغدادی حنفیؒ لکھتے ہیں۔

وَالْجَبَدُورُ عَلَى عَوْدَةِ الرُّوحِ إِلَى
الْجَبَدُورِ أَوْ بَعْضِهِ وَفِيهِ السُّؤَالُ
عَلَى وَجْهِهِ لَا يَحْسِبُهُ أَهْلُ الدُّنْيَا
الْأَمِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنْهُمْ -
(رد المحتار ص ۲۰۷)

حضرت امام ابو حنیفہؒ الترمذیؒ مندرجہ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَأَعَادَةُ الرُّوحِ إِلَى دَعَا أَوْ تَعْلُقُهَا
إِلَى الْعَبْدِ أَوْ جَسَدِهِ بِجَمِيعِ أَجْزَائِهِ
أَوْ بَعْضِهَا بِجَمِيعَتِهِ أَوْ بِفَرْقَةٍ
فِي كَبِيرٍ حَتَّى
(شرح فقہ اکبر طاعنی تلمذی)

امام احمد ابن حنبلؒ الترمذیؒ فرماتے ہیں۔

وَالْأَمْرُ بِذَلِكَ السُّؤَالِ بِتَقْبِضِ
الْأَرْوَاحِ ثُمَّ تَرْقُفُ الْإِبْجَادِ
مَكَاتِلُ لَوْ أَنَّ الرُّوحَ كَسَفْهِ الْمَرْءِ
كَتَقْبِضِ الْمَرْءِ يَمْسُكُ كِلَاطَهُ وَتَأْتِيهِ

فِي الْقَبْرِ فَيَسْأَلُونَ عَنِ الْإِيمَانِ وَ
 ایمان کیا ضروری ہے اور اس پر بھی ایمان
 وَاَنْفُسُهُمْ يَكْفُرُونَ بِمَا كَفَرُوا مِنْهُ
 کیا ضروری ہے کہ قبر میں ایمان و توحید کے

بارے میں سوال ہوتا ہے۔ (کتاب الصلوة صفحہ ۴۲)

ان عبارت سے معلوم ہوا کہ مردود الی البدل کا مفید صرف جس کے متاخرین حضرات ہی کا
 اختیار کر رہے ہیں بلکہ احادیث صحیحہ و تراجم سے ثابت اور کتب اربعہ میں سے حضرت امام ابو حنیفہؒ
 اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ایک امام اس کو حق اور دوسرے
 امام ایمان سے تعبیر فرماتے ہیں اور ان کے درمیان کی بنیاد صحیح اور مستحکم حدیثیں ہیں، یہاں تک کہ
 فرما چکے ہیں۔

شرح مختصر نسفی کے شارح علامہ عبد العزیز فرما دیں کہ صاحب نمبر اس فرماتے ہیں۔

اِنَّ الْاَحَادِيثَ الْمُصَحَّحَةَ طَائِفَةٌ بَانَ
 احادیث صحیحہ طائفتی ہیں کہ روایت پر مجرم میں
 الرَّجْحُ تَعَادُلُ عِنْدَ
 توازن ہوتا ہے اس لیے احادیث کا انکار
 السَّوَالُ فَالْجَوَابُ بِاَنَّكَ اِنْ عَادَ
 سوال کا جواب ہاں تھا تو انکار
 خیر موجد۔ (نمبر اس صفحہ ۴۲)

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ کی تحریر فرماتے ہیں۔

ثُمَّ السَّوَالُ عِنْدَ عَمَّ يَحْصُونَ
 میرے نزدیک قبر کا سوال و جواب روح
 بِالْجَدِّ مَعَ الرُّوحِ حَقٌّ اَشَدُّ اَلْيَدِ
 اور بدن کے جوڑے سے ہوتا ہے جیسا کہ
 صَاحِبُ الْهَدَايَةِ فِي الْاِيْمَانِ رَم
 صاحب ہدایہ فی ایمان میں لکھی
 (فیض الہدی صفحہ ۱۸)

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ نے ہدایہ کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے۔

وَمِنْ بَعْدِ ذَلِكُ الْقَبْرِ يَرْجَعُ فِيهِ
 جس شخص کو قبر میں مذاب دیا جاتا ہے نام
 الْعَبْدُ فِي قَوْلِ الْعَامَّةِ
 عباد کے قول کے مطابق اس میں حیات نکال
 (ہدایہ صفحہ ۱۸)

علامہ یہ ہے کہ قبر میں عجزی کے سوال کے وقت بدن متغیر میں مدح کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

اور بدن مادی یا اس کے اجزاء اور روح و دونوں سے یہ سوال وجواب دلیستہ ہے۔ جمہور اہست لاسک یہی ہے اور بقول علامہ ابن قیمؒ وغیرہ اعاویش صیر متواترہ اس پر دلائل کرتی ہیں۔

عذاب قبر

سوال کی طرح ہی قبر کا ثواب و عذاب بھی بدن یا اجزائے بدن اور روح، دونوں کے قبضے سے دلیستہ ہے۔ بدن یا اجزائے بدن سے، خواہ وہ کسی بھی حالت میں ہوں، عذاب و ثواب کا یہ تعلق روح واسطہ رہتا ہے۔ اور عذاب و ثواب اس بدن مادی مغیری کو روح کے تعلق سے ایک گناہات حاصل ہونے کے بعد ہوتا ہے۔

صرف روح، یا صرف بدن کے عذاب و ثواب، یا روح و بدن کے تعلق کے بغیر دونوں کے علیحدہ علیحدہ معذب و مشاب ہونے کا نظریہ، جمہور اہل اسلام کے خلاف ہے۔

مفسر اہست کی درسی کتاب الیقائ کے شہرہ مشی علامہ ابن قیمؒ اس مسئلے میں مذاہب کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اعلم ان المذاهب في هذا المقام	جاننا چاہیے کہ اس مقام میں تین مذاہب
ثلاثة الاول الميت حي في قبور	میں پہلو مذہب اہست اور ابن قیمؒ کا ہے، دوم
في عذاب وهذا هو مذهب اهل	کرمیت کو قبر میں حیات حاصل ہوتی ہے جس سے
السنة والعق والثالث انه جماد	عذاب ہوتا ہے، اور شراجمہر متزلزہ اور دوافع
لا يعذب ولا يدرك العذاب	کا مذہب ہے، اور یہ کرمیت بالکل جاوہرتی
هذا هو مذهب جمهور المعتزلة	ہے، اور اس کو عذاب ہوتا ہے ذرا داک
والرافض والثالث انه جماد	عذاب، اور تیسرا مذہب متزلزہ کے فرقہ صالح
يعذب وهذا مذهب الصابغية	اور ابن جریر (کرامی) کا ہے، اور یہ کرمیت جو
من المعتزلة ومذهب اجنب مجير	ہوتی ہے اس میں روح بالکل نہیں ہوتی
(الخلاصة مشاء)	اس کے (جمہور) اس کو عذاب ہوتا ہے۔

قبر میں صرف روح کے عذاب و مشاب ہونے کے علامہ ابن سلام اور ابن میسرہ، اور صرف بدن

بغیر روح کے مذہب ہونے کے، محمد بن جریر کوفی اور ان کے اتباع ہی قائل ہیں۔ مگر اہنت اور اہل حق کا مذہب یہی ہے کہ میت کو قبر میں حیات حاصل ہوتی ہے اور بنی روح کے مجروح پر مذہب و قراب ہوتا ہے۔ بنی پر بغیر روح کے مذہب و قراب کا حقیقہ معتزلہ کی شان صالحہ اور کرامیر کا ہے۔ اہنت اور اہل حق کے نزدیک روح کے بغیر بنی جاوہر ہے۔ اس لیے اس کی نقیب اور تشریب غیر معقول ہے۔ اور حیات کے بغیر جہاد میں المذات کا اس میں غیر مقرر ہے، یہاں کہ مقتدیال اور علامہ عبدالمکیم کی عبارت بالا میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ اہنت کے نزدیک قبر کا مذہب و قراب برہم اور اور روح اور ایمان کے بدلہ میں حیات سے ہوتا ہے۔

علامہ فردوسی شارح مسلم فرماتے ہیں

ثم العذاب عند اهل السنة اليه	پھر اہنت کے نزدیک جہنم بعد اس کے
بعينه اذ يعطيه بعد اعادة الروح	بڑھائی طرف روح کے لوٹنے جانے کے
اليه اذ لا يخن منه وفات في عهد	بعد مردہ کی حالت ہے اور اس کا محمد بن جریر
بن جرير وعبدالله بن كز موطائفة	اور عبد اللہ بن کرام اور ایک گروہ مخالف ہے
فقالوا لا يشترط اعادة الروح قال	وہ کہتے ہیں کہ مذہب کے لیے اعادہ روح
اصحابنا هذا فاسد لان الله	شرط نہیں ہے مگر ہمارے اصحاب کہتے
والاحساس انما يبعثون في النجى	یہ کہہ کر فاسد ہے کیونکہ خدا اور اس کا احسا
(شرح مسلم مجلد ۱ ص ۱۰۰)	ذندہ ہی کو بڑھاتا ہے۔

علامہ سید محمد رفیع الدینی آریضی بعد اذ فرماتے ہیں۔

وتحقيقه في شرح الشمايل للعلامة	اس کی تحقیق علامہ ابن حجر کی شرح شامل میں
ابن حجر انما اعلم ان اقسام الروح	ہے پھر قرآن سے کہ روح کا بنی کیا ہے
بالبدن لا يمتنع بعجزه دون جزء	الانفان خاص نہیں ہے کہ کسی ایک جزء کے
بل هي متعلقة مشرقة على	ساقہ پر اور دوسرے جزء سے نہ پر بلکہ بن
سائر اجزاء وان فترقت و كان	کے تمام اجزاء کے ساتھ متصل ہے اور اس کا
جزء بالشرق و جزء بالغرب و لعل	تمام اجزاء پر پکڑا ہوا ہے اگرچہ وہ اجزاء

مشرق ہر چکے ہیں اور ایک ہر مذشرق میں اور
 دوسرا مغرب میں ہر اور شاید کہ مدت کو پرتا ذوالی
 اجزاء پر ہو کہ یہ نحو ہے وہ اجزاء میں چکے ساتھ انسان
 قیامت کے دن قبر سے اٹھائے گیا کہ ایک بڑی
 جماعت نے اس کو اختیار کیا ہے ؟

هذا لا يشرق على الاجزاء الا مريد
 لانها المشرق يتوهم بها الانسان
 من قبور يوم القيامة على ما
 اختاره جميع .

(تفسیر روح المعانی ص ۱۵۳)

علامہ علی نقویؒ الغازی حدیث

• فيعاد روحه في جسد •

کی شریعت میں فدا تھے ہیں

حدیث کے ظاہر سے ثابت ہو رہا ہے
 کہ میت کے تمام بدن میں روح کا مورد
 ہوتا ہے ایسے بعض لوگوں کے اس قول
 کی طرف التفات دینی چاہئے کہ بعض بدن
 کی طرف مورد ہوتا ہے اور نہ ابن حجر کے
 قول کی طرف ترجمہ کی جائے کہ نعمت بدن
 میں مورد ہوتا ہے کیونکہ یہ بات عقل سے نہیں
 کہی جاسکتی بلکہ یہ عقل کی خارج ہے۔

فما من الجسد يشدان عند الروح الى
 جميع اجزائه فلهذا التفات الى
 قول البعض ولا الجسد قول ابن حجر
 الى نصفه فانه لا يبعث الى
 يقال من قبل العقل بل
 يحتاج الى صحة النقل

(مرقات ص ۲۳)

اہم اہل کبر الجہاس الرازی الحنفیؒ والترقی سلمہؒ کہتے ہیں۔

اور صبیحہ جائز ہے کہ کوسن کو قیامت
 کے دن سے پہلے قبروں میں زندہ کیا جائے
 ہے اور وہ قبر میں دامت پائے ہیں تو
 جائز ہے کہ گناہ کو بھی قبروں میں زندہ کیا
 جائے اور عذاب دیا جائے۔

واذا جاز ان يبعثون المؤمنون
 تداحيوا في قبورهم قبل يوم
 القيامة وهم متعمون فيها جاز
 ان يحى الكفار في قبورهم فيعذبوا
 (احکام القرآن ص ۱۵۳)

اور حکم کثیر کا سوال اور کافرو فاسق کے لیے

احیاء الموقنی فی قبورهم ومسئلة

منكر ونه كير و مذاب القبر للكافر مذاب قبر سب شكے ہمارے نزدیک
والفاسق صلفا حق عندنا لنلق حق میں اور امتلاف کے پہلے سلف امت
عليه سلف الامۃ قبل ظهور الخلا اور امتلاف رونما ہونے کے بعد امت کی
واقف عليه الاكثر بعد اکثریت ان کے حق ہونے پر متفق رہی ہے
(مواقف مع الشرح مشفق)

مواقف کے شارح علامہ سید شریف البرہانی لکھتے ہیں ۔

والا ثبت التعذيب ثبت الاحياء اور جب میت کا مذب ہر ناثابت ہوا
والسئلة لان حل من قال مذاب اس کا زندہ کرنا اور اس سے سوال بھی ثابت
انصبر قال بلحا - ہو گیا کیونکہ جو شخص بھی مذاب قبر کا قائل ہے
(شرح مواقف مؤلف)

ان عبارت سے بھی واضح ہے ، کہ سلف امت میں اس مسئلہ کے اند کوئی امتلاف نہیں تھا
کہ مردوں کو قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور انکی ارواح کو انکے اجسام میں لوٹایا جاتا ہے اور مگر خیر کا
سوال ہر تک ہے ، جس میں مستزاد وغیرہ کا گورہ پیدا ہوا اور امتلاف رونما ہوا مگر صبر و امت ، سلف صالحین
کے ساتھ ہیں اور امید مروتی فی القبر کے قائل ہیں ، اور جو شخص بھی مذاب قبر کا قائل ہے اسکو امید
مروتی فی القبر ، خیر میں میت کے زندہ کرنے اور خیرین کے سوال کا قائل ہونا ضروری ہے ، امید فی القبر
کے قائل ہونے بغیر مذاب قبر کا اقرار کرنا حقیقت میں اسکا انکار کرنا ہے ۔

منکرین حیات کا اعتراض

منکرین حیات کا بڑا اعتراض یہ تھا کہ بعض مردوں کو دندے اور پرندے کھا جاتے ہیں اور بعض
کو خبا کر رکھ جاتا ہے اور بعض سلی پر لٹکا دیئے جاتے ہیں تو ان میں حیات کیسے اور
کہاں سے آجاتی ہے ! جبکہ مشاہدہ بھی اس کے خلاف ہے کہ ان میں حیات نظر نہیں آتی اور دیکھتے
والوں کو میت کا اٹھنا بیٹھنا جس درجہ حرکت و چمک و بکار کچھ محسوس نہیں ہوتا ۔

علیٰ غایت اہانت نے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا ہے کہ جس میت کا قبر میں سوالیہ تحریر

اور عذاب و ثواب کے لیے اثبات کیا جاتا ہے اس سے بیحد ایسی حیات کا بعد ملا نہیں ہے یہی
 کہ دنیا میں تکی یا قیامت میں حاصل ہر گی جس کو دوسرے لوگ بھی محسوس کر سکیں بلکہ ایسی حیات مراد
 ہے جس میں ایسا ادراک و شعور پیدا کر دیا جائے جس سے نیت کو عذاب و رحمت اور عالم ولذت کا
 ادراک اور احساس ہر کے جب اس میں ادراک و احساس کی ایسی کیفیت پیدا ہوگی تو وہ زندہ کہلائے
 گا نہ ہماور۔

نیت کا اثبات پیشا و غیرہ اگرچہ جس محسوس نہیں ہوتا مگر اس سے نیت پر وارد ہونے والی ان
 کیفیات کا انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔

کیا اللہ تعالیٰ کو قدرت نہیں ہے کہ نیت یا اس کے اجزاء میں جس جگہ بھی وہ ہوں چاہے
 جانوروں کے پیٹ میں ہوں یا سمندر کی تہ میں، ادراک و شعور کی کیفیت پیدا کر دے؟ اور کیا
 اجزائے مفرقہ میں اعادۂ روح اور حیات کا ممکن قدرت مفاوذی سے خارج ہے؟
 علامہ فردوسی شافعی شرح علم میں اس اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں۔

قال اصحابنا ولا یمنع من ذلك	ہمارے اصحاب نے فرمایا ہے کہ اس میں
حکون الیبت قد تغرق اجزاء	کوئی مانع نہیں ہے کہ نیت کے اجزاء بحر
کما تشاهد فی العادۃ او	ہائیں جیسے کہ عادتہ ہم اسکا مشاہدہ کرتے
اکله السباع فی حیثان البحر فی	میں یا اس کو زندہ کرے کما ہائیں یا چھپیاں
ذلك فکما ان الله تعالى	مقرر بنائیں یا اس طرح کی کوئی صورت میں آ
یعیذہ الحشر و هو سبحانه و	جائے تو جیسے اللہ تعالیٰ میدان حشر میں ہم
تعالى قادر علی ذلك فکذا	کے کرنا ہے پر قادر ہے اس طرح ہم کے
یعیذ الخیوة الخ جزء فیه	کسی بزم میں زندہ کرنا ہے پر بھی قادر ہے،
وان اکلته السباع والھیات	اگرچہ اس کو زندہ کرے اور چھپیاں کی
(شرح مسلم صفحہ ۳۹۹)	جائیں۔

علم کلام کے مشہور محقق عالم علامہ ابو اشکور سہلی فرماتے ہیں۔

قال کان الروح متصلا بالشخص

جب روح کا بدن سے قتل ثابت ہے

قرین کرام اللہ کو پہنچے گا عام ہے اس
سے کہیں بڑی یا گشت یا سخی ہو جائے۔

سواگر اس کو روئے سے کھا گئے ہیں یا سلا
دیا گیا ہو یہاں تک کہ ماکھ ہوا میں اڑا دی
گئی ہو یا سولی پر لٹکا دیا گیا ہو یا دریا برو
ہو چکا ہو یہی کیفیت اس کی روح اللہ جل جلالہ
کو وہ عذاب حاصل ہوگا جو قبر میں دفن شدہ
کو حاصل ہوتا ہے ۔

حان عظمیٰ اولعشا او قلوبا فاست
یتالہ (تہذیب مستطاع)

علامہ ابن القیم الغلبیؒ تحریر فرماتے ہیں ۔
فلو احدث السباع او احرقت حتى
صار وما ذاق نسیفاً لہولاء او
طلب لفرقاً ف الجحیم عمل ال
روحہ و بدتہ من العذاب ما
یصل الی القبور ۔

و کتاب الروح (مسک)

علامہ ابن الہمام المنہجیؒ اور انھیں شاگرد علامہ مقدسیؒ اس اعتراض کے جواب میں اقسام فرماتے ہیں ۔

اور اگر اس دعوے کو لا شرط ہو تاہم صحیح
یا جائے تو ہر جانور سے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بچائے
سے ان اجزاء کی حفاظت فرمائی جی سے
ضابطہ کا ادراک ہو کے اگرچہ میت خدا جل
جلالہ کے پیشوں اور دریاؤں کی گہرائیوں میں بہنا وغیرہ
سے زیادہ ہو ہو گا کہ خدا سے وغیرہ کا یہی
اس کے لیے قہر ہوگا اور اس سے کوئی کمال
ہازم نہیں آتا کہ دیکھتے دلا میت خدا جل جلالہ
کا کچھ فراموش نہ کیا کہ غرض بیدہ شخص بنابر
ساکن ہو تاہم ہر جی وہ تکالیف اور
لذت کا اثر محسوس کرتا ہے اور باطنات
ان کا اثر عین الہی کے بعد بھی ظاہر ہو جاتا ہے
مثلاً وہ درجہ انکو حالت خندہ چٹکی ہر سالہ

و لیسعہم اشتراطہا جاز ان یحفظ
اللہ تعالیٰ من الاجزاء ملیت لقیہ
الادمالک بان یصلح بنیۃ و ان
حان الیت ف یطون السباع
و قعود البعائر فیایۃ ما فی الباب
ان یحکون بطن السبع و نحوہ
قبر الہ ولا یستنع ان لا یشاہد
الناظرینہ ما یدل علی ذلک
فان انشأہم ساکن بظاہرہ و هو
مع ذلک لا یدرک من الآلوم واللذائ
ما یحس تاثیرہ عند یقظۃ
من منامہ و خروج
من من جماع راہ ف

منہام۔ اور مئی کا مروجہ کہ بالستینداس نے جلا کر کیا ہے۔

(الامواج السابرة ص ۲۰ جلد ۲) یونانی کے بعد بھی ظاہر ہوتا ہے۔

اہل سنت والجماعت کے حنفی، شافعی، حنبلی تینوں مذاہب کے ملائے کلام منکرین حیات کے اس اعتراض کی تردید میں یہ ایک زبان لکھ رہے ہیں کہ قبر کے حالات کا مشاہدہ نہ ہونے کے باوجود اس حیات کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اور آگ میں جل جانے یا دھندوں کے پیٹ میں ہونے یا کسی طرح قہر و یا میں ڈوب جانے سے، حیات قبر کا انکار لازم نہیں آتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ حیات جس جگہ اور جس حالت میں بھی ہو اسی جگہ اور اسی حالت میں اعادہ حیات کر کے اس کو عذاب و ثواب میں رکھے۔ اس صحت میں اس زمینی قبر کی بجائے اس کی قبر وہی جگہ ہوگی جس جگہ میت یا اجزائے میت ہوئے، مصلحین اسلام کے اس کہنے اور سمجھنے کے باوجود بھی وہی فرسودہ اعتراضات اور شکاکات جو پہلے مسلمانوں نے کیے تھے اب بھی کیے جا رہے ہیں، جن کا بار جواب دیا جاسکتا ہے۔

انکار حیات کا منشاء

در اصل منکرین کے انکار حیات کا منشاء یہ ہے کہ وہ قبر اور برزخ کے معاملات کو اپنی عقل بڑی کی ترانوہ میں توڑنا اور اپنی ان مادی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں، ملاحظہ قبر و برزخ کے معاملات مادیانے عقل ہوتے ہیں اور وہاں کے حالات کو عام طور پر ہماری مادی نگاہوں سے ادھل رکھا گیا ہے، اور عموماً عالم برزخ کی چیزیں ہیں اس عالم دنیا میں نظر نہیں آتیں، اور ایمان بالغیب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ عام طور پر ان کو ہماری ان آنکھوں اور حواس ظاہرہ سے پوشیدہ رکھا جائے۔

عالم برزخ

انسان عالم برزخ میں پہنچ کر دنیا والوں سے پوچھے میں ہر مانتا ہے کہ ان کریم کا ارشاد ہے۔
 دن و لیلہ میں برزخ الیموم اور اگلے چھ قیامت کے دن تک
 یبعثون (پہلے سرور منزلت) ایک پردہ ہے۔

برزخ ایک ایسا پردہ تھا ہے کہ وہاں کے حالات عامۃ الناس کی آنکھوں سے ادھل میں اور

اس کی انتہا، قیامت پر ہے۔ اس انبیاء علیہم السلام اور اولیائے مقام کو اس عالم کی بطور فرق عادت کے کبھی سیرگرازی جاتی ہے۔ یہ دوسرا سبب ہے۔ ہمارے جیسے بھی کافی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اس پر یقین رکھیں اور ہر ذرا کا جو چیز صوفی خفایں راہ میں قیاسات کے ٹکڑے دھوڑائیں اور اپنی عقل تار سا کو دخل نہ دیں، بلکہ فرق اصل کو خلاف عقل قرار دے کر منقولات مجھ کے انکار کے درپے نہ ہوں۔

جب احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ قرآن عالم برزخ میں جبریت کی طرف روج کا اعادہ کرتا ہے اور اس سے ایک گزائیات مائل ہر کتاب و عذاب وغیرہ کے سعادت و روج و جسم دونوں سے وابستہ ہی، اقرب علی قسم کے عقلی استبعادات کی بنا پر ہم کو سعادت قبر سے طیفہ کہتا اور صرف روج پر ان کے وارد ہونے کو تسلیم کرتا یا بغیر تعلق دونوں طیفہ، دونوں کے معذب و شاد ہونے کا قول کرتا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

صحیح حدیث سے جسم کے معذب ہونے کا ثبوت :

صحاح ستہ کی کتابوں میں حضرت الامام احمد بن حنبلؒ حضرت عذائہؒ اور حضرت ابوہریرہؓ سے گفت و گفت کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے۔
حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک
ھانی رجل یسوف علی نفسه فلما	شخص نے اپنے گناہوں کی وجہ سے اپنے
حضور الموت قال لیسیم اذا انما	فصل پر بڑی زیادتی کا حق جب اس کی موت
فاحرکوف شعوط حنوف شعو	لا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ
خادنی فی المریح فواللہ لئن قدر	جب میں مرجاؤں تو تم مجھے جلا کر میری رگوں
اللہ علی یعذب بن عذابا معذبا	کو خوب پیس کر ہا میں اڑا دینا۔ بخدا اگر اللہ
اعدأ قلما مات فعل بلہ ذلک فامر	تعالیٰ نے مجھ پر تنگی کی تو مجھے وہ ایسی نرازی
اللہ تعالیٰ بالارض فقال اجسی ما ینک	دیں گے جو کہ کسی کو اس نے نہیں دی جب

منہ فعلت فاذا هو قاتل مال ما
اس کی وفات ہوئی تو اس سے یہی کاروائی
حاصل علی ما صنعت قل فاضل
کی گئی اللہ تعالیٰ نے زمین کو مکمل دیا کہ اس
یاد رہے فضولہ۔ (حدیث (بخاری ص ۳۳۳)
کے تمام ذرات کو جمع کر دے سر اس نے
ایسا ہی کیا جب وہ جمع کر دیا گی تو وہی آدمی کھڑا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کاروائی تم نے کیوں
کی؟ اس نے کہا تیرے لئے ہے اے میرے پروردگار، سو اللہ نے اسے بخش دیا۔

اور ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ اس نے کہا کہ میری ناکھ کا آدھا حصہ خشکی میں اللہ آدھا
درا میں بخیر دینا چاہتا تھا ایسا ہی کیا گیا۔ (بخاری ص ۳۳۳ او مسلم ص ۳۳۳)

اس حدیث سے ثابت ہے کہ پروردگار عالم نے میت کی راکھ کو بخیر سے جمع فرمایا کہ اسے
انسان بنایا اور جس سے سوال فرمایا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ندوی سرورہ اس مسئلہ پر بیٹ (فرماتے ہوئے انعام
فرماتے ہیں، بلاشبہ مرنے کے بعد اجزائے بدن سے بھی روح کا تعلق رہتا ہے گرنیکیں کی روحیں
علیین میں ہوتی ہیں اور بدن کی جسمیں میں، لیکن روحوں کا روحانی تعلق انہی کے ذرات کے ساتھ
رہنا ضروری ہے خواہ کسی کو قبر میں دفن کریں خواہ جلادیں خواہ ڈوب جائے۔ ذرے ذرے کی صورت
روح کا تعلق بلاشبہ لازم رہتا ہے اس کی نظیر ایک تار برقی ہے تار برقی کا تعلق دیکھئے کہاں سے
کہاں تک رہتا ہے ایسا ہی روح کا تعلق اور جو علیین و جسمین کے تعلق کے بدن کے ساتھ بھی ہے
اور ضرور ہے مگر اس دنیا کی آنکھیں غموس نہیں کر سکتیں کیونکہ عالم غیب کے اسرار کو دنیا دار کی آنکھیں
نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جاتا مناسب ہے کیونکہ پھر ایمان بالغیب نہیں رہے گا۔

(الصالح العقلیہ صفحہ سوم ص ۱۱۱)

اور فرماتے ہیں جس کے ٹکڑے ٹکڑے اور اجزاء الگ الگ ہو کر پر لگند ہو جاویں خدا قادر
مطلق پر مدظل اور مد مشغ ہے کہ ان اجزاء میں روح کو جیست کر دے اور درود لذت اور دیکھ
دیکھ کا شعور ان اجزاء میں پیدا کر دے۔ (الصالح العقلیہ صفحہ سوم)

ہمارا مقصد تمام حوالوں کا استنباط نہیں ہے بلکہ مختصر طریقے پر یہ بتانا ہے کہ قبر کے معاملات
میں روح کے تعلق کے ساتھ بدن یا اجزائے بدن بھی شریک ہوتے ہیں، اور حضرت مولانا علی غازی

کی حدیث مذکور میں جو مرد روح الی البدن کے ساتھ قبر میں حیات ثابت ہوتی ہے اس کی تائید بخاری اور مسلم کی اس صحیح حدیث سے بھی ہو رہی ہے، اور حضرت حکیم الامت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت بھی اس کی تائید کر رہی ہے، یہی عقیدہ حق ہے اور جہود و اہلسنت والجماعت کا اسی کے مطابق اعتقاد ہے۔
 حضرت مفتی اعظم دیرینہ کا فتویٰ، حضرت مولانا مفتی سید زکریا رحمن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند سے سوال ہوا کہ ”زیر کتبہ ہے، کمر مرنے کے بعد قیامت تک انسان کی روح قبر ہی میں رہتی ہے نہ درست ہے یا نہیں؟ اور کمر مرنے کے بعد عذاب روح کو ہوتا ہے یا جسم کو یا دونوں کو؟ حضرت نے ارقام فرمایا الجواب (۱) قبر میں ہی روح کا قتل رہتا ہے اور مستقر اصل اسی کا حسین و احسن ہے۔ (۲) عذاب روح پر نہ جسم کے ہوتا ہے، جیسا کہ نامہ ہر امام حدیث سے ثابت ہے فقط لفظی و لفظی و دیرینہ (۳) اور ایک سوال یہ تھا کہ مرنے کے بعد جو سوال و فہرہ ہوتے ہیں تو روح مرنے کے بعد آسمان پر چلی جاتی ہے پھر قبر میں لائی جاتی ہے یا جسم میں بند کر دی جاتی ہے، انکے جواب میں فرمایا جسم سے روح کو قتل نہ رہتا ہے۔ فقط لفظی و لفظی و دیرینہ (۴) حضرت مفتی اعظم دارالعلوم دیرینہ کے ان فتاویٰ سے واضح ہے کہ قبر میں سوال و جواب اور عذاب و ثواب ہم سے بہت قریب روح ہوتا ہے مگر روح کا مستقر اصل حسین و احسن ہے۔

منکرین حیات کا ایک اعتراض

قبر کی اس حیات پر منکرین نے ایک اور یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر حضرت برابر رضی اللہ عنہ منہ کی حدیث مذکور کے پیش نظر اس حیات کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ قرآن کریم کی نصوص کے خلاف ہو گا شوق ایک مقام پر گفتار کا قتل نقل فرمایا گیا ہے۔

وہ کہیں گے کہ ہمارے رب تو موت دے چکا ہم کو دوبارہ اور زندگی دے چکا ہم کو دوبارہ۔

قالوا دینا امنا ائستین و ائستینا ائستین۔

(پچھلے المرنے)

اور دوسرے مقام میں ارشاد ہے۔

تم یکے کو کھڑ کرتے ہو اللہ کے ساتھ ماہ حکیم

کیف تکفرون بالله وکتھوا موتا

فاحیا حکم ثم یحکم ثم یحکم
 بے جان تھے اور اس نے تمہیں زندہ کیا
 پھر وہ تمہیں مارے گا پھر وہ تمہیں زندہ کرے
 ثم الیہ ترجعون

(پہلے رکعت ۲۴)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کی حیات اور دوزخ کی موت ہی قرآن کریم سے ثابت ہے، اگر قبر میں حیات قائم کر لی جائے تو دوزخ کی حیات کے تین دوزخ کی حیات ثابت ہوگی اور حدیث پر اور رضی اللہ عنہ سے اور روح الی اللہ کے ساتھ جو عرعر میں حیات ثابت ہوتی ہے اس لیے یہ حدیث نص قرآنی کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابلِ قبول ہے۔

جواب: جناب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور تفسیر حیاتِ مسلم سے بے نیازی اختیار کر کے باوجود استقلال قرآن کریم کی دعوت دینا اور اس کی فراوانی نہ مہم کو اپنی رائے سے اپنے مقصد کے مطابق متعین کر کے کوئی سچا پرانہ روایت کو قرآن کریم سے اس طرح ٹکراتے چلے جا کر جس حدیث کو اپنے مقصد کے خلاف پایا، اسی کو قرآن کریم کے خلاف کہہ دیا، یہ کس قدر ملاحظہ آمیز انکار حدیث کی صحت پیدا کر دی گئی ہے۔ جن اکابر اور سلف صالحین نے قبر کی اس حیات کو تسلیم کیا ہے، کیا انہوں نے نص قرآنی کی مخالفت کی ہے؟

جواب: ہر جگہ قرآن مجید کے قطعی طور پر قیامت کے دن کی حیات مراد لینا ہی متعین نہیں ہے بلکہ بعض مفسرین نے مفسرین کے علی الاغفر اس سے قبر میں نکلیں گے سال کے وقت کی حیات بھی مراد لی ہے، اور اس سے ایمانی تفسیر کا اثبات کیا ہے، چنانچہ علامہ ابو السعود فرماتے ہیں:

ثم یحکم بالثبوت یوم ینفخ فی
 الصور واللسان فی القبرود
 پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا اور تمہیں نکالے گا
 نغمہ نغمہ کے بد قبروں سے تمہیں نکالے گا
 یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قبر میں سوال کیلئے
 (تفسیر ابو السعود ص ۱۱۳)

تمہیں زندہ کرے گا۔

قاضی رضوی نے اپنی تفسیر کے ص ۱۱۳ پر اور امام رازی نے تفسیر کبیر ص ۱۱۳ پر علامہ ابن کثیر نے تفسیر کے ص ۱۱۳ پر اور علامہ آلوسی نے روح المعانی ص ۱۱۳ پر اجماع ائمہ کی تفسیر اس کو نقل کیا ہے۔ اس تفسیر کے لحاظ سے قیامت کے دن کی حیات ثم الیہ ترجعون سے

ثابت ہے۔

اسی طرح دوسری آیت امیتیا آتھن میں جن دو حیاتوں کا ذکر ہے ان میں بھی ایک حیات قبر کی شامل ہے۔ کیونکہ قیامت کے دن سے پہلے ماضی میں دو دھڑکی حیات بھی ثابت ہو چکی تھیں۔ جب ایک حیات دنیا کی ہر اور اس کے ساتھ دوسری حیات قبر کی شمار کی جائے، اس لیے کہ قیامت سے زمانہ ماضی میں یہی دو حیاتیں ہیں جن کی تعمیر امیتیا آتھن کے بیٹے سے کی جا رہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت سے پہلے یہ دو حیاتیں حاصل ہو چکی ہیں۔

دوسرے یہ کہ ان آیتوں میں دو دھڑکی جس حیات کا ذکر ہے وہ حیات مطلق حیات کامل اور پوری حیات ہے جس میں بدن کو فروغ پانے اور جلد مژدرات کی حاجت پڑتی ہے اور اس کی حرکات منوس و شاہر ہوتی ہیں بلا شک یہ حیات کامل یا تو دنیا میں ہوتی ہے اور یا پھر قیامت کے دن ہوگی، رہی قبر اور پردہ کی حیات تو وہ مطلق اور کامل حیات نہیں ہے بلکہ فی الجملہ اور نوع من المیلہ آہ ہے، اس میں بدن منسوی خرقہ دنیاوی خوراک وغیرہ کا محتاج ہوتا ہے نہ ہی عام طور پر اس کی حرکات کا اساس اور مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی پہلے زمانے میں معتزلہ وغیرہ باطل فرقوں نے مذہب قبر اور ماضی قبر کے بارے میں بڑے بڑے مناظرے دے کر عوام کے ذہنوں میں الجھنیں پیدا کرنے کی کوشش کی تھی اور آج بھی انہیں کی طرح حیات فی القبر کو منسوی قرآن کے خلاف کہا جا رہا ہے۔ حالانکہ اس حیات کے تسلیم کرنے سے قرآن کریم کی کسی نفس کی مخالفت لازم نہیں آتی، اس کو منسوی قرآن کے خلاف کہنا کرنا، فہمی پر مبنی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا جواب سے واضح ہے۔

ایک اور مغالطہ کا ازالہ

اسی طرح مگر بن حیات کا یہ مغالطہ بھی اصول اہلسنت سے بے خبری پر مبنی ہے کہ انباء اعداد سے یہ مسئلہ کیونکہ ثابت کیا جاسکتا ہے؟ عقیدہ ثابت کرنے کے لیے تو وہ عملی قطعہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے کہ شیخ کاٹائڈ اور قطعیت صرف قرآن پاک اور خبر متواتر اسناد ہی میں منسوی نہیں ہے بلکہ انباء اعداد بھی جراحہ اپنی جگہ اگرچہ ظن کاٹائڈ دیتی ہیں لیکن وہ

سب مل کر کسی قدر مشرک میں متحد ہو جائیں تو ان سے ایسے یقین کا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے جس پر عقیدے کی بنیاد قائم کی جاسکے پھر جب داخلی اور خارجی قرائن اور مختلف طبقوں کے اہل حق کا اجماع اور اتفاق اس کے ستر حقیقت پر نہ کی شہادت دے دیں تو یہ بنیاد یقین اور بھی مضبوط ہو جاتی ہے۔
علامہ شبلیؒ فرماتے ہیں:-

وانما الأدلة المتبعة بهذا المسئلة
من جملة أدلة ظنية تخاف من على
معنى واحد حتى انادت فيه القطع
فان للاجتماع من القوة ما ليس
للافتراق ولا جله اعاد التواتر القطع
وهذا الخ منه فاما حاصل من استقراء
ادلة المسئلة مجموع يفيد
اعلم فكل الدليل المطلوب وهو
شبه بالتواتر المعنوي -
(المرافقات ص ۳۳)

عام طور پر جو دلائل یہاں پر مستحضر ہیں وہ اسی قسم
کے ہیں جو مظہر عظمیٰ اگر چہ لکھی ہیں مگر کسی
قدر مشرک پر سب کے متفق ہو جانے کی وجہ
سے خاص اس مسئلے میں یقین کا فائدہ دینے
لگتے ہیں دلائل کے اجماع کے بعد جو قوت
پیدا ہو جاتی ہے وہ انفرادی حیثیت میں نہیں
ہر کئی مترادف ہی اسی اجتماعی قوت کی وجہ سے
یقین کا فائدہ دیتی ہے پس جب کسی ایک
مسئلے کیلئے متفرق دلائل جمع ہو جائیں تو ان کے
جڑے سے اس قدر مشرک کیلئے ایک یقین حاصل

ہو جاتا ہے اور وہ بھی ایک قسم کا تواتر معنوی ہی ہے۔

علامہ قاریؒ فرماتے ہیں:-

واحاديث الاحاد لو ثبتت انما
تكون ظنية اللهم الا اذا تعدد
طرفه بحيث صار متواتراً معنوياً
فحينئذ قد يكون قطعياً -
(شرح فخر الکبریٰ ص ۳۴)

اخبار احاد اگر ثابت بھی ہیں تو بھی ظنی ہیں
ان اگر ایک ہی ضمن مسئلہ طریقوں سے اس
طرف مڑی ہو کہ تواتر معنوی پیدا ہو جائے
تو اس وقت یہ قدر مشرک بھی قطعی اور یقینی ہو
جاتا ہے۔

مذہب قبر کا عقیدہ میں احادیث صحیحہ سے ثابت ہے وہ بھی اگر یہ اخبار احاد ہیں اور قطعاً
متواتر نہیں مگر قدر مشرک اور معنی کے اعتبار سے متواتر ہیں۔

تشریح سوائے میں ہے۔

والاحادیث المصححة الطائفة عليه
ای علی عذاب التبع احضر
ان عتق بعیث قوائم القدر
الشركة وان مصان حصل واحد
منها من قبيل الاحاد
شرح علماء نسخی میں ہے۔

وبالجملة الاحادیث في هذا
المعنى وفي كثير من احوال
الافراد متواترة المعنى

۳۰

خلاصہ کہ اس مطلب (یعنی عذاب قبر) اور آخرت کے بہت سے حالات میں معنی کے
استہارے متواتر مدہشیں ہیں؟

قرآن کریم نے عالم آخرت کی بہت سی تفصیلات پیش کی ہیں مگر آخرت کی پہلی منزل عالم
برزخ اور قبر پر اجمال و اشارات ہی کی مصلحت کا فرما ہے، اس لیے عذاب قبر کا ذکر اجمالاً طور پر ہی
قرآن کریم میں کیا گیا ہے اور اس کی تشریح اور تفصیل احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے، جو لوگ احادیث صحیحہ
کی روشنی میں دیکھنے کے بجائے مسماحتی اور ساقط اور مادی طبیعت سے قرآن کریم کی تفسیر و تشریح کرنے
کے مادی ہیں ان کی سچو میں وہ تشریحات نہیں آتی جن کا مادی شومیر میں بیان کیا گیا ہے اور ان کو
سلطہ صالحین نے ثبوت کیا ہے، اس لیے وہ ان تشریحات کو قرآن کریم کے اجمال سے ٹکرا کر ان کے
رد کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔

قبر کا مفہوم

تفسیر قبر اور اس کی حج قبر اور اسکالہ قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔

وَاِذَا الْقُبُورُ بِعَثُوتٍ ۚ وَلَا تَقْنَمُ عَلٰی قَبْرِہٖ ۚ فَاَمَّا قَدْ فَاَقْبِرَ ۚ

اور اس وقت میں تو اس کثرت سے یہ غلط آگیا ہے کہ ان کا آسانی سے شمار نہیں کیا جاسکتا
قبر کا منہ حقیقتاً اس گڑھے پر مطلق کیا جاتا ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے اور اس کا
بیوی حضری اس میں رکھا جاتا ہے۔ مغزوات امام باقر علیہ السلام میں ہے۔ ہر مقررہ میت
قبر میت کی قرار گاہ ہے۔

غالب قبر کی حدیثیں اس کا واضح ثبوت ہے کہ قبر سے مراد یہ زمینی گڑھا ہے کہ انکا انصاف علی اللہ
علیہ وسلم نے بن قبروں پر کھجور کی ٹہنی دوڑھنے کر کے لازمی تھی۔ (بخاری جلد ۱ ص ۱۰۷ مسلم جلد ۱ ص ۱۰۷)
ظاہر ہے کہ وہی جسی قبریں اور گڑھے ہی تھے اسی طرح قید و بنہ کے میں ان میں پانچ یا چھ قبریں
تھیں ان کے پاس گڑھے پر تھے انصاف علی اللہ علیہ وسلم کا فہرہ کا تھا (مسلم جلد ۱ ص ۱۰۷) اور انکی ہی ظاہری
جسی قبریں تھیں، اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے۔

اِنَّ الْبَيْتَ اِذَا دُفِنَ فِيْ قَبْرِہٖ ۚ میت جب قبر میں رکھی جاتی ہے اور دفن کرنے
اِنَّہٗ یَسْمَعُ خَفَقَ نَفْسِہِمُ حَیْثُ ۚ لاس اس سے دل میں ہر تپنے میں، تو وہ انکی
یومئذٍ مَدِیْرَیْنِ ۚ برہنوں کی کھٹکٹاہٹ کو سنتا ہے۔

الحدیث بخاری ص ۱۰۷ و مسلم ص ۱۰۷

اور وہی حدیث میں آیا ہے۔

اِذَا دُفِنَ مِمَّا کَانَ قَبْرِہُمْ ۚ جب تم اپنے مومن کو قبروں میں رکھنے لگو
فَلْيَقْرَأْ بِسْمِ اللّٰہِ بِحُلِّ مَلٰئِکَۃٍ اس وقت کہ اسم اللہ علی ملو رسول اللہ کے
وَسُجْدَ اللّٰہِ ۚ انکا پڑھنا شروع کرو۔

(مسندک ص ۱۰۷)

میت بن قبروں میں رکھی جاتی ہے اور دفن کرنے والے بن قبروں میں اس کو دفن کر سکتا
ان سے دل میں ہر تپنے میں اور وہی جسی قبریں اور ظاہری زمینی گڑھے ہی ہر تپنے میں، لعنت عرب اور
تمام صحیح روایات کی شہادت سے ثابت ہو رہا ہے کہ منہ قبر اور قبر کا ان جسی اور زمینی گڑھوں پر
مطلق کیا گیا ہے بن میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔

اس لفظ سے جہاں بھی قبر یا قبر کا لفظ لرا جائے گا قراس سے حقیقتاً شریعت میں یہی کڑے لڑاؤ ہونگے جن میں مرنے سے دفن کیے جاتے ہیں۔

غرق شدہ اور سوختہ اور ماکول وغیرہ کی قبر

البتہ میں میت کا جسم محفوظ رہا ہو یا غرق ہو جائے حیو کی وجہ سے اس کے قبر میں دفن کرنے کی نوبت نہ آئی ہو تو کچھ لینا چاہیے کہ جس مقام پر بھی وہ میت یا اجائے میت ہونگے وہی مقام اس کے لیے قبر ہوگا وہیں اس کے سوال ہوگا وہیں اس کو عذاب و ثواب بھی ہوگا جیسا کہ سامرو کی مذکورہ عبارت کے چلے۔

”غایۃ صاف الباب ان یصحون یعلن لسیح و نعوذ بقبر لہ سے واضح ہو رہا ہے۔ حضرت حکیم الامت متافعیؒ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ وہ مومنین اور کفار جن کی نفشیں کسی قبر میں دفن نہیں ہوئی ہیں جلدائی گئیں یا درندوں نے کھال میں یا کسی اور صورت سے سخت اور عظیم الجثہ ہو گئی ہیں ان سے غیرین کا سوال کس مقام پر ہوگا۔ اور عذاب قبر کیسے واقع ہوگا۔ دیکھتے ہیں مقدمہ راجعہ تعذیب و تعظیم کی مدد رک روح ہے امان نہ جہد مگر تبعا۔۔۔ جب انسان مر جائے قراس کی روح باقی رہتی ہے۔ اور مقام اس کا ہند رخ ہوتا ہے، اور اسی جگہ اس کو عذاب و مضطرب ہوتا رہتا ہے خواہ جہد کہیں ہو اور درندوں نے کھال یا ہر یا سوختہ ہو کر متفرق ہوگی ہر البتہ اجزائے جسد کے ساتھ اس کو کچھ تعلق رہتا ہے اس تعلق کی وجہ سے ان اجزائے بدن بھی اس قدر حیات باقی رہے جس سے عذاب و ثواب کا اثر جہد پر ہی کہا جائے تو کچھ بعید نہیں چنانچہ اخبار کثیرہ سے ثابت ہوا کہ بعض اہل قبور کا عذاب لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اس کی بنا وہی تاہیت ہے بلکہ متعدد راہب (امام القادی ۶۴۰ ص ۱۵۷)

ایک غلطی کا ازالہ :

بعض لوگ مرنے کے کلام کے لیے ارشادات سے کہ قبر حقیقت میں زمین کے اس ٹکڑی یا نشان کا نام نہیں ہے بلکہ وہ عالم برزخ کا نام ہے اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ عالم برزخ

اس ظاہری قبر سے باطل ہی کوئی بہا سیتقت ہے۔ اور اس ظاہری قبر کو عالم برزخ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، مادہ انکار واقعہ ہے کہ یہ ظاہری قبر اور زمینی نشان بھی عالم برزخ کا ہی ایک حشر اور اس میں داخل ہے۔ کیونکہ مکان برزخ کی ابتداء قبر کے اس ظاہری نشان سے ہی ہوتی ہے۔ جس میں طین اور سیمین بھی شامل ہیں دوسرے معلق ہیں یوں کہنے کہ طین اور سیمین کی ابتداء قبر کے اس زمینی نشان سے ہی ہوتی ہے اور قبر کا یہ نشان طین اور سیمین کی حدود میں داخل اور اس کا نشوونما قافز ہے۔ اور عالم برزخ اس زمینی نشان اور طین اور سیمین سب کو ہی شامل ہے۔

امام عبد اللہ بن موی القسریؒ شب الایمان میں فرماتے ہیں۔

البرزخ علی ثلاثہ اقسام	برزخ تین چیزوں سے عبارت ہے مکان۔
مکان وزمان وحال، قال مکان من	زمان اور حال، ہر مکان قبر سے طین تک
القبور علی طین نقعہ ارواح	ہے، جسے نیگوں کی رد میں آباد کرتی ہیں اور
السعداء ومن المتعالمین	قبر سے سیمین تک ہے جس میں بدوں کی دیگی
نقعہ ارواح الاشقیاء واما الزمان	رہتی ہیں اور زمان درحضر ہے جو زمین یا انسان
فقد مدّ بقیام الحق فیہ من	کی موت سے شروع ہو کر قیامت تک ہے
الاول من مات او یسوت من الجن	وہا حال قریب و انعام یا نذر ہوگا یا مضرب ہو
والانس الخ یوم یبعثون واما	۴۰ یا مبدوس ہوگا یہاں تک کہ سوال و جواب
الحال فاما منعة واما معذبة	نیکوین سے غلامی پائے۔
او محبوسہ حق یتخلص بالسؤل	

من المکیف الفتاوی (الحادی صیدوں صفحہ ۳۲ جلد ۲)

ازمن عالم برزخ کہ اس ظاہری قبر سے ہی ضرور تعلق ہوتا ہے، اور قبر صرف اسی سنی گڑھے اور زمین کے اس ظاہری نشان ہی میں خسر نہیں ہے بلکہ یہ ایک برزخی منزل ہے جس کا ایک پہلو زمینی نشان ہے اور اس کی باقی حدود و اطراف اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں۔

کسی میت کے لیے کوئی گڑھا کتنا ہی فراخ کیوں نہ بناو یا جائے اللہ تعالیٰ اگر چاہیے قرآن سے تنگی کی آخری مدد تک پہنچا دیتے ہیں، مگر اس کی تنگی کو ظاہری حواس ادا کر کے قاصر ہیں۔

اس لیے وہ دیکھنے میں بغیر آنتا ہی فراخ نظر آتا ہے مگر جتنا اس کو بنایا گیا ہے، اسی طرح کسی بندہ خدا کے لیے کوئی قبر کتنی ہی تنگ کیوں نہ بنا دی جائے وہ رحم مطلق جب چاہے تو اسے مدفن سے بھی زیادہ فراخ کر دیتا ہے، مگر اس کی یہ فراخی بھی ظاہری آغوشوں سے ملتی اور مستور رہتی ہے، صرف وہی بندہ خدا اس پر اطلاع پاتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کہیں اس کا انکشاف کرامت فرما دیتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے ہیں۔

لیکن مورت غلوس نہ ہونے کے سبب کسی امر کا انکار مریا عقل کی بدبختی ہے۔

قبر کا تنگ یا فراخ ہونا بھی ایک عالم باطن کے اسرار سے ہے جسے اہل کشف صرف ہی
 اولیاء اللہ لوگ دیدہ و باطن سے اس کو دیکھ لیتے ہیں، اہل باطن یا اوقات کشف قبر
 کے درجے سے مروتوں کو قبروں میں مذبذب یا مشابہ دیکھتے ہیں۔

(الصلح علیہ رحمۃ اللہ)

ان حقائق کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ عالم برزخ کو اس ظاہری قبر سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا
 یا یہ غلام بھی قبر عالم برزخ سے باطل ہی کوئی علیحدہ اور غیر حقیقت ہے جسے کس قدر غلط فہم اور
 عقل حیرت بات ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عالم برزخ اور قبر میں عام خاص کی نسبت ہے برزخ عام اور قبر خاص
 ہے۔ اس لیے ہر قبر تو برزخ ہے مگر ہر برزخ قبر نہیں، اس لیے کہ عام اور خاص میں ایک مادہ
 اجتماعی ہر ایک انفرادی ہوتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ مذبذب قبر سے صرف مذبذب برزخ مراد لینا مذبذب قبر کا انکار کرنا
 ہے کیونکہ ہر مذبذب قبر تو مذبذب برزخ ہے مگر ہر مذبذب برزخ مذبذب قبر نہیں ہے، حالانکہ آثار
 سے جو مذبذب ثابت ہوتا ہے وہ مذبذب قبر ہے، اسکا انکار تو آثار کا انکار ہے۔

اب اگر قبر میں صرف جسم ہر اور روح نہ ہو تو نہ مذبذب، مذبذب ہے اور نہ ثواب، ثواب۔
 کیونکہ اس حالت میں روح کے بغیر الم ولذت کے احساس اور ادراک سے جسم خالی ہوگا اور اگر صرف
 روح کو مذبذب مانا جائے تو وہ قبر میں نہیں ہوگی تو مذبذب قبر نہ ہوا، اور جسم کے بغیر مروت روح کا قبر میں

ہونا کا ہر ابطال ہے ثابت ہو کر عذابِ روح اور جسم دونوں پر ہوگا۔ تب ہی عذابِ قبر منتفی ہوگا اس صحت کے بغیر کسی دوسری صحت میں عذابِ قبر نہیں ہو سکتا۔
حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے ہیں۔

”ان تمام شبہات کا منشاء یہ ہے کہ قبر نام اس گڑھے کا رکھ لیا ہے، ملاحظہ فرمائیے
احادیث میں یہ گڑھ نہیں بلکہ مراد قبر ہے عالمِ ہندو ہے اور عالمِ ہندو اس گڑھے کے ساتھ
مخصوص نہیں بلکہ ہندو اس حالت کا نام ہے براہِ کرم اور دنیا کے درمیان کی حالت ہے
اگر قبر میں دفن کر دیا وہی اسکا ہندو ہے اس سے وہاں ہی سوال و جواب اور ثواب و عذاب
ہوگا اور اگر میٹرے سے یا شیرے سے کھایا اس کے لیے وہی ہندو ہے اور اگر جلاوطن ہو جائے
جہاں اس کے جلاوطن ہو گئے اس سے وہاں ہی سب واقعات پیش آئیں گے۔
لیکن چونکہ شریعت میں دفن کرنے کا حکم ہے اس لیے عالمِ ہندو کو قبر سے تعبیر فرمایا ہے۔“

(حیاتِ فیرہ ص ۱)

حضرت حکیم الامتؒ کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ عالمِ ہندو اگرچہ قبر کے اس گڑھے کے ساتھ
مخصوص نہیں بلکہ عام ہے مگر قبر کا یہ گڑھ یہی ہندو ہی ہے ہندو سے بے تعلق اور جدا نہیں ہے
اور قبر کے اس گڑھ میں بلکہ جس جگہ بھی میت یا اجزائے میت موجود ہونگے خواہ وہ کسی ہاتھ کا پیٹ ہو
یا وہ حرق شدہ اور جلا یا ہوا ہو اس سے وہاں ہی سوال و جواب اور ثواب و عذاب ہوگا، اس وضاحت
سے معلوم ہوا کہ یہ قبر وغیرہ سب عالمِ ہندو میں داخل اور اسکا حصہ ہے، اور یہ کہنا غلط ہے کہ قبر کو عالمِ
ہندو سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

بیز تعلقِ روح کے جسم کی تخریب فیر سخل ہے۔

اس زمانے میں جو تعلق اور صلاحِ باطن کا انکار کیا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ ارواح کے تعلق
کے بغیر ہی قبر میں میت کے ساتھ ثواب و عذاب کے معاملات پیش آتے ہیں جیسا کہ ”اقوالِ اضرہ“

۱۔ یہ درودِ موتی اور سیرتِ نبویؐ غیبِ حلق سحرِ جانت مرگوسا ہے چھٹا یعنی میں اس رسالے کا نام اقوالِ اضرہ رکھ چکا ہے۔
۲۔ ہم غلطی متہر سے بھی بچ رہے ہیں کہ اس میں اقوالِ کفر اور کفر کی سنتِ غرضِ مرقوبہ، اور غرضی اعتبار سے بھی اہلِ نظریہ، کیا اثرات
کے نزدیک غلط ہیں، نہ کہ تمام اقوال ہی غلط اور پندیدہ ہیں، بلکہ دوسرے ایڑنی میں اقوال پر اہلِ عام داخل کہہ
منفی نہیں تو کر دی گئی ہے، مگر غرضی اشکال ذکر اب بھی چرچہ ہوتی ہے۔

میں لکھا ہے۔

”اور اس کلامِ شام میں نیز شفیقِ روح کے حیاتِ بیلا کے ساتھ عذاب و ثواب ہوتا ہے؟“
اور شفاء الصدور مؤلف مولانا حسین نیرتی میں ہے۔

لحم اجسام شایع ف عالم ”اسکا ترجمہ ہر قسم صاحب نے اس طرح
الجبیح لا تلقی لحم بهذه الاجزاء کیا ہے؟“ اور ان ارجاع کو جہم شایع
الترابیه الارضیه المعنویہ للذات بھی ملتے ہیں اس جہم معنوی سے انکا تعلق
فی الحق الارضیہ (ص ۱) ثابت نہیں؟

یہ وہی بیڑا ہے کہ تہذیبِ جہاد کا پرانا غیر معقول نظریہ ہے اور مذہبِ صالح اور کرام کی مثالیں
بزرگست ہے، جس کی مثالیں است آدمین بہشت نے واضح طور سے پہنچے ترویج کی ہے اس لیے
کہ نیز شفیقِ روح کے میت جہاد ہے اور جہاد کا نام تو کفر غیر معقول اور اس کی تہذیب و تعظیم غیر معقول
ہے چنانچہ جہاد الم و الذلت کا احساس ہی نہیں کر سکتا جیسا کہ ”حاشیہ خیالی“ کے حوالے سے پہلے
مذکور ہوا اور مواضع اور اس کی شرح میں بھی اس کو غیر معقول قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

واما ما ذهب اليه الصالح من ”جہم مسلک کو معقولہ کے صافی اور ابن جریر
المعتزلہ و ابن جریر الطبری و طبری، اور کرام کے ایک گروہ نے اعتقاد
حائقة من الکوامید تجوید من کیا ہے کہ وہ سب کو غیر زندہ کرنے کے
ذلك التعذيب على الصوفى مذہب کو ہائز قرار دیتے ہیں تو غیر معقول
من غير ايجاد فخرج عن المعقول ہے، کیونکہ (غیر زندہ کیے) جہاد میں ہی
لان الجهاد لا يحصله فكيف يتصور نہیں ہوتی تو اس کی سزا لا تصور کیسے ہو
تقزیه (مواقف مع الزور ص ۱۰۰) سکتا ہے؟“

اسکی وجہ یہ ہے کہ کلام اور احساس صرف زندہ میں ہوتا ہے، اور اس کے لیے جس طرح کی زندگی
کی ضرورت ہے اس سے جہاد بقالی ہے۔
علامہ زورنجی فرماتے ہیں۔

لان الالام والاحساس انما يحسون اس لیے کہ کلام اور احساس صرف زندہ

فالحی (شرح علم سلیمان) ہی میں ہوتا ہے۔

صاحب "الاقوال الرضیہ" نے میت کو جہاد تسلیم کرتے ہوئے اس کے مذتب و مشابہ ہونے کی بنیاد حیات بیسط پر، جو کہ عالم کائنات کے ذوق و ذوق میں پائی جاتی ہے، رکھنی چاہی ہے یہ بھی انکشاف طرحت انہوں نے لکھا ہے کہ

"جنہوں نے اس جسم کو کالہاد کہہ کر مذاب و ثواب کا حاکم کر دیا ہے وہ اصل وہ حیات بیسط کی حقیقت کو نہیں جکے" ص ۵۹۔

اس عبارت سے انکا مطلب یہ ہے کہ روح انسانی کے تعلق کے بغیر میت کو جہاد تسلیم کر کے بھی مذتب و ثواب ہوتا ہے اور اس کی صورت ان کے نزدیک یہ ہے کہ حیات کے لیے بھی دوسرے جہاد کی طرح ایک حیات بیسط حاصل ہے۔ میت کا اس حیات بیسط کے ساتھ مذاب و ثواب ہوتا ہے، حالانکہ یہ حیات بیسط تسخیم و تقدیب کے لیے ہرگز کافی نہیں ہے مادی یہ متکلمین نے جہاد کی تقدیب کو غیر متصور کہا اور مذاب و ثواب قبر کے لیے دوبارہ حیات کے اعادہ اور نوامین المیزان کے خلق کو تسلیم کیا ہے۔

میت کو جہاد تسلیم کر کے اس کے ثواب و مذاب کا تقابل ہر نامرت معتزلہ کی شرح کلامیہ اور صالحیہ کا عقیدہ اور انکا خصوصی نظریہ ہے، ان کے اس نظریہ کی تردید سے علم کلام کی تمام کتابیں جبری پڑی ہیں، مگر صاحب "الاقوال الرضیہ" کے نزدیک معتزلہ کلامیہ کامرود و نظریہ ہی درست اور متقبل ہے۔ ان کے نزدیک ثنائیہ تمام متکلمین بھی جنہوں نے تقدیب جہاد کے کرائی نظریہ کا ابطال کیا ہے، حیات بیسط کی اس حقیقت کو نہیں جکے، کہ جہاد میں بھی ایک حیات بیسط میسر روح کے ہوتی ہے اور اس حیات کے ساتھ اس کی تقدیب متصور ہے اور کہا اس حقیقت کو نہ جکھنے کی وجہ سے ہی کلامیہ کے نظریہ "اند جہاد بیعذب" کو تمام متکلمین نے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ جہاد کی تقدیب غیر متصور ہے؟

اگر حیات بیسط تقدیب دہی کے لیے کافی ہوتی اور اس میں لذت و عالم کا ادراک و احساس ہو سکتا، تو کلامیہ کے جہاد میں متکلمین کا یہ کہا جیسے درست ہوتا، کہ جہاد کی تقدیب غیر متصور ہے۔ اس صورت میں متکلمین کو کلامیہ کے نظریہ جہاد و تقدیب کو تسلیم کر لینا چاہیے تھا۔ اور اس کی تردید

حیات پسید کے ساتھ کر کے اس کی تصحیح کر دینی چاہیے تھی مگر متکلمین اسلام نے مشرک کے اس نظریہ کی بھی تردید کی کرینیت کو جاد کہہ کر اس کے مذاب و ثواب کا انکار کیا جائے اور کایہ وغیرہ کے اس منسلک اور منسلک کا بھی رد کیا ہے کرینیت کو جاد کہتے ہوئے ہر نئے مذاب و ثواب ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جاد میں اس اس الم و لذت مفقود ہے اس لیے تہذیب و تنسیم غیر مقصود اور غیر مشرک ہے۔ مسٹر صاحب "الاقوال المرضیہ" تہذیب جاد کا تصور قائم کرانے میں مشرک کا لکھ کے جوہر میں اور ان کے مرہ نظریہ میں جنہن لانا چاہتے ہیں اور متکلمین اسلام نے ہر میت میں تہذیب و تنسیم کیلئے ایک گزند حیات کے اعادہ اور فزع من المیزۃ کے خلق کا قول کیا تھا اس کی برادر تردید کر رہے ہیں لکھتے ہیں۔

”اگر بعض مشرک اور رافضی کو مذکورۃ الصدقین کا علم ہوتا تو

ان العیت جہاد لا حیۃ لہ ولا
اصلاک لہ و لتذیبہ عانی

دسیت جہاد ہے اس میں حیات نہیں
اور نہ اور لگ ہے اس لیے اس کی تہذیب

خال ہے)

کا قول ذکر کرے ” اور شریعت عقائد والے کو۔

انہ یحیون ذلن خلق اللہ تعالیٰ
فصیح الاجزاء اور بعضا انہا
من الحیۃ

وہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اجزاء یا بعض
میں ایک قسم کی حیات پیدا کر دیں)

(اقوال المرضیہ ص ۱۱)

کی تاویل ذکر کرنی پڑتی ”

مؤلف مذکور کا مقصد واضح ہے کہ متکلمین اسلام نے ہر میت کے جہاد ہر نئے کی بنا پر اس کی تہذیب کو خال کہا تھا اور تہذیب جہاد کے کوئی نظریہ کا بطل کیا تھا وہ درست نہیں، اسی طرح میت کی تہذیب کے لیے ایک گزند حیات کے خلق کا ہر قول کیا تھا وہ بھی ان کے نزدیک بے ضرورت ہے بیکر ٹھوکر کلاسیکی طرح میت کو جاد تسلیم کرتے ہیں اور پھر اس میں حیات و اور لگ تسلیم کر کے اس کی تہذیب و تنسیم کو مقصود قرار دیتے ہیں اور جاد کی تہذیب کہ متکلمین نے جو غیر مقصود قرار دیا تھا اور اس لیے میت کی تہذیب کے لیے فزع من المیزۃ کے خلق کی تاویل کی تھی وہ بھی ان کے نزدیک غیر

مفتوحہ تھی۔

غریبکہ تہذیبِ جہاد کے تصور کے نظریے میں نزالت "اقوال الرضیہ" مفتوحہ کی شاخ کراسیہ کے ساتھ جنم لائی کر کے تشکیلِ اہلسنت کے نظریہ کا ابطال کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تہذیبِ جہاد کے اس نظریہ کو تسلیم کر لینے کے بعد جہاد کی تہذیبِ تصور ہو کر کراسیہ کے نظریہ کی تائید ہو جاتی ہے اور اس کے خیال ہونے کا تصور باطل ہو جاتا ہے، حالانکہ تشکیلِ اسلام نے اس کو غیر معقول غیر تصور قرار دیا ہے، اس سے تو معلوم ہوتا ہے تمام تشکیلِ اسلام اور بعد کے علماء کرام اس حیاتِ بسیلہ کی حقیقت سے بے خبر ہی رہے، جس سے نزالت مذکور نے اس چودھویں صدی کے آخر میں سب کو آگاہ کیا ہے۔

تہذیبِ جہاد کے نظریہ کے غیر معقول اور غیر تصور ہونے کے علاوہ منیت کی تہذیبِ تنہیم کے لیے حیاتِ بسیلہ کو کافی سمجھ لینے کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اس جسمِ منیت کو قرآنِ مہذب و ثواب حیاتِ جہادی کی حیثیت سے ہوتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ روحِ انسانی کے تعلق کا اقرار کیا جاتا ہے، ویسا کہ "اقوال الرضیہ" کے روح کی عبادتِ ہلا میں اور شفاء الصدور کی مذکورہ عبارت میں اس کی تصریح کی گئی ہے، جب اس شخص کی روح سے روحِ انسانی کا جسم سے کوئی تعلق نہ رہتا جس کی وجہ سے جسم، حیاتِ انسانی سے صفتِ خفاء تو بغیر تعلقِ روح کے جسم میں جو حیات ہوگی ظاہر ہے۔ کہ وہ حیاتِ جہادی ہی ہو سکتی ہے، اسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ موت کے بعد عالمِ ہرزخ میں پہنچ کر وہ جسم، انسانی جسم نہیں رہتا، نہ اس میں انسانی حیات ہوتی ہے، بلکہ وہ جہاد بن جاتا ہے، اور اس میں حیات بھی جہادی ہی ہوتی ہے۔

مقامِ عز ہے کہ عالمِ ہرزخ کے عذاب و ثواب کے بارے میں خزانِ وحشت کی جو خصوصیات ذکر ہیں کیا ان کا تقاضا یہ بھی ہے، کہ انسان کو عالمِ ہرزخ میں جہاد بنا کر بحیثیتِ جہاد کے اس کو عذاب و ثواب پہنچائے؟

غریبکہ تعلقِ روح اور مادہِ جہاد کے بغیر منیت کی تہذیبِ تنہیم کا نظریہ کسی طرح بھی اہلسنت کے عقیدہ کی موافقت نہیں کرتا، یہ عقیدہ معتزلہ صالحیہ، اکرامیہ کا عقیدہ ہے کہ منیت جہاد بھی ہے اور پھر اس کو عذاب بھی پہنچا ہے، صاحب "اقوال الرضیہ" اور ان کے جنووا اس عقیدہ میں

مستزاد کراہی کے واضح طور پر سامنے ہیں، اور مستزاد کراہی کا دفاع کرتے ہوئے چٹلیچین اسلام کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ البتہ جو لوگ اس تعلق اور اس کے مسئلے پر سکوت کا پردہ ڈالنا چاہتے ہیں، ان کو غور کرنا چاہیے کہ جبرائیل اللہ کے ملک کے خلاف وہ کہیں ملو اور قرآن پر تو گواہی نہیں ہو رہے اور ان کا قدم کسی ضرورت میں تو نہیں اٹھ رہا ہے۔

صاحب جواہر القرآن کا نظریہ

تعلق اور اس کے مسئلے میں جس انداز بیان کو بڑا ممتاز سمجھا جاتا ہے وہ صاحب جواہر القرآن مولانا غلام اللہ خان رحیم کا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

”باقی رہا اور اس کا تعلق اہل ان کے ساتھ تو اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت میرے قریب سا کرنی شریعت نہیں تھا اور نہ ہی صحابہ کرام یا تبعین اتباع یا بین اہل اللہ و پیغمبر کے ارشادات و اقوال میں تعلق درجہ یکم مغربی کا کوئی نئی یا اثباتاً ذکر اور اسے البتہ چوتھی صدی کے بعد سے شامین حدیث نے بعض حدیثوں میں تعلق کے مسئلے میں تعلق درجہ یکم مغربی کا مختلف عزائمات سے ذکر کیا ہے..... اس لیے عالم برزخ میں تعلق اور اس کا بیان مغربی کے بارے میں سکوت سب سے اچھا مسلک ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث و شہود باہر بغیر میں تعلق کا کوئی ذکر اور نہیں لیکن اگر کوئی شخص غیر مسلم اکیثیت تعلق کا اثبات کرتا ہے تو وہ بھی قابلِ ملامت نہیں چرکہ متقدمین میں ایک کثیر تعداد مختلف عزائمات کے ساتھ اس کی قائل ہے۔“

جواہر القرآن جلد ۱ ص ۱۸۴

بن لوگوں کے نزدیک تعلق اور اس کا بیان مغربی عقیدہ شریک قرار پاتا ہے۔ اس کو شرک کہتے ہیں اور اس کے اعتبار میں بھی وہ کسی طرح کی ممانعت سے کام نہیں لیتے۔ ان کے فخری شرک کہندے ہیں تو صاحب ”جواہر القرآن“ اس ملک ”سکوت و امتیاز کے اعتبار کر لیکے اور وہ بھی نہیں بچ سکے کیونکہ کسی عقیدہ شریک پر سکوت کا حوالہ ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں اور نہ ہی یہ کسی طرح مانا جاسکتا ہے کہ ایک شرک عقیدہ کی تردید سے سکوت کیا جائے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ دین کے اندر ایسا عقیدہ ایسا دکرنا جسکا شریعت انکے نزدیک نہ صرف

یہ کہ کتاب اللہ اور سنتِ صحیحہ سے نہیں ملتا، بلکہ قرونِ ثانیہ بھی اس کے ذکر اور اس سے خالی ہیں۔ کیا احادیث فی الدین اور بدعت فی العقیدہ نہیں ہے! ہر اس کا نامی قابلِ حجت کیوں نہیں؟

اور صاحب ”جوامع القرآن“ نے اس کی وجہ وجہ علمی ہے کہ ”مستندین میں ایک کثیر تعداد مختلف منہات کے ساتھ اس کی تکالیف ہے۔“ اس پر ضرور مدعا ہے کہ مستندین سے ان کی کیا مراد ہے؟ کیا مستندین کی کثیر تعداد قرونِ ثانیہ کے بعد کی ہے؟ اگر ہیا ہے تو اس کی کیا وجہ کہ جس چیز کا ذکر ان کا قرونِ ثانیہ میں نہیں تھا اور اسکا ثبوت کتاب اللہ اور سنتِ صحیحہ سے بھی نہیں ملتا ایسی چیز کی مستندین میں ایک کثیر تعداد کیوں تھی؟

جب میں اعادہ ارجاح کی عادیث کا استخراج ہوتا اور ثابت ہو چکا ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ نے بھی اعادۃ الارجاح الی البدیع پر نص فرمادی ہے، اور حضرت امام احمد بن حنبلہ رحمہ اللہ علیہ نے بھی اعادۃ الی القبر سے ارجاح کے اعادہ فی القبر کی تصریح فرمادی ہے۔

ان نصوص میں شیعہ اور ائمہ مذاہب کی تصریحات کے ہوتے ہوئے صاحب ”جوامع القرآن“ کا تعلق ارجاح بابانی مضرب کے بارہ میں حکمت کو ملحوظ قرار دینا اور سنتِ صحیحہ سے اس کے ثبوت کا انکار کرنا اور قرونِ ثانیہ کے ذکر سے خالی کہنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ کیا امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلہؒ قرونِ ثانیہ کے بعد کی پیداوار ہیں؟ اور کیا انہوں نے کتاب اللہ اور سنتِ صحیحہ کے برخلاف یہ اعتقادی بدعت ایجاد کی ہے؟ اگر یہ اعتقاد ایسا ہی ہے تو صاحب ”جوامع القرآن“ کو کم از کم اس کے بدعت قرار دینے کی بہت تو ضرور کرنی چاہیے تھی اور اس طرح اس کو حکمت کے پردے میں چھپنے کا تکلف نہیں کرنا چاہیے تھا۔

اگرچہ صاحب ”جوامع القرآن“ نے اس عقیدے کو صاف لغویوں میں بدعت نہیں کہا، مگر اس کے بدعت ہونے کے تمام دلائل کو انہوں نے اس جگہ پر کر دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ کا ثبوت کتاب اللہ اور سنتِ صحیحہ سے بھی نہ ملتا ہو اور قرونِ ثانیہ مشہور بابائین بھی اس کے ذکر اور اس سے خالی ہوں، تو ہر جگہ وار کوئی کچھ لکھا ہے کہ یہ عقیدہ بے دلیل اور بدعت ہے، کسی عقیدہ کے بدعت ہونے پر اس سے زیادہ اور کون سے دلائل قائم کیے جاسکتے ہیں!

پہلے تو مختلف ”جوامع القرآن“ تعلق ارجاح بابانی کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ ”سنتِ صحیحہ سے

اسکا کوئی ثبوت نہیں تھا ۱۱۔" پھر لکھتے ہیں کہ "چوتھی صدی کے بعد سے شارحین حدیث نے بعض حدیثوں میں تطبیق کے سلسلے میں خلقِ روح بعدِ منفری کا مختلف نزوات سے ذکر کیا ہے؟ جب نزواتِ مذکورہ کو تسلیم ہے کہ شارحین حدیث نے حدیثوں میں تطبیق کے سلسلے میں اس تعلقِ روح بعدِ منفری کا ذکر کیا ہے، تو اس تعلقِ روح کے حدیثوں سے ثبوت میں کیا کام رہ گیا، پھر اس کے مثبتِ سمیرے ثبوت کی نفی کیوں کی گئی ہے؟ کیا نزواتِ مذکورہ کو بعض حدیثوں میں تطبیق کی ضرورت نہیں ہے؟

عمرِ روح پر اعداد بیشو صحیر کی دلالت اور انفرادہِ سب کی نفس نیز متکلمین کی تصریحات کے برخلاف صاحبِ "جہان القرآن" کا تعلقِ روح و جانِ منفری کے بارے میں سکوت کو احمق قرار دینا معلوم نہیں احتیاط کی کوئی قسم میں داخل ہے؟

بنِ حضرت اکابر نے اس تعلق کا اثبات اور ذکر کیا ہے کیا ان سب نے بے احتیاطی سے کام لیا ہے؟ اور جب نزوات "جہان القرآن" نے یہ تسلیم کیا تھا کہ "وفات کے بعد انفسِ علیٰ علیہ سلم کے بعد الطہر کر ہرزخ (قبر شریف) میں، تعلقِ روح حیات حاصل ہے۔" (ماہنامہ تطہیر القرآن ماہ اگست ۱۹۳۳ء) تو کیا ایک عقیدہٴ بدعت اور بے احتیاطی کو اختیار کیا تھا؟

حاصل یہ ہے کہ اگر صرف روح کے معذب و مشاب ہوئے کا نظریہ درست ہوتا مگر بعض لوگوں کا خیال ہے قومیت کے ماکول اور متر ہو جانے کی ضرورت میں ہی مکائے ہوئے اجزاء میں اور وہ بھی دوسرے جائزوں کے پیٹ میں، ایک گرامیات ثابت کرنے کی متکلمین کو کیا ضرورت تھی؟

بدینِ مثالی ۱۰! اسی طرح اگر روح کو موت بدینِ مثال کے ساتھ مذباب و ثواب ہوتا اور بدینِ منفری کے ساتھ اسکا کوئی تعلق نہ ہوتا تو بدینِ مثالی بھی مکائے دلے کے پیٹ میں نہیں جاتا اس کے پیٹ میں جس بدن کے اجزاء جاتے ہیں وہ تو بعدِ منفری کے ہی اجزاء ہوتے ہیں انہی اجزاء میں متکلمین ایک گرامیات ثابت کرتے اور اس حیات پر مذباب و ثواب کو مرتب کرتے ہیں۔ حیاتِ بلیط اور حیاتِ مجاہدی کو تہذیبِ تنہیم کے لیے درست یہ کہ کافی نہیں سمجھتے بلکہ مجاہد کی

تغذیب و تنعم کو غیر متصور و غیر معتدل قرار دیتے ہوئے رد کرتے ہیں۔

ایک فتنہ اور منصف مزاج آدمی کے لیے یہ بات کافی ہے، مگر تمام علما نے عقائد اور متکلمین نے بدن اور اجزائے بدن میں ایک گزہ حیات کے خلق کا ذکر فرمایا ہے، اگر عذابِ جہنم کے سلسلہ میں بدن اور اجزائے بدن کا واسطہ نہ ہوتا تو متکلمین کو ان میں حیات کے خلق کے تباہی ہونے کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ علما نے عقائد اور متکلمین اسلام کے اس قول سے ثابت اور واضح جو رہا ہے کہ عالمِ قبر میں راست و عذاب کا تعلق بدن مادی اور عنصری کے ساتھ ہی ہے اور وہ بھی اس کی ایسی حیات کے بعد کہ اس کو الم و لذت اور احساس و ادراک ہر کے مذاہب میں طرہ کو وہ جہاد کا جملہ ہی رہے اور پھر بھی اس پر راحت و الم کی کیفیت طاری ہوتی ہو، کیونکہ اوپر ثابت ہر چہ کہ جہاد کی تغذیب و تنعم غیر معتدل اور غیر متصور ہے۔ اس لیے عذاب و ثوابِ قبر کے لیے اس ہرگز کو تجربہ کرنا وہ حقیقتِ اقرارِ خدا کا حکم کی ہی ایک صورت اور معتزلہ کو اس کی صداقتے بازگشت ہے۔

حیاتِ انبیاء علیہم السلام اور سماع عند القبر

تمام اہلسنت و اجماعت اس عقیدے پر متفق ہیں کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام قبر اور عالمِ قبر میں زندہ ہیں اور ان حضرات کی یہ زندگی تمام مژنین بلکہ حضراتِ شہداء کی حیات سے بھی اعلیٰ و ارفع اور قوی تر ہے۔

حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی ان کی قبر میں زندگی متفق طبع عقیدہ کی حیثیت سے ایک نئے شدہ حقیقت ہے اگر اہلسنت میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں تھا جس نے انبیاء علیہم السلام حضورِ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کا انکار کیا ہو اور قبرِ مبارک میں آپ کی مدافعتِ مبارک کے جہادِ اعلیٰ سے اتصال و تعلق کی نفی کی ہو۔ بلکہ اس عقیدہ پر اجماع ہے کہ قبرِ اعلیٰ میں مدافعتِ مبارک کا جہادِ اعلیٰ سے ایسا تعلق اور اتصال ثابت ہے جس کے سبب سے جسمِ مبارک میں حیات اور سماع کی قوت حاصل ہے اور قبرِ مبارک کے قریب سے سلام کہنے والوں کا سلام آپ بنفس نفیس خود سلامت فرماتے ہیں۔

حیات النبی ﷺ اور مسک

علمائے دیوبند

غیر عنوان مسک میں اکابر علماء دیوبند کا مسک اجمالی طور پر معلوم کرنے کیلئے ”المہند“ کی عربی جلدت کا اکابر کا بھی کیا ہوا اٹھواڑہ قریم ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

المہند میں ہے: ”ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ سلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی ہے جو صفت ہونے کے اور حیات فصولی ہے آنحضرت علی رضی اللہ عنہ سلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے جو حامل ہے تمام مسلمانوں بکرب آدمیوں کو“

چنانچہ علامہ سیوطی نے اپنے ”سار“ انہماک اولیاء بحیرۃ الانبیاء میں بتھریج لکھا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ تلامذہ حق الدین بکئی نے فرمایا ہے کہ انبیاء و شہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جس میں دنیا میں تھی اور موصی علیہ السلام کا اپنی قبر میں عازر چرنا اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے“ ۱۱

پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو ہر ذی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہا کا اس بحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے نہایت دقیق اور اذکر کے طرز کا ہے مثل جو طبع ہر کوئی میں شائع ہو چکا ہے اسکا نام ”حیات نبویہ“ (المہند ص ۱۱)

المہند کا تعارف

یہ رسالہ علمائے دیوبند کی مسلکی دستاویز کی حیثیت سے فخر العلماء و افاضلین شیخ الفہام و المدین

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے مرتب فرمایا تھا، اور اس وقت کے تمام اکابر مظلانے دیر بند نے اپنے تختگی اور مختار ملک کے طور پر اس کو اپنی تصدیقات سے مزین فرمایا تھا، جن میں حضور صیت کے ساتھ حضرت شیخ ابند مولانا محمود ملن صاحب دیر بند، حضرت مولانا احمد من صاحب امر دہی، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب لاچنوی، حضرت حکیم اوقات مولانا اشرف علی قادری، اور حضرت مولانا مفتی کنایت اللہ صاحب دہلوی کا بھی ذکر ہے۔

تفصیل و تشریح

مقتادہ دیر بند کی مسلکی دستاویز "الہند" کی اس مہدت کی روشنی میں مختصہ حیات الہی علی اللہ علیہ وسلم کی تفصیل و تشریح پیش خدمت ہے۔

"الہند" کی عبارت میں "نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے جس کے بعد اکا پر ملا دیر بند کا یہ تحریر فرمایا کہ "اس سے ثابت ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دینی ہے۔" صاف طور پر اس کی دلیل ہے کہ دینی حیات سے اکابر کی مراد یہ ہے کہ یہ حیات اس دینی جسم مبارک میں ہے اور نماز جس زندہ جسم کو چاہتی ہے، اس سے بھی ان اکابر کی مراد یہی دینی جسم ہے، جبکہ ساتھ یہ دینی حیات حاصل ہے، لہذا اس جسم سے کوئی دوسرا جسم مراد ہوتا تو اس کو دینی حیات پر دلیل بنا سکتی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا۔

نیز اس سے دینی حیات کا یہ مفہوم بھی متین ہو جاتا ہے کہ عالم برزخ میں ہوتے ہوئے چنانکہ یہ دنیا والا جسم الطبری نماز و غیرہ بجا لاتا ہے، اس لیے دینی جسم کے متحمل مہدت ہونے کی حیثیت سے یہ حیات دینی ہے، اور عالم برزخ میں ہونے کی وجہ سے برزخی بھی ہے، اس طرح یہ حیات برزخی بھی ہے اور دینی بھی ہے عزرات اکابر دیر بند کے اس ارشاد سے کہ اس معنی کو برزخی ہی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے، سے واضح ہو گیا کہ ان حضرات کے نزدیک حیات برزخی میں عالم برزخ اس حیات کا ظرف ہے، اور اس حیات اور برزخ میں علاقہ ظرفیت کا ہے زمینیت کا نہیں، یعنی آپ کی یہ حیات طیبہ اگرچہ اسی دینی بدن اقدس کے ساتھ ہے، مگر حاصل عالم برزخ میں ہے۔

لیکن اس حیات دنیوی سے الابرار و برہند کا یہ ہرگز مقصد نہیں ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہونے والی اس جسمانی حاجت کے لیے دنیوی حیات کے علاوہ اوقات بھی ثابت ہیں اور جیسے کہاتے پیٹنے وغیرہ کی دنیا میں حاجت ہوتی تھی اسی طرح قبر اطہر میں بھی ہوتی ہے۔ بلکہ قبر شریف طائی جسٹلی حیات میں بھی چرچہ و دنیوی حیات کی طرح ادراک اور علم و شعور حاصل ہوتا ہے ایسے ہی اس حیات کو دنیوی حیات کہہ دیا جاتا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرات الابرار و برہند نے الہند میں علامہ فخر الدین گجراتی کی حیات کو مستعمل میں پیش کرتے ہوئے الی آخر مثال کہا ہے اس میں اس کی تصریح ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبر میں حقیقی حیات ہونے کے باوجود حیات جسمانی کے علاوہ اوقات ثابت نہیں ہے شفا کھانے پینے کی طرح دنیا میں حاجت ہوتی ہے اس طرح قبر کی اس حیات میں نہیں ہوتی اسی طرح ابھی کئی احکام میں فرق اور تفاوت ہے، البتہ دنیوی حیات کی طرح علم و شعور انکو حاصل ہے۔

ولا یضم من کونہا حیاۃ حقیقۃ ان	اور اس حیات کے حقیقی حیات ہونے سے
یحون الایمان معہا کما کانت	یہ لازم نہیں آتا کہ اس حیات کے ساتھ
فالدنیا من الاحتیاج الی	بدنی کو کھانے پینے کی دنیوی حاجت
الطعام والشراب والامتناع من	بر جیسے دنیا میں بھی باریہ کو رکھنا پرہیز
النعوذ فی الحجاب الکشف وغیر	میں نفوذ دکر سکیں اور اس طرح اجسام کی
ذلک فی صفات الاجسام العن	دیگر صفات جن کا ہم مشاہدہ کرتے
نشاهدہا بل قد یحون لطا حکم	میں ہو سکتا ہے کہ ان ابدی کا حکم دوسرا ہو
آخر فیس فی العقل ما ینتفع ف	اس میں کوئی امتناع نہیں کہ ان کے لیے
افات الحیوۃ الحقیقیۃ لحد واما	حقیقی حیات ثابت ہو رہے اور اوقات
الادحاحات کا تعلم والسمع فلو شک	علم و شعور قرآن کے ثبوت میں کوئی شک
ان ذلک ثابت و سند کو یروکہ لسانا	ہی نہیں ہے تو تمام عربوں کے لیے ثابت
الوقت فکیف بالاشیاء	میں قرآن و علیہم السلام کے لیے کوئی ثابت

(رشتہ دار مقام ص ۳۳)

زہروں کے معلوم ہوا کہ حضرات اکابر نے
جہانی حیات اور ادوارِ کائنات کی وجہ اس کو
دریغی حیات کہا ہے ۔

علامہ اکرسی فرماتے ہیں ۔

ان تملك الحياة في القبر وان
صانت قبر تب عليها بعين ما
يترتب على الحياة في الدنيا
العرفنة ودد السلام السميع و
نحو ذلك الا انها لا يترتب عليها
حل ما يمكن ان يترتب على
تلك الحياة العرفنة ۔

”اس ترقی زندگی پر اگرچہ بعض وہ امور
ترتب ہوتے ہیں جو دنیا کی معروف زندگی پر
ترتب ہوتے ہیں مثلاً نذر و نمان و کائنات کا
کئے ہوئے سلام کا جواب دینا اور اسی طرح کے
کئی اور امور مگر اس پر وہ سب امور ترتیب
نہیں ہوتے جو دنیا کی معروف زندگی پر
ترتب ہوتے ہیں“

(مدح العالی ص ۳۳ جلد ۲۲)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ”مخالف تاسیخ“ میں ارقام فرماتے ہیں ۔
”انبیاء کرام کو اپنی اقسام و درجہ کے تقاضے کے اعتبار سے زندہ رکھا ہوا ہے“ جس کا تحریر
فرماتے ہیں ۔

”انبیاء کو اہل ان دنیا کے حساب سے زندہ رکھیں گے“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نانوتویؒ اور اکابرِ ملاح و روہ بند نے ہر آنحضرت علیہ السلام کی عالم
برزخ کی حیات کو دروغی کہا ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ وہ حیات اسی دنیا والے جسم
الطہر میں ہے اس کو دروغی حیات کہنے سے ہرگز اپنی مراد نہیں ہوتی کہ وہ حیات اس عالم دنیا میں
ہے یا بیچین الرحمہ دروغی حیات ہے ۔

ایک مخالف !

جب حضرت نانوتویؒ نے اس حیات دروغی کے مفہوم اور اس کے حدود و دائرہ فرما

دیا ہے کہ وہ اس عالم دنیا میں نہیں ہے اور نہ وہ ہمیشہ اس دنیا والی حیات ہے، بلکہ اس پر حیات دنیوی کا اطلاق ایمان دینی میں زندگی بسر کرنے کے اعتبار سے ہے، تو کچھ کس قدر مضبوطی سے کہ اس حیات دنیوی کے اجلاں کے لیے ان آیات اور روایات کا سہارا لیا جاتا ہے جن میں اس عالم دنیا کی حیات کے مطلوب اور مطلوب نہ ہونے اور حیات اخروی کے مرغوب و محبوب ہونے کا بیان ہے، یا ان اکابر کے خلاف، پروردگار کیلئے کہ حضرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی عالم دنیا میں زندہ رکھتے ہیں اور وہ انتقال من دہرالی دہر کے قائل نہیں ہیں۔

ان اکابر کی طرف ایسی خلاف حقیقت بات کے ضرب کرتے وقت اپنی آخرت اور دہان کی جواہر ہی کی فکر کرنے کی فریاد کرتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام پر وفات شریفہ کا درود

حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وفات شریفہ کا عدد ایک قطعی اور حتمی امر ہے۔ مگر اس کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ حضرت مصطفیٰ علیہ السلام کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام پر حسب فرمان خداوندی ”کل نفس ذائق الموت“ موت وارد ہوئی اور خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر قبل از وقوع ”الک میرٹ“ اور ”افان مات“ آیات میں دی گئی، اور وقوع نشا کی خبر بھی متعدد احادیث میں دی گئی ہے، قرنی الہی قبض الہی صلی اللہ علیہ وسلم اور خطبہ صدیقیہ کے صریح الفاظ ”ان محمد اموات“ اس پر نفس میں نیز آپ کی تمیز و تکفین اور دفن و قبر مبارک وغیرہ کا ذکر احادیث میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ مزید کہ آپ کی وفات شریفہ ایک مسلم اور ثابت شدہ حقیقت ہے اور کوئی شخص اسکا منکر نہیں ہے ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات شریفہ وارد ہوئی ”کل نفس ذائق الموت“ کا وعدہ پورا ہوا اللہ آپ نے عالم دنیا سے عالم برزخ میں انتقال فرمایا، یہ تمام امت کا اجماعی مسلہ عقیدہ ہے۔

امت کے اس منہ عقیدہ کو موضوع بحث بنا کر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو ثابت کرنے کے درپے ہونا غلط بحث ہونے کے علاوہ اکابر علماء پر اس الزام تراشی اور تہمت لگانے کے بھی مترادف ہے بلکہ حضرات اکابر قرآن و حدیث کی صدوس

تعلیق کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ کے قائل نہیں ہیں۔ کیا یہ طریقہ معترف
الہی کی مکمل کلا تو رہیں کرتے اور انکو مخصوص تعلیق کے انکار کا براہ مجرم ٹھہرانے کے مترادف نہیں ہے؟
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

”حبیب ہدایت کہنے لفظی و ائمۃ الوقت“ اور ”ائمۃ میت و انھم میوتون“

”تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر سرور الہام صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری
ہے۔“ (ملاحظہ فرمائیے ص ۱۷۱)

یہ عبارت نص ہے اس عقیدہ کے ضروری ہونے پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ
ہر جگہ ہے، حضرت نانوتویؒ کے اس عقیدہ کو ضروری قرار دینے کے باوجود ان پر اس نسبت کے مٹانے
کی کیا کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ وہ وفات شریفہ کے درود کے قائل نہیں ہیں؟

الحاصل حضرت انبیاء کرام علیہم السلام پر درود و موت کا عقیدہ ایک سنی اور قطعی مخصوص عقیدہ ہے،
اور اس کا اعتقاد رکھنا ایسے ضروری مقام میں سے ہے جن پر امت سترہ اتفاق اور اجماع ہے۔
مگر اس سے حیات الہی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدہ اور حیات بعد الوفاات کے مسئلہ کو کچھ تضاد نہیں ہے۔
اس لیے کہ یہ حیات و وحدۃ الہی کے پڑنا ہونے اور درود و موت کے بعد قبر اور عالم برزخ میں حاصل
ہے اور یہ حیات بھی ثابت اور اہمیت کا مستحق علیٰ الہامی عقیدہ ہے۔

شرائط ناقص

میتا نقص کے لیے وحدت زمان اور وحدت مکان کی شرط کا پایا جانا بھی ضروری ہے،
اور ظاہر ہے کہ عالم برزخ کی اس حیات بعد الوفاات میں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں، جس نے
میں عالم دنیا کی موت مخصوص سے ثابت ہے وہ زمانہ عالم برزخ کی حیات کے متاثر ہے،
اس طرح عالم اور مکان بھی موت و حیات کا تلف ہے اس لیے حیات فی البرزخ ان مخصوص
کے کسی طرح معاون و معاون نہیں جن سے عالم دنیا کی موت نہایت جو رہی ہے۔ ورنہ تو ہر
عالم قیامت میں بھی حیات کا حصول ایسی مخصوص کے معاون ہر گاہ۔ حالانکہ عالم قیامت کی حیات
بھی مخصوص سے ثابت ہے اور یقینی بات ہے کہ خدا کے صادق کے کلام میں تضاد نہیں، نقص اور

حیث ہونے کی وجہ سے محال ہے۔

حیات جہانی :

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جسم کی حیات عموماً روح کے تعلق کے بغیر ممکن نہیں ہوتی اور یہ بھی ستر حقیقت ہے کہ فقط روح کے زندہ ہونے سے ہی بغیر تعلق روح کے کسی شخص کو زندہ نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ روح تو شخص کی ہر وقت زندہ رہتی ہے اگر صرف بدت کی زندگی سے ہی جسم کو زندہ کہا جائے گا تو پھر تو جسم پر میت کا اطلاق کرنا کسی وقت بھی درست نہ ہوگا، کیونکہ روح تو دردمست اور انفصال من البدن کے وقت بھی زندہ ہوتی ہے اس لیے تسلیم کرنا پڑے گا کہ کسی شخص کے زندہ ہونے یا زندہ نہ ہونے کا معیار جسم ہے، اور یہی جسم زندگی اور موت کا مل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس وقت کسی شخص کے جسم میں روح یا حیات ہو اس وقت وہ شخص زندہ ہے۔ اور جس وقت اس کی روح یا حیات اس کے جسم سے متعلق ہو اس وقت مردہ ہے، روح کے انفصال کے بعد وہ زندہ نہیں رہا، از حیثیکہ جسم کی حیثیت اس بارے میں متحرک اور عمل کی ہے۔

چونکہ اس جسم کو کہیں گے جس کے ساتھ روح کا تعلق موجود ہو اور میت اس جسم کو کہتے ہیں جو روح سے خالی اور بے تعلق ہو۔

تمام اہانت والی بات اس پر متعلق ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام قبر اور برزخ میں زندہ ہیں، لہذا ان کی یہ زندگی صرف روح کی زندگی نہیں ہے، بلکہ جہانی زندگی ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کی ارواح مطہرہ کے تعلق کے ساتھ ان کے ابدان مقدس بھی زندہ اور فائز الیات ہیں، اس لیے اس کی ضرورت تو نہیں تھی کہ اہانت کے اس متعلق علیہ اور اجماعی عقیدہ کو دلائل سے ثابت کیا جائے، خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ اس مسئلہ پر علماء مصر کثر لفظ نبیاء اشاہم نے مسلک اہانت کی تائید و حمایت میں کتاب و سنت کے دلائل کا بہت بڑا ذخیرہ پہلے ہی جمع کر دیا ہے، ہر ایک حق کے متقاضی اور انصاف پسند شخص کی راہ نمائی کے لیے کافی سے زائد ہے، مگر چونکہ اس زلفے میں ایک طرف تو علمی استدلال کے انحطاط کے باعث مبسوط اور مضلل کتابوں کے مطالعہ کا ذوق بہت ہی محفل ہو رہا ہے دوسری طرف مسلک اہانت کے اس متفقہ عقیدہ کے خلاف نہ صرف

یہ کہ بڑا اشیخوں پر انعام و نسیاں کیا جا رہا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر حاشینِ ملک کو پہنچا اور دعوتِ منلو دے کر رضا و کرم کو کرنے کی بھی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ اس لیے مہارتِ مہین کے جلسہ میں میدانِ مناظر و گرم کر کے جواہی کار روانی کے ذریعے مزید ترقی پیدا کرنے کی بجائے یہی مناسب سمجھا گیا کہ اس حشر و کسوف کے بارے میں ملکِ ملائیں دیوبند کو واضح کر دیا جائے، اور اقتصاد کا لحاظ رکھتے ہوئے کتابِ دشت سے ان کے استدلال و استناد کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے، اور اس ملک پر متعلقین اسلام اور عقیدتِ ملت کے امت کی عبادت کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ بعض ایسے مناظرات اور شبہات کے ازالہ اور دفعیہ کا بھی خیال رکھا جائے جن کو علما کی طرف سے پیدا کر لوگوں کو غلط فہمی پھیلانے کا باعث بن رہا ہے۔

قرآنِ کریم

نورِ انسانی کے علمِ شہداء کے لیے خالق کائنات کا یہ حکم ناطق ہے کہ ان کو مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں۔ یعنی طرآنِ مرت کے بعد وہ زندہ کر دیئے گئے ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يَقتُلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
أَمْواتٌ بَلْ أحياءٌ وَلَكِن لَّا تَشْعُرُونَ
اور تم ان کو جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے
میں مرے نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں
شعور نہیں ہے۔ (پ ۱ رکوع)

اس تعلیمِ شہادتیت کے پیش نظر جسکا اُور ذکر ہوا ہے اسکا مطلب یہ ہوا کہ شہداء کے اجساد میں ان کی ارواح موجود ہوتی ہیں اور روع کے مجدد ہونے کی وجہ سے انکا جسم زندہ اور ان کو جسمانی حیات حاصل ہے اس لیے کہ قتلِ فعلی حقیقی ہے اسکا عمل جسم سے نہ کہ روع سے اس لیے کہ جسم قتلِ کامل ہے وہی جسم حیات کا بھی مل ہوا، اور جسم کی حیات روع کے تحقق کا تقاضا کرتی ہے۔

دلالتِ انفس

قرآنِ کریم کے الفاظ اور مہارتِ انفس کے لحاظ سے قرآن حکمِ شہداء کے لیے ہی ثابت ہے۔

مگر یہی حکم دلائل انص کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی بطریق اولیٰ ثابت ہے۔
حضرت تاجی شہداء صاحب نے پانی پتی کی "تفسیر مشکوٰۃ" کے من شکر سے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

لفظ فی سبیل اللہ عام یدخل من مات فی شیء من امور الغیر غیر ان لفظ القتل لا یשלطه عبارة لكن بدلالة النص یدخل فیہ بالطریق الاولیٰ (منظری میپل)

فی سبیل اللہ کا لغو عام ہے ہر جی نیک کام میں فوت ہو جائے اس کو شامل ہے مگر یہ کہ قتل عامت میں اس کو شامل نہیں البتہ دلائل انص کے اعتبار سے بطریق اولیٰ اس میں داخل ہے۔

عالم قرطبی فرماتے ہیں۔

السوت ليس بعدم محض وانما الاستتال من حال الحال ويدخل على ذلك ان الشهداء بعد قتلهم وموتهم احياء عند ربهم في هذه امة الاحياء الدنيا وانما كان هذا في الشهداء فانما لانبياء احق والى بذلك وصوص العلماء في حيلة الانبياء كشيرة (مطلب ص)

موت عدم معنی نہیں بلکہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا ہے اور دلیل اس پر یہ ہے کہ شہداء اپنے قتل و موت کے بعد زندہ ہیں ماچے رب کے پاس رزق پاتے ہیں اور یہ صفت ہے زندہ کی دنیا میں جب یہ صفت شہداء کی ہے قرآنیہ علیہم السلام اس کے درجہ اولیٰ متدرج ہیں اور صحت انبیاء میں ظہور کی باتیں بہت ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی شہداء پر افضلیت اور اولیت سب کے نزدیک مسلم ہے تفسیر کبیر میں ہے۔

لان منازل الانبياء فوق منازل الشهداء (کبیر ص ۳۲۱)

انبیاء علیہم السلام کے درجات شہداء کے درجہ سے بلند و بالا ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ فردا کوئی شہداء کے لیے جس کم کا ثبوت نص قرآنی سے ہوتا ہے اس حکم کے

فرمایا یعنی انبیاء علیہم السلام کے لیے علیٰ رحمہ اللہ اور بدرجہ اتم ثابت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اس طرح اس نص قرآنی سے بطور دلائل انص کے انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی۔

ما قظاہن خبر حیات انبیاء پر بحث فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

وَأَشَاطَتْ أُنْهَامُ أَحْيَاءٍ مِنْ حَيْثُ الْفَقْلُ اور حب نقل کے لحاظ سے انکا زندہ ہونا
فَانْهَ يَقُومِيهِ مِنْ حَيْثُ الْفَقْلُ ثابت ہے تو دلیل عقل اور قیاس بھی اگلی
حُصُونُ الشَّهَادَةِ أَحْيَاءٍ نَبْعُ الْفَقْلِ سائید کرتا ہے یہ کہ شہداء نص قرآنی کی
وَالْأَنْبِيَاءُ أَفْضَلُ مِنَ الشَّهَادَةِ رو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام
(فتح الباری ص ۲۹۶) علیہم السلام تو شہداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں
(توطیق اولیٰ بن کو حیات حاصل ہوگی)

امام ابن القاسم التفسیری فرماتے ہیں۔

فَالْحَبْرُ مَبْعَاثُهُ إِنْ الشَّهَادَةُ (اس ارشاد میں) اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی
أَحْيَاءٌ مَعْدُونٌ بِهِمْ فَلَا أَنْبِيَاءَ أَوَّلَ ہے کہ شہداء زندہ ہیں اپنے رب کے
بِذَلِكَ لِقَاعُ رَجَاءٍ وَتَجِبَةُ الْكَافَةِ پس حبب شہداء زندہ ہیں تو حضرات انبیاء
مِنْ رُوحَةِ النَّبُوَّةِ کرام علیہم السلام بطریق اولیٰ زندہ ہیں کیونکہ
(الدرر النقیض ص ۱۸۸) سب کا وہ جہنم کے مرتبہ سے قاصر ہے۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں۔

وَالْأَنْبِيَاءُ أَوَّلُ بِذَلِكَ انبیاء علیہم السلام اس کے زیادہ مستحق
فَهُمْ أَحِبُّ وَأَعْظَمُ ہیں کیونکہ وہ ان سے زیادہ بزرگ تر اور
برتر ہیں اور فرماتے ہیں۔

فَأَمَّا كَانَ فَالْشَّهِيدُ حبب یہ صفت شہید کے حق میں آئی
فَلَا أَنْبِيَاءَ أَحَقُّ بِذَلِكَ وَأَوَّلُ ہے تو انبیاء اس کے زیادہ مستحق ہیں۔

(انبیاء الاولیاء)

اور غیر منکوری میں ہے۔

والحق عندی عدم اختصاصها
 (ام العیون) بهم رای الشہداء
 بل حیاة الانبیاء و اقربى منهم
 و اشہد ظہوراً آثارها فی الخلق
 انہ (منہدی ص ۱۳)

اب اگر ہیں اس حیات کا پتہ نہیں چتا اور ہم انہیں عبادات کرتے ہوئے غلوں نہیں کرتے
 قرآن کی دوسری جگہ کہ ہماری ان آنکھوں میں وہ قوت نہیں ہے کہ ہمیں ان کی زندگی یا ان کے مصروفہ
 عبادت ہونے کا اندازہ ہو سکے کیونکہ پروردگار ہر ذی شعور کو اس انداز میں مائل کرتا ہے مگر ہمارے لیے
 ذکر کرنے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ ذات مقدسہ اپنی قبور میں زندہ نہیں یا وہ مطلقاً حق
 الوجود ہیں۔

حق یہی ہے کہ شہداء کے لیے حیات نفس قرآنی سے ثابت ہے، اور وہ حیات جسمانی ہے،
 اور یہی جسمانی حیات انبیاء علیہم السلام کے لیے بطریق اولی ثابت ہے۔
 علامہ عبدالحقؒ کی "احکام شیع مدلولات التعلیل" میں لکھتے ہیں۔

فذهب اکثر من السلف الى
 انما حیات حقیقة بالروح والجسد
 ولكن لا عند ذلك ولا تعلم حقیقتها
 لانها من احوال البرزخ التي
 لا یطلع علیها. (احیاء ص ۱۳)

بہت سے سلف اس طرف گئے ہیں کہ وہ
 حیات حقیقی ہے روح اور جسد کے ساتھ لیکن
 ہم اس کو سمجھتے نہیں اور نہ اس کی حقیقت
 جاننے میں اس لیے کہ وہ برزخ کے ان
 حالات میں سے ہے جن پر اطلاع نہیں
 دی گئی۔

علامہ سیوطیؒ اور اسی مثنوی بغدادی شہداء کی حیات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وختلفت فی هذه المیوة فذهب اکثر
 من السلف الى انها حقیقة بالروح
 اور اس حیات کے بارے میں اختلاف
 کیا گیا ہے اور بلاشبہ بہت سے سلف

و الجسد و لحد لا تدوم كما
ف هذه النشأة ،
صالحین اسلوب گئے ہیں کہ حقیقتہً حیات
ہے جو روح الہیہم دونوں کے ساتھ جوئی
ہے لیکن ہم اس دور اور حالت میں اسکا
ادراک نہیں کر سکتے۔

کائناتی شرکائی فرط ہے۔

و قد الحق في كتاب الله في
حق الشهداء انهم احياء بين يديك
وان الحياة ليهم متعلقه بالجسد
فحيف بالانبياء والنورسلين
(قبيل الاموات ص ۲۲۲)

مفسرین کلام نے "احوال البرزخ الحق لا يطلع عليها" سے اس چیز کی طرف اشارہ
فرمایا ہے کہ وہ حیات عالم برزخ میں رہنے کی وجہ سے ہماری ان آنکھوں سے مشاہدہ ممکن
نہیں ہوتی، مگر الٰہی مہدات کہ اس حیات کے روحانی ہونے سے کچھ تعلق نہیں، اس لیے کہ وہ
حیات جسمانی ہوتے ہوئے بھی عالم برزخ اور پرورد غیب میں رہنے کی وجہ سے غیر مشاہدہ اور غیر
مدک ہے اور وکن لا تقرون کی بجائے لا تقرون سے شعور کی غنی فرمانے کی بھی شائد یہی وجہ
ہر کوئی کو شعور اس احساس کہ کہتے ہیں جو اس کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، قراب لا تقرون کا منہم
یہ ہر اکر شہداء کی اس حیات کا احساس اور مشاہدہ جو اس کے ساتھ نہیں ہوتا۔
علامہ سیوطی نے ابرہیان کا قول الیہا ہی نقل فرمایا ہے۔

و ذهب آخرون الى ان الشهداء
جميع الجسد والروح ولا يقدح
في ذلك عدم شعور فابعد
فمنع مناهضه على منة
الرمحات وهم احياء.....

اور دوسرے اس طرف گئے ہیں کہ شہید
جسد اور روح سمیت زندہ ہیں اور ہمارا دم
شعور اس بات میں تاویج نہیں کہہ سکتا
ان کو صحت امرات پر دیکھتے ہیں، مگر
و زندہ ہیں اس واسطے اللہ تعالیٰ نے بل اعید

ولذلك قال تعالى بل احيوا
لا تشعرون فتنبه بقوله ذلك
خطا بالمؤمنين على انهم لا
يبدون هذه الحيات بالمشاهدة

ولكن لا تشعرون فرمایا ہے پس اس ارشاد سے
مؤمنین کو خطاب کر کے متنبہ فرمایا ہے کہ وہ اس
زندگی کو مشاہدہ اور احساس سے نہیں معلوم کر سکتے۔

والحس (شرح الصدور ص ۷۷)

اور اگر غور سے دیکھا جائے تو شہداء کی حیات کو دوسری عام اموات کی حیات سے حیاتِ
جبدی کی وجہ سے ہی امتیاز اور امتیاس حاصل ہوتا ہے ورنہ روحانی حیات تو سب کو ہی حاصل
ہوتی ہے اور شہداء کو یہ حیاتِ جبدی چرکہ عام مومنین کی حیات سے قوی تھی اس لیے اس کے
محسوس و مشاہدہ ہونے کا منظر تھا اور پھر اس کے محسوس و مشاہدہ نہ ہونے کی وجہ سے انکار حیاتِ متلی
تھا، غالباً اسی وجہ سے ”لا تشعرون“ فرما کر اس کا غیر مشاہدہ اور غیر محسوس بالمشاعر ہونا بتوایا گیا ہے
کہ کہیں اس کے محسوس باطن اس نہ ہونے کی وجہ سے اس کے جسمانی ہونے کی ہی نفی نہ کر دی
جائے اور چرکہ اور لاک باطن اس اور شعور کا تصور حیاتِ جبدی میں ہی ممکن ہے روح کی حیات
کا اور لاک و اساس تو مشاعر سے ہر ہی نہیں سکتا، اس کا آزاد اسکان اور تصور ہی نہیں ہے کوئی شخص
روح کی حیات کو احساس کے ذریعہ معلوم کر سکے، اس لیے ارشاد باری تعالیٰ ”لا تشعرون“ بھی شہداء
کی حیاتِ جبدی ہی کی طرف مشعر ہے،
سیاکر علامہ سیراٹؒ فرماتے ہیں۔

وبہذا یتمیز الشہید عن
غیرہ ولو کان المراد حیات الروح
فقط لم یحصل له تمییز عن
غیرہ لمشاركة سائر الاموات له
فذلك وللعلم المؤمنین
باسرہم حیات اهل الارواح فلم
یحسن لقوله ولكن لا تشعرون

اور اس سے شہید کو دوسروں سے امتیاز
ہوتا ہے اور اگر فقط روح کی حیات
مولد ہوتی تو دوسروں سے امتیاز نہ ہوتا
جو کہ اس کے کہ تمام اموات اس میں شریک
میں اور مومنین کو سب کو تمام امداد کی
حیات کا علم بھی ہے تو پھر ولکن
لا تشعرون کے کوئی معنی نہیں رہتا۔

معنی: (شرعاً اصدد شد)

مفسرین کلام اور ازہ غلام کی ان تصریحات سے جہاں یہ واضح ہو رہا ہے کہ نص قرآنی کی روایت سے انبیاء علیہم السلام کی قبر اور پرنس میں حیات ثابت ہے، وہاں یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ حیات بجاۃً اولیت مقام اور انضلیت درجہ شہداء کی حیات کے قویٰ اور کامل تر ہے؛ پھر چونکہ جہود مفسرین اور اکابر ملا متقدمین کی تصریحات کے مطابق شہداء کی حیات جمعی حاصل ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام کو بدرجہ اولیٰ اس سے بھی اقویٰ اور کامل تر یعنی حیات جمعی حقیقی حاصل ہے اسی وجہ سے الشہداء کی مہارت مذکورہ میں انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبر کے ساتھ شہداء کی حیات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

تطبیق بین الروایات

اوپر احادیث متواترہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ قبر میں بعد کی طرف روح کو لوٹایا جاتا ہے، جیسا کہ البراءہ کی حدیث کے الفاظ "تعاد الروح فی جسدہ" سے ثابت ہو چکا ہے، اور بعض روایات احادیث میں آیا ہے کہ شہیدوں اور مومنین کی رز میں جنت میں ہوتی ہیں اسی طرح احادیث میں باراداع انبیاء علیہم السلام کے رفیق اعلیٰ اعلیٰ علیہم السلام میں قیام پذیر ہونے کا ذکر بھی آتا ہے ابناہر ان مختلف احادیث میں تنازع معلوم ہوتا ہے اور مزید بالغ نظریں ان میں بھی اور تطبیق کی صورت تجویز کرنے کی بجائے ٹکراؤ اور تضاد کا راستہ اختیار کر کے رد و انکار کی راہیں تلاش کرتی رہتی ہیں، حالانکہ علامہ نعمت پور سے ان میں جمع اور تطبیق کی صورت اختیار کرتے آئے ہیں۔ چنانچہ نعمتی رحمۃ اللہ حضرت قاضی شمس الدین صاحب پانی پتی نے اس مسئلے پر قدماۃ اور فقیہانہ انداز سے بحث کرتے ہوئے ان بدوایات کی تطبیق کی یہ صورت تجویز فرمائی ہے۔

وجہ التطبیق ان مقولہ طراح المومنین	تطبیق اس طور پر ہے کہ مومنوں کی ارواح
فی علیین اور فی السماء السابعة کا	کاستر علیہم السلام آسمان اور اس کی
مردم مقولہ ارواح الکفار فی سبعین	مانہ کوئی اور جگہ ہے جیسکہ گورچکا اور کھار
رمع ذلک نکل روح منها النعال جیدہ	کی ارواح لاشکارہ زمین سے لیکن باہر ہیں

فَقَبْرٌ لَا يَدْرُكُ كُنْهَهُ إِلَّا اللَّهُ
تَعَالَى وَهَذَا لِكَاتِلِ الْإِتِّصَالِ يَصِحُّ أَنْ
يَعْرَضَ عَلَى الْإِنْسَانِ الْمَجْمُوعِ لِلْكَفِّ
مَنْ الْجَبَدِ وَالرُّوحِ مُتَعَدِّدًا مِنْ
الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَيَحْسِنُ اللَّذَّةَ وَالْأَلَمَ
طَوْبِيعِ سَلَامِ الْإِنْفَادِ وَيَجِيبُ الْمُنْكَرَ
وَالْمُنْكَرُ نَحْوُ ذَلِكَ مِمَّا شِئْتَ
بِالْحَقِّ ابْنِ الْمُسْتَدَّةِ

ہر روح کا جسم کے ساتھ قبر میں تعلق ہے
جس کی حیثیت بجز خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں
جانتا اور اس اتصال کی وجہ سے صحیح ہے
کہ انسان پر جو جسم درود دونوں کے مجرور
اور مرکب کا نام ہے اس کا حکم از جنت
یا دوزخ پیش کیا جائے اور وہ لذت
یا ذکر عیش کرے اور زیارت کرنے والے
کا سلام سے اور منکر نکیر کو جواب دے اور
اسکی مانند اور جیسا کتاب و سنت سے

(تفسیر ظہری ص ۲۲۵)

ثبوت ہر جگہ ہے۔

اس عبارت سے واضح ہے کہ ارواح کا مستقر عیسیٰ و یحییٰ میں ہونا قبر میں حیات حاصل ہونے
کے خلاف نہیں ہے کیونکہ عیسیٰ اور یحییٰ میں ارواح کا استقرار ہونے سے بھی فی الجہان کا تعلق
و اتصال قبروں میں اپنے اپنے اجسام کے ساتھ ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کو لذت و کلفت کا
احساس و ادراک بھی ہوتا ہے اور وہ منکر و نکیر کے سوال کا جواب دیتے اور خدا تعالیٰ کے حکم سے
سلام سکتے ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں۔

فَالرُّوحُ هُنَاكَ لَهَا اتِّصَالٌ بِالْجَسَدِ
فِي الْقَبْرِ وَاشْرَافٌ عَلَيْهِ وَتَعْلُقُ
بِهِ بِحَيْثُ يَمُوتُ فِي قَبْرِهِ وَرُوحٌ
عَلَيْهِ سَلَامٌ مِنْ سَلَامِ رُوحِ
فِي الرُّوحِ الْإِصْلَاحِ

روح وہاں ہے جس سے روح نورانی
موجود جسم المہر کے ساتھ اتصال ہوتا ہے
دوزخ مبارک اور جہنم المہر کا ایسا تعلق ہے
کہ آپ اپنی قبر خرافیت میں ناز پڑھتے ہیں
اور سلام کرنے والے کے سلام کا جواب

دیتے ہیں۔

(کتاب الروح ص ۴۵)

نیز علامہ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب تاد العاد میں بھی اسی طرح کی عبارت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔

و بعد وفاته استوفت فی الوفیق
الاولی مع ارواح الایہام مع هذا
فلما اشرف على البدن و اشراق
و تعلق به بحیث یرید السلام
عن من سلم علیه و بعد ا
التعلق رای موصلاً قاشعاً یصل
فی قبره .

(زاد المعاد جلد ۲ ص ۴۹)

پڑھتے دیکھا تھا۔

خلاف یہ ہے کہ عالم برزخ میں منتقل ہو جانے کے بعد ارواح مبارکہ کو اس قدر وسعت حاصل
ہو جاتی ہے کہ رفیقِ اعلیٰ میں انکی استقر کے باوجود قبور شریفہ میں موجود اجسامِ مطہرہ کے ساتھ
بھی انکو اتصال حاصل ہوتا ہے اور اسی اتصال اور تعلق کی وجہ سے انکو حیات حاصل ہے اور وہ
اسی تعلق کی وجہ سے اپنی اپنی قبروں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔
حضرت حکیم الامت قاضی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

• انما یفعل المؤمن طیر تعلق فی
شجر الجنة حق یرجعه اللہ فی
جسدہ یوم یبعثہ و داہ مالک
والنفاق و البہق و الخفاف
اس کی روح پر مسمے کی شکل میں جنت
کے درخت سے کھاتی رہے گی یہاں
تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو بعثت کے دن
اس کے جسد میں واپس لے سکے۔

الشہادۃ

اس سے صاف معلوم ہوا کہ یوم بعثت تک روح راجع بدن کا مستقر شجرِ جنت ہے پس یہ
مروج ہے اس میں کہ عادیۃ الی الارض منافی اس قرار فی الجنت کے نہیں یا تو اس طرح کہ اقول یہ عادیۃ
ہوتا ہو پھر سوالِ تحریر کے بعد مروج الی السماء ہوتا ہو اور یا اس طرح کہ یہ عادیۃ اور قرار فی الجنت
تعلقِ حیثیتوں سے ایک وقت میں جنت ہو جاتے ہوں یعنی اصل قرار تو جنت میں ہوا اور قبر میں
اصل قرار نہ ہو کہ تعلقِ جسد سے ہر خواہ وہ جسد اصل حالت پر یا تسخیل ہو گیا ہو اور یہ تعلق صرف اتنا

ہو کر جس سے اور اک نسیم والہ کا ہونے کے بجائے اب اصل تعلق قلوب کا جبر سے ہے اور ساتھ ہی عالم مثال و ادراج سے بھی تعلق ہے جس سے گاہ گاہ اس عالم کا اشتاف بھی ہوتا ہے اور گاہ گاہ اس سے تاخر بھی ہوتا ہے خصوصاً حالت نوم میں "اور اور القادوسی جلد ۲ ص ۲۱۹

حضرت قاضی شہداء اللہ صاحب، علامہ ابن قیمؒ کا یہ حضرت حکیم الامت خانقاہی، مکی بن عبادت میں تطبیق بین الادیات کا ایسا طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس سے روایات مختلفہ میں ہر کلمات انبیاء علیہم السلام اور تفسیر کے پاس سے صلوات و سلام کے سننے کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ نہ معلوم آجکل کے بعض متسببین ویرشہ تعلق ادراج کے مسئلے کا کیوں انکار کر رہے ہیں اور ان کا یہ مطالبہ کہ تحقیق و تطبیق سے انحراف کر کے ادراج کا اہلانی مغرضہ کے ساتھ تعلق کے بارے میں سکوت کا پردہ کیوں ڈالنا چاہتے ہیں اور انکار الابر کی یہ تطبیق و تحقیق کیوں پسند نہیں آتی؟

حدیث نبوی ﷺ

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

ان من افضل ایاکم یوم البعث
فیدخل خلق ادم و فیہ قبض و
فیہ النفخة و فیہ السمعة فاکثر
واعطی من الصلوة فیہ فان
صلو تکم معروفۃ علی
قال قالوا یا رسول اللہ کیف
تعرض صلواتنا علیک و تقدیرت
قال یقولون بلیت فقال ان اللہ
عزوجل صم علی الارض
اجساد الانبیاء -

بیشک ہمارے افضل ترین ایام میں سے
جسے کائنات ہے اسی میں حضرت اکرم علیہم السلام
پیدا کیے گئے اور اسی میں انکی وفات
ہوئی اور اسی میں نوحہ اولیٰ ہو گا اور اسی
میں نوحہ ثانی ہو گا۔ سو تم جمعہ کے دن ٹھہر کر
ہجرت حدود پر حاضر کیونکر تمہارا درود
ٹھہر پر پیش کیا جاتا ہے صحابہ نے عرض
کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا درود
آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا جبکہ
آپ زین رزہ پر چکے ہو گئے آپ نے فرمایا
کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء کو کام

الہدائد ص ۲۱۹ والدری ص ۲۱۹ والناہ ص ۲۱۹

و این ماجہ صحت و سنن الکبریٰ
 عظیم اصولاً و السلام کے اہل و عیال
 کر دینے میں یعنی زمین انہیں کھاتی۔

خیز امام حاکم نے مستدرک متہم ملہا میں بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور وہاں امام
 حاکم اور علامہ ذہبی نے دونوں نے اس کو بخاری اور مسلم دونوں کی شرط پر صحیح کہا ہے۔
 حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: "اس حدیث کو امام ابن خزیمہ ابن حبان دارقطنی اور نعیمی نے صحیح
 کہا ہے (تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۲)۔
 علامہ ابن عبد البر داہجی فرماتے ہیں۔

فل هذا يحوون الحديث الذي
 رواه احب من الجعفي عن ابن حبان
 عن ابى الاشعث عن اوس حديثاً
 صحيحاً لان رواته كلهم مشهورون
 بالصدق والامانة والثقة والعدالة
 وبذلك صححه جماعة من
 الحفاظ كابن حاتم بن حبان والفاظظ
 عبد الغنى المقدسى وابن حبان والفاظظ
 ولعنات من تكلم فيه
 وعنه لجنة مينة۔
 (الامام ص ۱۳۲)

ی حدیث جس کو حسین البغنی نے ابن حبان
 سے اور اس نے ابو الاشعث سے اس نے
 حضرت اوسؓ سے روایت کی ہے صحیح ہے
 اسلئے کہ انکے سب راوی صدق و امانت
 اور ثقہ بہت و عدالت میں مشہور ہیں اسی
 واسطے حافظ حدیث میں ایک بڑی جہالت
 نے اس کی تفسیر کی ہے فقہ ابو حاتم ابن
 حبان حافظ عبد الغنی مقدسی اور ابن و حبان
 وغیرہم اور کوئی شخص یا نہیں جس نے
 اس حدیث پر بہت اور دلیل سکلام
 کیا ہو۔

اس یک حدیث سے امر و ذیل کا ثبوت حاصل ہوتا ہے۔

۱۔ انصرفت علی الدنیا علی ظلم پر زندگی میں درود شریف پیش ہوتا رہا چنانچہ آپ کے یہ ان نصرات
 کے ساتھ اس پر دلالت کرتے ہیں۔

۲۔ فان سلوتنہم معروضة علی
 زندگی مہلک میں درود شریف کے پیش ہونے پر کوئی اشکال پیش نہیں کیا لیکن وہاں شریف

کے بعد درود شریف کی نگرہ پیش ہو گا۔ آیا صرف درود مبارک پر پیش ہو گا یا درود مبارک یا
جیدہ اقدس کے مجھے پر یہ عرض ہوگی؟

مفتی عمر پر اس کی کئی صورتیں مقبول ہو سکتی ہیں اس سوال جواب سے واضح ہو رہے کہ
عرض صلوٰۃ میں درود مبارک کے ساتھ جیدہ اقدس کو بھی ضرور قتل ہے اور صحابہ کرام کے سوال
کیف ترض صلوٰۃ علیک و قد ادرست کے جواب میں ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
الانبياء کا فائدہ صاف واضح ہے کہ انبیاء کرام کے اجداد مطہرہ اس طرح مقبول ہوتے ہیں کہ ان
پر صلوٰۃ و سلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے، اور وفات سے پہلے اور وفات کے بعد عرض
صلوٰۃ کی کیفیت بھی برابر ہے، پھر ظاہر ہے کہ وفات سے پہلے جیدہ اقدس پر صلوٰۃ و سلام درود
یعنی جیدہ پر پڑے شعور و ادراک کے ساتھ ہوتا ہے تو وفات کے بعد بھی صلوٰۃ و سلام کی یہ
پیشی درود مع الجسد پر ہی پڑے شعور و ادراک کے ساتھ ہوگی۔

اس سوال و جواب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مطہر اس طرح محفوظ
ہو کہ اس کو صلوٰۃ و سلام کے پیش ہونے کا ادراک اور شعور بھی ہو تا ہو، اگر اجداد محفوظ پر صلوٰۃ و سلام
پیش ہی نہ ہوتا ہو، یا انہیں اس صلوٰۃ و سلام کا بالکل شعور و ادراک نہ ہوتا ہو تو حدیث کے دونوں
جملوں میں کوئی ربط نہیں رہتا، اس لیے ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مطہر
عصی بے حس و بے شعور اگر انا محفوظ نہ ہو، بلکہ اس میں ایسی حیات اور شعور بھی ہو کہ اس پر پیش
ہونے والے صلوٰۃ و سلام کا آپ کو شعور اور سلام بھی ہو ورنہ تو حسن بے حس و بے شعور جسم پر درود پیش
کے جانے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

اسی حدیث پر عاشقہ ابو داؤد شریفین میں ہے۔

ان العبادۃ سألوا بیان کیفیۃ	صحابہ کرامؓ کا یہ اعتقاد تو یقینی تھا کہ درود
العرض بعد اعتقادہم بانہ کاشن	آپؐ پر پیش کیا جائے گا کیونکہ آپؐ
لا حالہ لقول العبادۃ و دعائہم	یہ ارشاد فرما چکے تھے ہیں ان کا سوال یہی
ان العرض هل علی الروح الجرد او	ہونے کی کیفیت ہے صلیٰ علیہ وسلم وفات
علی المتصل بالجسد ان یصل للنی	خبرائے جیدہ درود صرف روح مجرد

تجدد محل احد فحق فی
الجواب ما قاله علی وجہ العواب
(ما فی صفحہ ۱۵۱)
کیسیت کا کافی جواب تھا۔

حضرت عاقل تارہی فرماتے ہیں۔

فجعل الجواب ان الانبیاء احياء
فقبولهم فيمكن ندم صاع
مسئلة من على حليهم
(مرقات ص ۲۹)

نیز فرماتے ہیں۔

فید اشارة الى ان العوض على
مجموع الروح والجسد منه
(مرقات ص ۲۹)

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب گرامی صرف اہمت کے تقابذ میں نہیں ہے بلکہ کیف
تقرض صورتاً علیک کے جواب میں بھی ہے یعنی متناہزت صرف یہی نہیں ہے کہ انبیاء کرام کے
اجساد علم پر کے حضور پر نہ کی خبر دی جائے بلکہ ایسی غفلت مرد ہے کہ ان پر صلوٰۃ و سلام پیش
ہر کے درجہ بنائے سوال و جواب میں کوئی تقابذ نہیں رہتا۔ انبیاء عظیم صلوٰۃ و سلام کے اجساد علم پر
کا حضور پرانا اور وفات کے بعد ہی وفات سے پہلے کی طرف ہی روح منور اور جسد مقدس کے حضور
پر صلوٰۃ و سلام کا پیش ہوتے رہنا اس پر دلیل قاطعہ اور شاہد صادق ہے کہ انبیاء عظیم السلام کی حیات
گونا گونا گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات حضوراً بعد از وفات حیات جہانی ہے۔

اس سے بڑھ کر حیات جہانی کی اور کونسی دلیل برکتی ہے!

۱۔ دوسری حدیث ہے "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

الاتحاد احياء قبورهم
يعلمون مسند الباقين

حضرت ابنہ کرام طہم صلوٰۃ والسلام اپنی
قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

(طالع صیر مست)۔ جمع الخزانہ جلد ۲۔

امام ابوعلی کے طریق سے اس حدیث کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور اس کی سند باطل

میں ہے۔
حدیث کبریا شریفی فرماتے ہیں۔

”ابوعلی کے راوی ثقہ ہیں؟“

بحال اب یکل ثقات

(جمع الخزانہ جلد ۱۱)

طالع صیر مستی فرماتے ہیں۔

یہ حدیث صحیح ہے۔

وحدیث صحیح

(المرآۃ النیر جلد ۳۳)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

”اس حدیث کی پہلی تصحیح کی ہے۔“

ومسند الباقین

(فتح الباری جلد ۳۵)

اور علامہ حضرت المرحوم صاحب فرماتے ہیں۔

دوافع الحافظ الجدل السادس

فیض الباری جلد ۲ ص ۱۴

”سبب کی تصحیح پر حافظ ابن حجر نے اتفاق کیا ہے۔“

علامہ شبیر احمد عثمانی نے بھی اس کی تائید فرمائی ہے۔

فتح العلم جلد ۱ ص ۳۱۹

حضرت علامہ کاوسی فرماتے ہیں۔

(مرکات جلد ۲ ص ۱۲)

مع خیر الاتحاد احياء قبورهم

”انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔“

یہ حدیث صحیح ہے

غریبکہ جیہر لوشین کرام نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا

سہارنپوری لکھتے ہیں: اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ صحیح ہے (فتاویٰ مدنیہ ص ۱۲)

کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اصول روایت کی مدد سے اس سے زیادہ کون سی دلیل ہوگی کہ اس کے سب راوی ثقہ ہوں چنانچہ حافظ ابوالحسنی کے سلسلہ اسناد میں اس حدیث کے سب راوی معروف اور قابل اعتماد ہیں۔

اس حدیث میں حیات انبیاء کی قبر و شریفہ سے مراد نسبت کے بعد اس دوسرے کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ انبیاء علیہم السلام صرف رفیق اعلیٰ اور اعلیٰ علیین میں غائب ہوئے ہیں اور ان کی حیات شریفہ کو اہم قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حدیث سترہ سو سی فی القبر پر حاشیہ ثانی زیر الربی، علامۃ السیوطی کے منقول ہے۔

قال الشيخ محمد بن النعمان	شیخ بدرالدین فرماتے ہیں کہ حدیث
هذا صحيح في اثبات الحیوة	حضرت اسی کے اپنی قبر میں زندہ ہونے
لورس علیہ السلام فی قبره	پر صحیح دلیل ہے کہ ان حضرات پر اکرام صلی اللہ
قائه بعد من بالعملة و انه	علیہ وسلم نے آپ کو نماز سے و مروت
قاسم ومثل ذلك لا یوصف	بتلاو ہے اور یہ کہ وہ کمرے میں اور ظاہر
بالروح والنمایه صف به الجهد	ہے کہ اس سے بعض درجات موصوف
وف تمصیغه بالنقیر دلیل	نہیں ہوتی نماز جیسے عمل سے مصنف
علی هذا فانه لو كان	ہونا تو ہم ۷۷۷ م ہے روح کا نہیں نیز
من اوصاف الروح لم یصح لتفصیله	اس عمل کے قیصر سے تعلق ہونے میں بھی
بالقبر وقال الشيخ تقی الدین	حیات فی القبر پر دلیل ہے اگر عمل صلوٰۃ
السک فی هذا الحدیث	روح کی صفت ہوتی تو اس کی تفصیص
المصنف اقتدای جہد اعیان	قبر سے باطل نہ ہوتی شیخ تقی الدین اسکی
روایت ۲۴۲۲۲۲	بھی اس حدیث کا یہی مطلب بیان کرتے
۵۵	ہیں کہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے حاشیہ

شیخ علامہ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی الحنفی اسناد صحیح میں یہی عبارت ہے۔

انصرفت علی شہ طبع و کلم نے اس حدیث سے آثار انبیاء میں صرف انبیاء و ائمہ نہیں فرمایا بلکہ اس

کے ساتھ فی قبر ہم کی قید بھی نکالی ہے۔ بلکہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ انبیاء کرام کی برزخی حیات صرف روحانی ہوتی ہے اس لیے فی قبر ہم کے الفاظ سے اس پر تشبیہ فرمایا گیا ہے۔
 کہ یہاں عملی حیات وہی جسم الطہر ہے جسے قبر میں رکھا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اہل و عترت پر یہ بعد از وفات قبر میں آثار سے جلتے ہیں اس لیے انبیاء کی حیات کا بیان ان کی قبر کے ذکر کے ساتھ اس حقیقت کو بے نقاب کر رہا ہے کہ انبیاء کرام کی برزخی حیات صرف روحانی نہیں ہے بلکہ ان کے اجسام مدقرون فی القبر میں بھی حیات حاصل ہے۔

پھر یہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات انبیاء علیہم السلام کی وضاحت فی قبر ہم کے الفاظ سے فرمائی ہے بلکہ آپ نے یسویں ذرا کر یہ بھی واضح فرمادیا کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ قبر والی حیات مقصد حیات سے خالی نہیں ہے کہ اجسام مبارک میں حیات و شعور تو ہر گز ان سے ایسے اعتدال جو مقصد حیات ہی اس زندگی میں بالکل صادر نہ ہوتے ہوں مقصد یہ ہے کہ یسویں سے ایسی مقصد حیات فی القبر کا اثبات مقصود ہے جس میں اعمال طیبہ سے تعلق نہ ہو اور ان اشخاص کریم کا اس زندگی میں زندوں جیسے کاموں میں اشتغال پایا جاتا ہو۔

حضرت مولانا محمد لویس صاحب کا مصلوٹ فرماتے ہیں۔

خلافت کا قاعدہ ہے کہ کلام میں کاغذی قید منقطع کلام ہوتی ہے لہذا انبیاء و امیاء فی قبر ہم یسویں میں مقصود کلام سلاطہ اور عبادت فی القبر کا بیان کرنا ہے اصل حیات مغزوغ عندہ یسویں سے پہلے حیات کا ذکر بعض قہید کے لیے ہے اور مقصود یہ ہے کہ انبیاء کرام کے اجسام مطہر و اگرچہ اس عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو گئے ہیں لیکن وہی اجسام حسب سابق مشغول عبادت، عبادت اور اعمال حیات اور اشتغال زندگی پرستور جاری ہیں (سیرۃ المصطفیٰ جلد ۲ ص ۲۸)

اکابر علمائے امت کا اجماع

قرآن و سنت کے دلائل کی روشنی میں اکابر علمائے امت متکلمین اسلام، اور فقہائے مذاہب اربعہ نے اس مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح اتفاق و اجماع فرمایا ہے، مختصر طریقہ پر ذیل میں اس کا تذکرہ ملاحظہ کیا جائے۔

الوام الاستاذ المصنوع لخاص الشافعي المحدثي التوفي ۴۲۹ ھ فرماتے ہیں۔

قال المتكلمون المعتقون من
اصحابنا ان نبينا صلي الله عليه وسلم
بعد وفاته استكمل
بارے اصحاب متفقین ۷ فرماتے
میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات
کے بعد زندہ ہیں ؟

نیل الاوطار ص ۱۰ ج ۵

حضرات متفقین نے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عقیدہ کو اپنا امام اہلن الاخری
التوفی ۴۲۹ ھ کا عقیدہ بنا لیا ہے، اور فرقہ کرامیہ نے جو ان کی طرف غلط عقیدہ منسوب کر دیا
تھا اس کی سختی سے تردید کی ہے۔ چنانچہ امام البرقلم عبدالمکریم بن ہوازن القشیری التوفی ۴۲۹ ھ
لکھتے ہیں

فاما ما حكى عنه وعن اصحابنا
يقولون ان محمدا صلي الله
عليه وسلم ليس في
قبره ولا رسول بعد موته فيمتان
عظيم وكذب محض لم ينطق
به منهم احد ولا سمعني مجلس
مناظرة ذلك عنهم ولا وجد
في كتاب لهم صحيح يعص
ذلك وعندهم محمد صلي
الله عليه وسلم في قبره .
(الرسائل القشيرية ص ۱۰)

تجربات امام اہلن الاخری اور ان کے
اصحاب سے حکایت کی گئی ہے کہ حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں نہیں ہیں اور
شروعات کے بعد رسول میں تو یہ بہتان
عظیم اور خاص جبروت ہے ان میں سے
کسی ایک نے بھی یہ بات نہیں کہی اور
نہ کسی مجلس مناظرہ میں ان سے کئی گئی
اور نہ آپ کی کسی کتاب میں اسکا خبروت
ہے اور یہ بات ان سے نفوذ باللہ کیسے
ثابت ہو سکتی ہے بلکہ ان کے نزدیک آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں ؟

انکار حیات کا تاریخی پس منظر

مستزاد کرامیہ کا عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات خراپہ کے بعد صرف مکی طہ پر بنی

اور رسول میں اس حقیقی اعتبار سے آپ نبی اور رسول نہیں رہے ذوال نبوت کے اس عقیدہ کے لیے انہوں نے اس طرح استدلال کیا کہ نبوت کے لیے شعور لازم ہے، علم و احساس کے بغیر اس کو پایا جانا ممکن نہیں لہذا جب بھی اس شعور کا استقامت ہو گا نبوت منتفی ہوگی، اگر ایسے نے وفات نبوی پر استقامت نبوت کی بناء کے لیے روزِ مرنہ منورہ میں حیاتِ جہانی کو تحفہ مشق بنایا اور کُل طور پر حیاتِ انبی کا انکار کر دیا، اللہ کا۔

ناکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پانے کے بعد جب قبر کے پر رہے ہیں گئے تہذیبوں اساس و شعور کی طور پر منتفی رہی، جسم الطہر من بے جان ہے صرف اگر انا محفوظ ہے اور حیاتِ برہنہ کی نفی کو لازم ہے کہ آپ نبی نہیں رہے، نفوذ باللہ منہ کو امیہ کا یہ کشتہ حریب اور دھوکہ ہے کہ وہ اپنے غلط عقائد کی نسبت الابرہہ بنت کافرن کو رہے ہیں اور حیاتِ انبی کے انکار کو اہلسنت کا عقیدہ بتلا رہے ہیں، غالباً اس کی دہرے کے کہ بعض گمراہ فرقوں کے نزدیک اپنے مذہب کی تردید کی دشنامت کے لیے جبرٹ ہونا ہاتھ ہے۔ چنانچہ حاشیہ شرح بخیر میں ہے۔

السلام باعتبار دخول الخشب ہو	مہوٹ محل پر ہونے کے اعتبار سے اول
اعتقاد حلقہ المصلحتہ دینیۃ و	ہے کہ کوہن کی مصلحت کی خاطر اور اپنے
تقریب مذہبہ	مذہب کو رواج دینے کے لیے مہوٹ
(مرتب)	کے محل پر ہونے کا اعتبار رکھے۔

سلطان مغزل بیگ سلجوقی کے عہدِ حکومت میں نیشاپور کے قریب ایک بہت ہی قہر بردار شخص یکیندی نام کا گذرا ہے یہ شخص ملافت اخیل سے سلجوقی دربارِ حکومت میں منصبِ وزارت پر آگیا تھا اس کے عقائد و فتن و اعتزال کا امتزاج تھے۔

۱۳۳۵ء کے قریب اس نے وفاتِ انبی اور جسدِ الطہر کے روزِ مرنہ منورہ میں نفوذ باللہ سے جس وجہ شعور ہونے کے عقیدہ کو انزالِ نبوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وفاتِ تسلط و تسلیم نہ ہونے کے لیے بطور ذریعہ کے استعمال کیا، اور صرف یہی نہیں کیا بلکہ اپنے خود ساختہ اس نظریے کو اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے بطور افتراء کے امامِ اہلسنت حضرت الامامین الاشعری کی

طرف منسوب کر دیا۔

دوسرا منورہ میں حدیث کے انکاد سے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے جواز دخول میں پڑنے اور دوسرے اطراف میں ہم پہلو سونے کی شان اپنی امتیاز کثرت جوئی تھی۔ ممکن ہے کہ اس منظریات سے اس کے رفض کو کچھ تسکین پہنچی ہو، اور غلام ہے کہ وفات کے بعد مدینہ کی کلی صداقت کے اس نظریے سے مذاہب قبر کا انکار قریب یقین ہو جاتا ہے جس سے اس کے اعتزال کو قوت مل رہی تھی۔

اس وقت امام حدیث احمد بن الحسین البیہقیؒ (متوفی ۴۵۵ھ) زعمہ تھے آپ نے اہل امام ابو القاسم التمشیؒ نے نہایت قوت اور ثبات قدمی سے اس فرقہ کو امیہ کا متاثر کیا۔ یہ سادہ منظر جس بنیاد پر قائم کیے جا رہے تھے وہ یہی تھی کہ حضرت علیؓ علیہ السلام اپنی قبر مبارک میں محض بے جان ہیں (معاذ اللہ) ان جڑوں نے یہ چڑھی الگا کر رکھ دی اور بتایا کہ حقیقت حال اور قرآن و سنت کا استدلال کیا ہے امام بڑھتی ہوئی رسالہ "بیات الانبیاء" لکھا اور ملازم قیسیہ سی نے "شکاہ اہل السنۃ" فرمایا تاہم من السنۃ میں ان اعتراضات کے خلاف مسئلے احتجاج بلند کی، اس کی تفصیل حانظ ابن حاکم کی کتاب تہمیں کذب البعثی اور طقات الشافعیہ زیر ترجمہ امام ابو الحسن لاشری ملاحظہ کیجئے۔

اہلسنت کا عقیدہ

علم کلام کے مشہور امام ملازمین بن عبدالحسن المشہور بابی مذہب کہتے ہیں۔

قال ابو حنیفہ رحمہ اللہ و شول امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ

ان کان حقیقۃ و قال الکرامیہ اب بھی حقیقی طور پر دخول ہیں اور فرقہ کرامیہ

والے کہتے ہیں کہ آپ کا دخول ہوتا اب

حقیقی معنی میں نہیں۔

صراطیج حیدر آباد

و هو علی الشعلیہ و ملہ حضور اکرمؐ علیہ السلام اپنی وفات شریفہ

بعد موتہ باقی علی رسالتہ نے بعد اب بھی اپنی رسالت اور نبوت

و نبوتہ حقیقۃ کما یبق پر حق طور پر قائم ہیں جیسا کہ مومن اپنی دنیا

وصف الانبياء لقوم من بعد
موتہ وذلک الوصف ہائی بالروح
والجسد معاً لان الجسد لا تا
كله الارض.....

..... انہ علی اللہ علیہ
وسلم جن فی قبرہ رسول اللہ
الابد حقیقۃ لا مہافتاً
(الروضۃ البیہ مش)

انہ الاشعری واصلیہ قائلون
بان النبی علی اللہ علیہ وسلم فی
القبر ہی یحس ویعلم
(الروضۃ البیہ مش)

حضرت امام ربیعؒ فرماتے ہیں۔

ان اللہ عزوجل ثناء لدی الانبیاء
اروا جمہم فہم اہیاء عند ربہم
کانشہاد

(رماء الرقا ص ۲۶)

عمر ابن قیل القیلؒ راترقی ص ۲۴) کا ارشاد ہے۔

قال ابن قتیل موت العناجلہ
وہو علی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ
(الروضۃ البیہ مش)

امام بدر الدین علی الشافعیؒ جنہوں نے شیخ دوسلام ابن تیمیہ کے فتاویٰ کا اقتدار کیا ہے۔

کے بعد بھی سنت ایمان سے متصف
رہتا ہے اور حضورؐ کا اپنی رسالت پر حقیقی
اعتبار سے قائم رہتا روح الطہر اور جسد اللہ
کے ساتھ ہے.....

..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی
اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور ہمیشہ تک
کے لیے رسول ہیں حقیقی معنی کے لغات سے
نکار معنی علی طور پر۔

ہم اشعری اور ان کے سب اصحاب اس
بات کے قائل ہیں کہ حضورؐ الزکام قبر فرشتوں
میں زندہ ہیں اور ان کے علم و احساس بھی
حاصل ہے۔

یہ تک اللہ تعالیٰ نے حضرت انبیاء
علیہم السلام کے ارواح اکی طرف رونا
دیکھیں۔ وہ اپنے رب کے لئے شہیدوں
کی طرح زندہ ہیں۔

(میات الانبیاء ص ۱۲)

عمر ابن قیل قیلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

لکھتے ہیں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں
زندہ ہیں اور بات و گفتات گزار پڑھتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات سب سے
زیادہ اعلیٰ کامل اور تمام ہے اس لیے کہ
یہ دائمی طور پر جہد و کوشش کے لیے ہے
جب طرح دنیا میں تھی۔

والانبياء احياء في قبورهم
وقد يعملون وتمرر الفرائض منهم
امام علی نبی عبدالکافیؑ اس کی لکھتے ہیں۔

اما حجة الانبياء اعلیٰ واصل
وانتم من الجميع لانها الروح و
الجد على الدوام على ما كان
في الدنيا۔

(شفا و السقام ص ۳۷)

حافظ ابن حجر مکتفیؒ فرماتے ہیں۔

حضرت سلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک
میں ایسی زندگی ہے جس پر موت نہیں آتی
بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور انبیاء
اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

ان حياته صلى الله عليه وسلم في
القبر لا يعتقها موت بل يستمر حيا
والانبياء احياء في قبورهم

امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السوادنی الترقی مشہور لکھتے ہیں۔

ہم اس بات پر ایمان لاتے اور اس کی
تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت سلی اللہ علیہ
وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو زندگی
عطا ہے اور آپ کے جہاد الہی کر زمین
نہیں کمائی اور اس پر انجام منفذ ہے۔

نحن نؤمن ونصدق بانه
صلى الله عليه وسلم حي يروى
في قبور وان جده الشريف لا
كله الا دفن ولا جراح
على هذا (الترغيب والبرہان ص ۱۴۲)

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں۔

حضرت سلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر مبارک
میں اور اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام

حيات الانبياء صلى الله عليه وسلم
في قبره هو سائر الانبياء مطروحة

عندنا عدلنا قطعيا اما عندنا
من الادلة في ذلك و
قوتوت به الاخبار الطالة على
ذلك (قاری اور نقیاء لاؤکیا ص ۱)
کی حیات ہمارے نزدیک قطعی طور پر
ثابت ہے کیونکہ اس پر ہمارے نزدیک
دلائل قائم ہیں اور تراثر کے ساتھ اخبار
موجہم میں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔
علامہ دائود بن سیدان بغدادیؒ نے بھی اس حدیث کے متواتر کچنے ہیں امام سیوطیؒ کی تائید کی۔
(المتواتر ص ۱۱)

علامہ سہروردیؒ فرماتے ہیں۔

واما أدلة حیات الانبیاء فتستل
ها حیات الأبدان كحالة الدنيا
مع الاستثناء عن النذرة
(روفاً الرقا ص ۱۳۹)
بہر گزیت حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات
کے دلائل اس کے متفق ہیں کہ یہ حیات
ابدان کے ساتھ ہو بیحد کہ دنیا میں بھی نزدیک
سے استثناء کے ساتھ۔

حضرت علامہ قاری المنقح المتوفی ۸۵۰ھ فرماتے ہیں۔

الاستدلال بتعدد انه على الله
عليه وسلم في قبورهم كما في
الانبياء في قبورهم احياء
عند ربهم وان لا راد لحكم تصفا
بالعالم العبري والنفلي كما
مما نواف الحال الدنيا في فهم
بحسب القلب حوشيون بالعتيد
الغالب فرشتين

توکل امتداد غنیہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ
علیہ السلام اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر
انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اور
اسی طرح کے اُن زندہ ہیں اللہ انکے
ادوار کا عالم علوی اور مقلی دروز کے
ساتھ تعلق برتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا
اس لیے وہ قلب کے عالم سے عرضی
لحد کم سے فرشتی ہیں۔

(شرح شفاء ص ۲۱۱ جلد ۲)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

یہاں انبیاء متوفی علیہم السلام کی کلاس

حیات انبیاء متوفی علیہم السلام

ایچ کس لادوسہ مختلف نیست
میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے (اور یہ
حیات جسمانی دنیاوی حقیقہ
حیات) حیات جسمانی دنیوی حقیقی ہے
نہ حیات معنوی روحانی ۱۱
(اشعۃ اللمعات ص ۱۳۴)

علامہ نورالحق نورطری شریعت ہماری میں فرماتے ہیں۔

قول قتادہ و مقربہ و جمہود جمہود است
قول قتادہ اور جمہود کے نزدیک یہی ثابت
کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
چہ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام موت
بعد اوقات موت زندہ و زندہ بھین
کا لاکر چکنے کے بعد دنیوی حیات
دیجی (تیسرا مقام ص ۱۳۴)
کے ساتھ زندہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت شاہ محمد سماعتی دہلوی کے شاگرد رشید مولانا قطب الدین خان صاحب دہلوی ترجمہ
حکوة شریف میں لکھتے ہیں۔

”زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں
ہے حیات ان کو دامن حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔“ (مظاہر حق ص ۲۴۳)

داخل رہے کہ مولانا قطب الدین صاحب کے اس ترجمہ حکوة شریف کو یہ شرف بھی حاصل
ہے کہ اس کی تصنیف حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیلی دہلوی نے فرمائی ہے (مظاہر حق ص ۲۴۳)

حضرت مولانا محمد قاسم خان کریم آبادی دہلوی نے فرماتے ہیں۔

”انبیاء کرام کو اپنی ایمان دینوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ بھین ہوں“ (مظاہر حق ص ۲۴۳)

حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گلگاہی قدس سرہ نے فرماتے ہیں۔

”اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم
صاحب مولانا محمد اسماعیلی نے اپنے رسالہ ”آب حیات“ میں بلا مزید علیہ ثابت کیا ہے۔
(ہدایۃ الشیخ ص ۲۴۳)

نیز فرماتے ہیں۔

ولان النیین صلوات اللہ علیہم
جبکہ انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین سب کے

اجمعین لساھا اذا احیاء قلا معنی
لقدیت الاحیاء منهم ۔
کھٹنے کے کوئی معنی نہیں ہیں ۔

(المکوب للردی ص ۴۳)

حضرت شیخ الحدیث مولانا فیصل احمد صاحب سہارنپور کی شاندار الجوداؤد فرماتے ہیں ۔

ان نبی اللہ علیہ وسلم

فی قبورہم ان الانبیاء علیہم

السلام احیاء فی قبورہم

(بذل الجہود ص ۳۳)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں ۔

(۱) آپ ص حدیث قبر میں زندہ ہیں (الکشف ص ۴۴)

نیز فرماتے ہیں ۔

(۲) بیہقی وغیرہ نے حدیث انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں ۔ کذاب المراب

(نثر الطیب ص ۳۵)

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے لیے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسد المہر اس

کے اندر موجود ہے بلکہ خود حضور یعنی جسد مع قلب و روح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں

کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں ۔ قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں ، صحابہ کرام بھی متفق ہیں ۔

(اشرف المراب ص ۱۲ جلد ۲)

(۴) عرض کیا کہ جسد المہر موافقین اور مخالفین کے نزدیک بالائیک حق محفوظ ہے اور مع الروح

ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ، البتہ جس کے جسم مبارک حضور صخ الروح اس کیسے پر ہے

عرض کے بھی افضل ہے ۔ (شیخ صدر ص ۱۵)

کابل عزرائیل یہ ہے کہ قبر المہر کا وہ حصہ جسد المہر سے متصل ہے ، باجماع امت کہہ نہیں

بلکہ عرض صلی کے بھی افضل ہے ، لڑکیا یہ فضیلت (نور بالہ) صرف ایسے بے جان جسد المہر کی

ہے جس کے ساتھ روح اور کائنات کبھی رہ چکا ہے گماب نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر مرنے مبارک پر جب المیہ سے بچا ہو چکے ہیں اور کسی وقت جب المیہ سے متعلق تھے ان کا بھی یہی حال ہوتا۔ بلکہ لباس مبارک جو کبھی جب المیہ پر پڑ چکا ہے اسکا بھی یہی حکم ہوتا دھوا دھوا کر ان چیزوں کو بھی جب المیہ کے ساتھ اتصال یا تمسک کا تعلق حاصل رہا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان چیزوں کے کبر و خیریت سے افضل ہونے کا قریب کسی نے نقل نہیں کیا، اس سے واضح ہو رہا ہے کہ قبر مبارک میں جب المیہ سے متعلق روح کے محفوظ و محفوظ رہے اور جب المیہ روح کے تلبس و اتصال کی وجہ سے قبر مبارک کو فضیلت حاصل ہوئی ہے، غرض بالذات صرف بے جان جب المیہ کی وجہ سے قبر مبارک کو یہ فضیلت ہو گئی ہو کہ حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشری فرماتے ہیں۔

ان کثیرین من الاعمال قد ثبتت فی القیود کالافان والاقامة عند الدارمی وقراءۃ القرآن عند الترمذی ۶۱۔

بہت سے اعمال قبر شریف میں بھی ثابت ہیں جیسے داری کی روایت سے اذان و اقامت اور ترمذی شریف کی روایت سے تلاوت قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔

(رفیق الباری جلد ۱ ص ۱۲۳)

و لعل العباد یحذیث الانیاء اعیاء فی قبورهم یصلون انہم یقتوا علی هذه المآلة ولم یطلب عنہم۔

انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازوں میں مشغول ہیں، شاید اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انبیائے کرام اس حالت و اشتغال باعمال طیبہ پر باقی رکھے گئے ہیں، یہ کیفیت ان سے سب نہیں کی گئی۔

(تحریر الاسلام ص ۳۶)

تسوف ف ذکر الحیوة القالیہ لا اصلہا الاواد مع الاجساد فان اجسادہم عرومت علی

یہ احادیث صرف حیات کا بیان نہیں کرتیں بلکہ انہی حیات و زندوں کے لئے کاسن کو بھی ثابت کرتی ہیں یا یہ مراد ہو کہ حیات باہم

الادمنہ۔
رحمۃ الاسلام ص ۳۶

کے ساتھ ہے کیونکہ انبیاء کرام کے اہل و عیال کو
پر حرام کر دیئے گئے ہیں۔
اور ظاہر ہے کہ جن اہل و عیال کو کئی پر حرام کیا گیا ہے وہ یہی اہل و عیال ہیں جنہیں ثابت ہوا
کہ حضرت علامہ محمد نور شاہ کشمیریؒ کے نزدیک نبیہ کرام کی حیات ان کے اہل و عیال کے ساتھ
مع اعمال و افعال کے ثابت ہے، صرف بجا روح کی حیات اور نہیں ہے؟
علامہ شبیر احمد عثمانیؒ شارح مسلم شریف فرماتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
م کما اتقوا وانہ یصلی
فی قبرہ ما ذل انقامۃ
(فتح الملہم ص ۴۰)

اس سے آپ کی اپنی قبر خریفیت میں زندگی
کے انکار کا وہم دیکھا جائے کیونکہ آپ کی
روح مقدس بدن مبارک پر اپنا اثر ڈال
رہی ہے اور اس کی اس پر روشنی پڑ رہی
ہے اور اس کا بدن اطہر کے ساتھ تعلق
کام ہے۔
(فتح الملہم ص ۴۱)

حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اپنے رسالہ ”الشباب الثوب“ میں بھی اور ان کے
فرقہ لا متحید بیان فرماتے ہوئے احکام فرماتے ہیں۔
”بعض اُن کے حضور جسم نبیؐ کے کالی میں مگر ۷ ملازمہ روح“ ص ۱۲۰
اُن کے فرمایا کرتے ہیں ”اب غور فرمائیے کہ ان کے رسائل اور امتحانات بالکل اس کے
مخالف ہیں۔“ ص ۱۲۵۔

(۲)۔ اپنی خود نوشت سوانح میں حضرت مدنیؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ
”وہ مختار و اقوال جو طائفہ و ابیہ کے مشہور اور جامع الاقتدار زمین اہل السنۃ و جمیع میں اس کے

خلاف ان حضرات کی تصانیف جاری ہوئی ہیں اور یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارہ میں تصنیف (یا کر شائع کر چکے ہیں، رسالہ "آپ حیات" نہایت مبسوط رسالہ خاص اسی مسئلہ کے لیے لکھا گیا ہے۔) (تفصیل حیات ص ۳۷ جلد ۱)

حضرت مدنی مدس سرہ نے بغیر تعلق روح فقط جسم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے معنوی ہونے کا قائل نبوی فتنے کو قرار دیا ہے اور حضرات اکابر علما نے دلیرانہ کوشش کی کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی اور روح و جسم کے درمیان تعلق کا قائل بن جائے بلکہ ان حضرات کو اس کا ثبوت کرنے والا اور بڑے زور و شور سے اس پر دلائل قائم کرنے والا قرار دیا ہے۔
اب جہلاء روح مبارک اور جسم المہر کے درمیان اس تعلق اور حیات جسمانی کا انکار کر رہے ہیں، دیا اپنے اس انکار پر سکوت کا پردہ ڈالنے کی کوشش میں ہیں، وہ طرز فرمایش کو وہ کس راستے پر کاڑھ رہے ہیں؟

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں۔
"جہود امت کا عقیدہ اس مسئلے میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسدِ صغریٰ کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کی حیات برزخی روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیاتِ دنیوی کے بالکل مماثل ہے۔ محض اس کے کردہ احکام کے منکلف نہیں ہیں۔۔۔۔۔
صرف حیاتِ روحانی کا قائل جہود علما نے امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مذہب نہیں جہودِ اہلسنت والجماعت کے مکمل اتباع ہی کا نام دیوبندیت ہے۔ جو عقیدہ جہودِ اہلسنت کے خلاف ہے وہ دیوبندیت کے بھی خلاف ہے۔"

(اصدیق "مقامِ حمادی الاولیٰ" ص ۷۷)

مقدمہ السلام، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق ہتم دارالعلوم تحریر فرماتے ہیں۔
احقر کو اس مسئلے کے متعلق اس کا شک وہی ہے جو اہلسنت میں بالتفصیل مرقوم ہے یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام جسدِ صغریٰ زندہ ہیں جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلے میں دلیرانہ کوشش کے مکمل سے ہٹے ہوئے ہیں۔ (اصدیق مذکور)

حضرت مولانا مفتی سیّد مہدی حسن صاحب مابین مفتی دارالعلوم دیوبند اور تمام فرماتے ہیں۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نذر مبارک میں بجمہد محمد اور حیات میں آپ کے مزار مبارک
 کے پاس کھڑا ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے
 ہیں۔ (راصدی مذکور)

حضرت مولانا محمد الیس صاحب شیخ الحدیث جابر خرفیہ لاہور فرماتے ہیں۔
 "تمام اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو
 محسوس نہیں ہوتی لیکن جابر حیات حقیقی اور سمائی ہے۔ اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تمام
 مومنین بلکہ ارواح کتہہ کو بھی حاصل ہے۔" (سیرۃ اہلسنت ص ۲۱۲)
 اگے فرماتے ہیں، "غرض یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات سمائی ہے جسے معنی روحانی
 نہیں (ص ۲۱۲)"

اور آگے چل کر تصریح فرماتے ہیں۔
 "یہ تمام امور اس امر کی تفسیر دہلی میں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات سمائی اور ارواح طیبہ
 کا اجسام مبارک سے تعلق قائم ہے۔" (سیرۃ ص ۲۱۲)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب مبارہ پورہ تحریر فرماتے ہیں۔
 "اور اس حدیث پاک میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ درود روح مبارک اور جان مبارک
 دونوں پر پیش ہوتا ہے۔" (تعلیمی نصاب، فضائل درود شریف ص ۲۴)
 حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب حدیث الارواح ص ۱۱۱ دلی روٹی کا مطلب بیان کرتے ہوئے
 لکھتے ہیں۔

"اتحاد سب کے نزدیک علم اور دلائل خیر سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص
 کر سیّد الانبیاء علیہم السلام کو اپنی قبر میں حیات حاصل ہے اس لیے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح
 نہیں ہو سکتا کہ آپ کا جسدِ مطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ
 جواب دہانے کے لیے اس میں روح ڈال دیتا ہے، اس بنا پر اکثر شارحین نے درود کا مطلب
 یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح مبارک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ

کی جمالی اور جلالی تخلیقات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے (اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے) صبرِ یس کوئی انہی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ ایسا براہِ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ کے اذن سے آپ کی روح اس طرف متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں پس اس روحانی توجہ اور التفات کو ردِ روح سے تعبیر فرمایا گیا "معارف الحدیث ص ۱۶۲"

انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات علامہ غائب کے بیانات اور تکلیفینِ اسلام کی تصریحات اس حقیقت پر واضح شہادت ہیں کہ انبیاءِ مطہرینِ اسلام کی حیات برزخیہ کے جہانی اور دنیا والے جسمِ اہم سے قائم ہونے پر تمام اہانت کا اجماع اسلام کے پروردگار سے اور ملتِ اسلام کے مختلف اہل و عیال میں انبیاءِ مطہرینِ اسلام کی حیات فی القبر کا مسئلہ اس کثرت سے بیان ہو رہا تھا اور اتنے شدید و دہ سے سامنے آ رہا ہے کہ ان تمام فتوے کا استقصاء اور تمام دلائل کا احصاء قریب قریب ناممکن ہے۔ بعض ائمہ دین اور اکابر ملت کا اس کو مراعات بیان کرنا اور سوا او اعظم اہانت کے ہر قسمی اور کلامی مسلک کا اس کو تسلیم نہ کرتے تھے آنا اور اس غلط حیات سے کسی کا اختلاف منقول نہ ہونا، حیاتِ الہی صلی اللہ علیہ وسلم کے متفق علیہ اور اجتماعی مسئلہ برسنے کی واضح دلیل ہے، اور قرآن و سنت کے دلائل کے علاوہ خود اہانتِ مسلمہ کا یہ اتقاف اور اجماع بھی اس کے اثبات کے لیے ایک مستقل اور حتمی دلیل کی حیثیت کا حامل ہے۔ یہ بات بھی غور و خفا سے اس لیے کہ اس حیات سے جس پر اہانت کا اجماع ہے، جس روح کی حیات مراد نہیں ہے اگر جس روح کی حیات مراد ہوتی تو حضرت ائیں کی حدیث مذکور میں قبور کا لفظ معاذ اللہ یکساں ہو جاتا ہے اور عباداتِ اکابر میں بھی قبر کے لفظ سے کوئی تشدد حاصل نہ ہوتا۔

اس حدیث شریف اور عباداتِ اکابر سے واضح ہو رہا ہے کہ انبیاءِ مطہرینِ اسلام عموماً اور انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں اور قبور میں حیات کا مفہوم اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ روح مبارک کا جسمِ اہم سے تسکین قائم ہو کر جسمِ اہم میں حیات حاصل ہے۔

”حیاتِ دینی کا مفہوم“

جن ایمان است اور اکابر ملت نے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمِ برزخ میں اس حیات

جہانی کو ”دنوی“ کہا ہے جیسا کہ علامہ نذاریؒ شائع ہوا ہے، علامہ سبکیؒ، علامہ سمہودیؒ وغیرہ اکابر کی عبادت میں اوپر گزرا ہے اور نواب قلعہ الدین صاحبؒ دہلوی شاعر حضرت مولانا شاہ محمد اسلمی دہلویؒ کی عبادت میں ”دنیا کی سی“ کاغزو کو جوڑ دے نیز مسکھائے دیوبند کی اجتماعی دستاویز ”المنہ“ میں بھی ہمیں یہی فکرا دکھ رہا ہے، اس دنوی حیات کا مفہوم صرف یہ ہے کہ عالم برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دہی جبر اقدس فائز الیات ہے جو پہلے اس عالم دنیا میں شمع الیات تھا اور آپ کی روح مبارک کالہب کے دنوی بدن مقدس سے متعلق ہونے کی وجہ سے آپ کے لیے علم وسیع اور اوراد کثرت بھی ثابت ہیں۔

حضرت اکابر رحمہ اللہ کے نزدیک حیات دنوی کا یہ مفہوم ہرگز ملا نہیں ہے کہ عالم دنیا کی حیات کے جیسے لازم آپ کے لیے وہاں ثابت ہیں اور عالم برزخ کی یہ حیات تمام اس کام میں حیات دنوی کی طرح ہے، وقتا مہلتا کی عبادت میں اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے اور عبادت ذیل کے ملاحظہ کیجیے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے۔

علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں۔

ولا یلزم من کونہا حیوۃ حقیقۃ	اس کے حیات حقیقی ہونے سے ضرور لازم نہیں
ان یحیون الابدان کساکات	ہاں کہ وہاں بھی اجنان اسی طرح کھاسنے پینے
فالدنیا من الاحتیاج الی	کے محتاج ہیں جبرج کر اس دنیا میں تھے۔
اطعام والشرب..... واما	اوراد کثرت شفا علم وسماج قرآن کے
الادلکات کا العلم والسماج فلو شک	ثبوت میں کوئی شبہ نہیں ہے
فیہ ان قلت ثابیت	(شفاہ السقام ص ۳۲)

حضرت مولانا محمد قاسمؒ، نذری قدس سرہ نے بھی اس حیات دنوی کا مفہوم اور اس کی حدود و تحدد

یہی بیان فرمائی ہیں کہ

انجا بطیم السلام کہ ان ہی اجسام دنوی کے متعلق کے اعتبار سے مذہب کہنا ہیں، طائف کا شجر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحبؒ بھی اس طرح اتمام فرماتے ہیں۔

”ادعای اختیار کہ جن کے ساتھ حق و ستر رہتا ہے مگر اطراف و جوانب سے مست کئی ہے۔“

اس لیے حیاتِ جہانی کو نسبت سابق سے اسی طرح قوت ہو جاتی ہے جیسے غرت مذکور کے دیکھ دینے کے بعد چراغ کے شعور میں نورانیت ڈر رہ جاتی ہے اور کشتہ میں ایسا ہوتا ہے جیسے فرغ کو کہ چراغ ٹٹھکنے لگے اور گل ہو جائے کو ہر بہر حال اندراج دنیا کا کام کہ نہ تھوڑا پنے اہل کے ساتھ متفق رہتا ہے، بلکہ کیفیت حیات میں اہم اجتماع اور اسی قوت آجائی ہے اور شکل پہلے غلت غلط حیات و صورت دونوں جتنے ہو جاتے ہیں۔

(اصول التعلیم جلد ۲ ص ۱۳۷)

معلوم ہو کہ جس طرح دنیا میں اجسام مادہ فزیک کے نتائج ہوتے ہیں قہر مہار کہ میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو اس عالم دنیا کی خوراک کی حاجت نہیں ہوتی البتہ قہر مہار کہ میں دنیوی حیات کی طرح ان حضرات کو ایک عالم دشمن حاصل ہوتا ہے اور انہی اہم امور کی وجہ سے اس حیات کو دنیوی اور جہانی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اب تکب العربین صاحب نے مظاہر حق میں اور ملائے دیوبند نے اپنی مکی دستاویز "الہندہ" میں دنیا کی ہی کا بڑا اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے تحریر کیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ حیات من کل الوجہ دنیوی نہیں ہے بلکہ اور ایک عالم دشمن و ظہر و بین و وجہ سے یہ حیات دنیا کی ہی ہے۔

باقی رہا یہ کہ اشرف الاشبہ ثابت و معلوم کے قاعدہ کی رو سے دنیوی حیات کے تمام لازم اس عالم ہند کی حیات پر کیوں مرتب نہیں ہوتے؟

قول قرآن کی وجہ ہے کہ یہ حیات من کل الوجہ حیات نہیں ہے تو اس پر من کل الوجہ حیات کے لازم کیسے مرتب ہو سکتے ہیں؟ جب یہ حیات فی البدیہہ قرآن کے لازم بھی فی البدیہہ ثابت ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ اعلیٰ حیات اور وطن بدل گیا ہے، پہلے عالم دنیا اور اس وطن میں حیات حاصل تھی۔

اب عالم ہند اور دوسرے وطن میں حیات حاصل ہے اس لیے عالم کے بدلنے سے لازم کا اشتداد کم آگیا جیسا کہ حضرت مثنیٰ علیہ السلام اسکاں پر اسی دنیوی حیات حقیقی جہانی کے ساتھ زندہ ہیں مگر ان کی اس وقت کی آسمانی حیات جہانی سے، حیات جہدی دنیوی کے لازم، طعام، شراب کی استیلاج دنیوی وطن اعلیٰ عالم کے بدلنے کی وجہ سے، باطنی متفق ہیں۔

حضرت قہر و صاحب فرماتے ہیں۔

برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از مومن برزخ صغریٰ ایک جہت سے مومن دنیوی بھی کہلا
 دنیوی است گنجائش ترقی وار و سکتا ہے اور اس اعتبار اس برزخی حالت میں
 اصول این مومن نظر اشخاص متفاوت بھی ترقی کی گنجائش ہے اس مومن کے حالات
 تفاوت فاحش دارد لایسا دیکھو فقط اگر ان کے حالات کے مناسب فقط
 فی اختیار رشیدہ باشند ہر شخص میں ایسا اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں
 (مکرات ص ۱۱۴) یہ حدیث آپ نے سنی ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ برزخی زندگی کے ان افعال میں بھی ترقی کرنے اور قرب الہی میں بڑھتے چلے جانے
 کی گنجائش ہے اور اس جہت سے اسے اس مومن کو دنیوی بھی کہا اور کہا سکتا ہے۔
 تغیر قرطبی سے بھی اس طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔
 قرطبی میں ہے۔

والحیاء الخ تکون فی القبر وہ زندگی جو قبر میں ہوتی ہے اس تاویل کی رد
 علیٰ هذا التاویل فی حکم حیاء سے وہ دنیوی زندگی کے کم میں ہے۔
 الدنیا (قرطبی ص ۱۱۴)

غرض کہ عالم برزخ کو ایک جہت سے عالم دنیا سے قطع ہے اور ایک جہت سے عالم آخرت کے ماحق
 بھی اس کو قطع ہے اسی لیے اس میں حاصل ہونے والی ریاضات بھی من و دہ دنیوی اور من و دہ اخروی ہوتی
 ہے۔ اس لیے کہ جب طرفین عالم کے لیے درجہ ہیں دنیوی اور اخروی، حاصل ہیں آزمائش ہے کہ
 مخلوق میں ریاضات کے لیے بھی ملاقات ظرفیت کی وجہ سے یہ دونوں جہتیں دنیوی اور اخروی، حاصل ہوتا ہے
 ایک جہت سے ریاضات، دنیوی اور دوسری جہت سے اخروی کہلاتی ہے۔

نومر یہ ہے کہ ایسا طبعیہ عام کو عالم برزخ میں جو زندگی حاصل ہے، اطلاع اس کے کوہ عالم من
 و دہ دنیوی اور من و دہ اخروی ہے اور اس لیے وہ ان کی زندگی من و دہ دنیوی اور من و دہ اخروی ہے۔
 باعتبار اہل ان کے بھی وہ زندگی دنیوی ہے۔ نیز علم و شعور و طبع و ادراکات میں بھی وہ زندگی دنیوی زندگی کی
 طرف ہے، مگر اس کا یہ مطلب بگڑ نہیں ہے کہ ہر جہت سے یہ زندگی دنیوی ہے اور دنیوی زندگی کے
 تمام لوازم اس زندگی کے لیے ثابت ہیں۔

مرور نامعلوم نہائی اپنے معنوں "مسئلہ حیات الہی علی اللہ علیہ وسلم میں سمجھتے ہیں۔

"ان معضلات کی ایسی عبارت کا یہ مطلب قرار دینا کہ انبیاء علیہم السلام پر موت وارد نہیں ہوئی اور ان کو اپنی قبروں میں جیسے دنیا والی حیات حاصل ہے، ایسا سمجھنے والوں کی خوش فہمی کے علاوہ ان بزرگوں پر ہمت بھی ہے اسی طرح ہمارے بزرگوں کی تقریروں میں مثلاً "الغیبتات" میں انبیاء علیہم السلام کی قبر والی حیات کو "میرۃ دنیویہ" کہا گیا ہے، تو اسکا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے اسکا مطلب تو صرف یہ ہے کہ وہ حیات دنیا کی ہی ہے یعنی حق البطل ہے موت بردہائی نہیں ہے جو تمام مومنین کو بھی حاصل ہے جن کے اجسام مٹی پر چکے ہیں۔ "الغیبتات" کے ارشاد ترجمہ ہی میں غور کرنے سے یہ مطلب خود واضح ہو جاتا ہے، علاوہ انہی ہی ہزاروں کی ایسی عبارتوں کا یہ مطلب بیان کرنا اور ان کا یہ مسلک بتانا کہ انبیاء علیہم السلام پر موت وارد ہی نہیں ہوئی اور قبروں میں وہ جیسے دنیا والی، سوتلی حیات کے ساتھ موجود ہیں، مریحان پر ہے الام نکاہ ہے کہ اس مسئلہ میں ان کی رائے قرآن و حدیث کے مروجہ اصول و فرائض اور اجماع صحابہ اور اجماع امت کے خلاف ہے، میں نہیں یقین کرتا کہ ہمارے علماء میں سے کسی نے ایسی لغو بات کہی ہو۔ سبحانک هذا بفتان عظیم؟

(ماہنامہ تعلیم النعمان، ص ۱۲ مارچ ۱۹۵۷ء)

چونکہ عالم ہند کی یہ زندگی کسی جہت سے دنیوی اور کسی جہت سے اخروی ہوتی ہے، اس لیے اگر کوئی کسی مہلت سے اس زندگی کے، سوتلی یا عالمی حیات دنیا بہنے کی فہمی ہوتی ہو، تو اس سے اچھی مزاد بھی ہوگی کہ یہ زندگی دنیویہ معنی اور تمام انعام میں انعام دنیا کے کاٹل نہیں ہے، اس طرح تمام جہانگیریں طبیعی حاصل ہو سکتی ہے، خواہ خود مہلت میں قادیان پیدا کرتے رہنا اور ایک مہلت کو دوسری مہلت سے ٹھکراتے چلے جائیں تو ملک کی بات نہیں ہے۔

مسئلہ سماع انبیاء علیہم السلام عند القبر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر پر تمام اہلسنت والجماعت کا اتفاق اور اجماع ہے اور اہلسنت میں کوئی سبب شخص ایسا نہیں گزرا جو یہ کہتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر سوتلی و سلام کا سماع

نہیں دیتے۔

ابن عربین لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم برزخ کی اس زندگی کا اس طرح تصور قائم کیا ہے، کہ فرشتہ ہائے جسم القدس قبر اطہر میں بیٹھے جس وجہ سے شہرِ نبوت کو محفوظ رکھتے ہیں، اور ان لوگوں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کے ساتھ ساتھ حضرت خضرؑ کو بھی نکاح کر دیا ہے، حالانکہ شیعہ حدیث خطہ اجماع و انبیاء علیہم السلام سے جس طرح انبیاء علیہم السلام کے اہلِ مبارک کا تصور اور عرضِ صلوات کی کیفیت کا بیان مفقود ہے، اسی طرح اس حدیث سے ایسی حیاتِ جہانِ کائنات بھی برہنہ ہے جس سے انکی توجہ مبارک پر عرض کیے گئے صلوات و سلام کو درہمِ نفیس خود ساختہ فرما بیٹھتے ہیں، بیچارہ حضرت علامہ قادریؒ نے فرمایا ہے۔

تجمع الجواب ان الانبياء	حاصل جواب ہے کہ بے شک انبیاء کرام
فی قبورهم فيمكن لهم سماع صلوة	اپنی اپنی قبروں میں اس طرح زندہ ہوتے ہیں
من صلح عليهم	کہ جو ان پر صلوات و سلام پڑھے اے وہ خود
(مرقات ج ۲)	من مکتبہ میں لکھتے ہیں۔

اس لیے کہ جسے اللہ تعالیٰ شہر و دارِ ملک اور صانعِ صلوات و سلام کی قوت کے حامل ہر شخص پر فیض ہے جس وجہ سے شہرِ نبوت کے محفوظ رہنے کی خبر دینے کے ساتھ ساتھ کرام کے سوال کی صورت میں صلوات و احیاء دے دے۔ اہلِ جواب کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا، اس لیے اجماع و تصدیق و تائید و تسلیم کرنا اور اس میں بیاض اور صاف صلوات و سلام کی قوت اور شہر و دارِ ملک کا نکاح کرنا، جواب ٹھیک کو سوال کے غیر مطابق قرار دے کر حل و جواب میں ہے یہ دینی اور دلام مطابقت پیدا کرنے کے ضرورت ہے۔

علامہ سبزوئیؒ فرماتے ہیں۔

وعلى هذا فنقولهم وقد اذنت كتابية	صالح کا وقت اور صحت، کہاں صحت سے کہا
عن الصوت والجلاب بقوله صلى الله	ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے
عليه وسلم ان الله عز وجل	جلاب میں بروشاؤں پر ان کا تذکرہ تعالیٰ نے زمین
من يكون الاتياد احياء	پر حرام کر دیا کہ چنچروں کے جسم کو کھائے،
قبورهم	یہ سنا کہ ہے کہ انبیاء کرام اپنی اپنی قبر پر
(ما شہ فیہ ص ۱۱۱)	میں زندہ ہوتے ہیں۔

علامہ سندھی کے افشاء سے واضح ہوگئی کہ میں لوگوں نے اسی اللہ خرم اللہ کو معرفتِ قدومت کے ظاہر کا جواب
 قرار دیا ہے وہ منشاءِ حدیث کا کچھ نہ ہے قاصر رہے ہیں، کیجئے علامہ سندھی کے ارشاد مذکور پر قدومتِ موت
 کے لئے وہ ان اللہ خرم اللہ حیات فی القبر سے کنا یہ قرار پاتا ہے۔ اگر مصلحہ کلام کے سوال کا ماحصل یہ ہوا کہ آپ کی وفات
 کے بعد جہاد و قہر و شریف آپ پر کس طرح عرض کیا جائے گا؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا ماحصل وہ
 ہوا جس کا ذکر علامہ قادریؒ کی "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" کے حوالہ سے اوپر گزرا، انبیاء علیہم السلام کی قبر میں اس طرح کی
 زندگی ہوتی ہے جس سے وہ صلوٰۃ و سلام کو سن سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سوال کے جواب میں امجاد و مشائخ کے
 اس طرح گفتگو کرنے کی خبر دینا، اگر ان میں عرضِ صلوٰۃ و سلام کی صلاحیت بھی نہ ہو اور (خود جنت) وہ جے جس
 وجہ سے خود جہاد و جنت ہوں، کیسے درست ہو سکتا ہے اور یہ اس سوال کا جواب کیسے بن سکتا ہے؟

ایسے لازماً مستند حدیثِ لغویات، امجاد و مشائخ کی خبر دینے کے ساتھ ان امجاد و مشائخ میں ایسی بات
 کا افشاء بھی ہے جس سے صریح صلوٰۃ و سلام کا شعور و سماع بھی ہوتا ہو۔
 اس طرح یہ حدیث حنفیہ امجاد بھی وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام پر عرضِ صلوٰۃ کے ساتھ ان
 کے سماع کی بھی دلیل ہے۔

دوسری حدیث

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص
 میری قبر کے پاس سے گزرے وہ میری قبر پر دو نیچے گا تو
 اُس کے دُعاؤں کو میں خود سنوں گا اور جو شخص
 مجھ پر دُعا سے دُعا دے گا تو اس کا اللہ اللہ
 جو کس پہنچا یا جائے گا۔ (کاغذِ سیاحین
 پہنچا نہیں گئے)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ
 قال من صلی علی عند قبری
 سمعہ ومن صلی علی ثانی البقیۃ
 دعاء البقیۃ فی شعبۃ ۹: بیانِ دین
 جہان فی کتاب الاحوال
 پسندِ جمید۔

(مشکوٰۃ اور مشتملہات ص ۱)

خدا میں حدیث نے اس سورت سے باہر راست اور صحیحی ٹراوا لیا ہے، علامہ علی کا یہی فرماتے ہیں۔

من صلی علی عند قبری سمعہ
 جو شخص میری قبر کے پاس سے گزرے گا تو

اس معاملہ حقیقی یا بلا واسطہ
(مرکبات جلد ۱ ص ۵۴) نیز واسطہ کے ساتھ ہر گز۔

اس حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں اس پر صاف طور پر دلالت ہے کہ درمیان میں آپ کو روئے و سام کا صلہ ہر گز ہے، اور اس کو آپ قریب سے بلا واسطہ خود سماعت فرماتے ہیں، اہل بیتؑ سے بڑھ کر اور روئے و سام کے ذریعہ آپ کو روئے و سام میں پہنچایا جاتا ہے۔

اس حدیث کی ابو الشیخ دالی سند کے متعلق علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: رواہ ابو الشیخ ابن عبد حمیدؒ انکو ابو الشیخ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے: (فتح الباری ص ۲۱۱ جلد ۶)
اس حدیث کی ابو الشیخ دالی سند ہے۔

”ما نقلہ ابو الشیخ اصحابہ نے فرماتے ہیں، ہم سے مہدیؑ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے الحسن بن محمدؒ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عائشہؓ نے بیان کیا، وہ ایروصلیٰؑ سے، اور وہ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ

”من صلی علی عند قبوی صحبتہ

ومن صلی علی من بیعد علقتہ۔“

نحوہ انشاء ملاحظہ ابن القیم ص ۱۰۱ و قال غریب ج ۱۰ دار التکون الصدور ص ۳۱۱ و ص ۳۱۲ اس سند کے تمام راوی ثقہ اور معزز ہیں، ان راویوں کی تعبیل و توشیح کی مکمل اور تفصیلی تحقیق کے لیے تکیہ الصدۃ کے مذکورہ صفحات دیکھ جائیں۔ ابابکرؓ کے نزدیک اس حدیث کی پر سند صحیح اور صحیح ہے علامہ ابن حجرؒ نے اس سند پر حید ہرگز کا حکم لگایا ہے جیسا کہ نوادر چکھتے ہیں۔

اسی طرح علامہ بخاریؒ نے ائمہ علیہ السلام پر اور علامہ ابن ماجہؒ نے سمرقانیہ ص ۱۰۱ پر اور علامہ مسلمؒ نے فتح الباری ص ۲۱۱ پر اس کی سند کو حید قرار دیا ہے، بعض محدثین کے نزدیک ترمذی اور صحیح میں کچھ فرق نہیں ہر گز صحیح کو حید کہتے ہیں جیسا کہ علامہ بخاریؒ فرماتے ہیں۔

امام ابن ماجہ اور صحیح کو ایک ہی قرار

دیتے ہیں اور اس لیے بخاریؒ نے یہ نقل کرنے

ابن ابی العاصم و عبد الستویہ

بین البیہد والمصحح ولذا اقال

البلقیض بعد ان نقل ذلك من ذلك
يعلم ان الجريدة تصير مدائن العترة
کے بعد کہا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ اس
کی تعمیر جودہ سے کی جا سکتی ہے۔

(تدریب الراوی جلد ۱ ص ۲۰۵)

اور جن حضرات نے صحیح اور بیحد میں فرق طرز رکھا ہے ان کے نزدیک یہی حد کو حسن لذات سے
اوپر یا مقام حاصل ہے، اور جمہور محدثین کے نزدیک حسن ہی حجت اور قابل استدلال ہے تو پھر جمہور جس کا
مترتبہ حسن سے بھی اوپر ہے وہ بدرجہ اولیٰ حجت اور قابل استدلال ہوگی۔

غرضیکہ حدیث مذکور کی بلا شیخ والی سند کا قابل اعتبار اور لائق استناد ہونا محدثین کرام اور ابن حجر
جیسے امام جرح و تصدیق کی تحریرات سے ثابت ہو چکا ہے، اور بلا شیخ کی اسی سند سے اُمت کا
استدلال ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے اس کے مطابق اس حدیث کی جس سند میں عمر بن مروان صدی ثانی ہجری
آیا ہے اس محدثین مروان صدی والی ثبوت سند کے جمہور کا استدلال نہیں ہے۔

امام سیوطیؒ نے اپنے رسالہ "بیات الانبیاء" میں اس روایت کا سلسلہ استاد اس طرح بیان کیا ہے:

ابو صالح بن محمد بن قسری	خبر دی ہے کہ محمد بن علی بن محمد بن قسری نے خبر
ابن ابی جعفر الرازی ثنائی جیسی جت	دی ابو حمزہ راوی نے حدیث بیان کی جیسی
عبد اللہ الطیالسی ثنائی علاء جت	بن عبد اللہ الطیالسی نے بیان کیا علاء بن
عمر و الحسن ثنائی ابو عبد الرحمن بن	عمر و الحسن نے بیان کیا ابو عبد الرحمن نے
ابو عیسیٰ بن داؤد بن صالح بن ابی ہریرہ	اعمال سے انہوں نے ابن صالح سے انہوں
عن الثعلبی عن	نے ابو ہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے
عن من خلف	نمایا جس شخص نے میری قبر کے پاس سے حجر
ومن خلف	پروردہ سے درود و تحارود پر کہ پڑھا یا تھا ہے

اس سند میں ابو عبد الرحمن راوی کون ہے؟ اس کا نام اور ولایت یہاں مذکور نہیں، امام سیوطیؒ نے
لے لے کر وہ محدث مروان صدی صغیر ہے، حافظ ذہبیؒ نے بھی میرزاں الاستدلال میں صدی کے ترجمہ میں
حدیث مذکور نقل کرنے میں یہی نام لکھا ہے۔ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں۔

ابو عبد الرحمن هذا هو محمد بن مروان

اسدی فیما باری ولیہ نظیر (حیات النبیاء ص ۱۵۸)

امام بیہقیؒ کی رائے میں یہ مادی سدی صغیر ہے جو کہ مجروح مادی ہے، مگر اس کے باوجود وہ اس حدیث کو ساتھ اعتبار قرار نہیں دیتے بلکہ اس سے پہلے ذکر کردہ روایات کو اس کی تائید قرار دے کر اس کو قبول کر رہے ہیں، یہاں کہ وہ تصریح کر کے یہ متحمل ہی "وقد مضی ما یوحی" اس حدیث کے متحمل کی تائید و تقویت گذشتہ احادیث سے ہوتی ہے۔ زمانے سے واضح ہے۔

کلام بیہقیؒ کے خلاف گھجور مادی عقیدہ ہے قرآن و روایت متبادل ہے متروک نہیں ہے۔ امام بیہقیؒ کی نظروں میں تو قرآن و روایت کا اور اس کی تائید کے بیان کرنے اور اس روایت کے قبول کرنے سے صرف تفرق، علوم صحیح کی کوئی قسم ہے؟

غیر اس حدیث کے مطابق تمام امت کا اجماعی عقیدہ اور عمل اور امت کی توفیق و قبول ہی اس حدیث کی صحت پر شاہ عدل ہے۔

علامہ مطاہریؒ صالح الخیرانیؒ مانظروں حرم انطاہری کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

امام احمد حدیث مرسل اوف	اور جب کوئی مرسل حدیث ہو یا کوئی ایسی
احدنا کلیہ ضعف فوجدنا ذلك	حدیث جس کے کسی مادی میں ضعف ہو
الحدیث، یجمعا علی اخذہ و یقول	اور ہم یہ دیکھیں کہ سب لوگ اس پر اجماع
بہ علمنا یقیناً انہ حدیث صحیح	ہے اور سب اس کے قائل ہیں تو یقیناً ہم
لا شک فیہ۔	یہ جہاں میں گئے کہ وہ حدیث صحیح ہے اور اس میں

(توجیر النظر ص ۱۵۸) کوئی شک نہیں ہے۔

اسیے اس حدیث کی دوسری سند میں محمد بن مروان سدی کے آنے سے امت کا اجماعی عقیدہ اور عمل متاثر نہیں ہوا کیونکہ امت کے عقیدہ اور عمل کی بنیاد اس حدیث کی اہل بیتؑ والی جید سند اور دوسری احادیث متفقہ علیہا و انبیاء و غیرہ پر استوار ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے جو اس حدیث کے بارے میں "غریب قلعہ" کہا ہے تو یہ حدیث کے صحیح ہونے کے خلاف نہیں ہے کیونکہ بخاری اور مسلم میں متعدد روایتیں اس لحاظ سے غریب ہیں کہ ان میں کہیں مادی عقیدہ ہوتا ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ضعیف ہیں اور صحیح نہیں ہیں اور ترقی شریعت میں کوئی جگہ آتا ہے

من مسجد غریب اگر عزیمت صحت کے منافی ہوئی تو من اور مسجد یکساں ہو کر جمع دہوتی۔
 بیٹے عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں۔

ان الترابیة لا تتناف
 الصلوة ویجوز ان یحکون
 البعد یثابھما غریباً
 بلا شک عزیمت صحت کے منافی نہیں
 ہے اور جائز ہے کہ حدیث مسجد غریب پر
 (مقدمہ مشکوٰۃ ص ۷)

غرضیکہ عزیمت کی وجہ سے اس مسجد حدیث کو رد کر دینا کسی طرح درست نہیں ہے
 علامہ ابن تیمیہ جیسے حضرات جو شرک و بدعات کے مسائل میں بڑے حساس واقع ہوتے ہیں بلکہ ان
 کی اس نزاکت حس نے انکو بعض امور میں سخت گیری اور تشدد کی حد تک پہنچا دیا ہے، اگر کسی بات سے
 انکو شرک کا ادنیٰ ترین وہم بھی پیدا ہوتا نظر آتا ہو، تو وہ اسکا ستویاب نہایت سختی سے کرتے ہیں، انکے
 باوجود بھی انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جامع عند القبر میں انت کے اجماعی ملک کیا تھیں۔ چنانچہ
 فرماتے ہیں۔

فاخبرانی یسبح الملوک والاسلام
 من القریب وانہ یبلغ ذلک من
 البعد (رسائل ابن تیمیہ ص ۳۸)
 آپ نے فرمایا کہ قریب سے پڑھے ہوئے
 صلوٰۃ و سلام کو خود لکھتے ہیں اور دور سے
 پڑھا ہو کر پہنچا دیتا ہے۔

اسی طرح علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد علامہ ابن قیم فرماتے ہیں

ومع هذا قلنا اشرف علی البدن
 واشراق وقلوب بعد بحیث
 یرد السلام علی من سلم علیہ
 (ازاد العاد ص ۳۹)
 مع تمام بدن مبارک پر اسکا پرتو اور روشنی
 پڑتی ہے اور اسکا بدن سے اس انوار سے
 عشق ہے کہ آپ سلام کہنے والے کے سلام
 کا جواب دیتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

قد دعی ابن شیبہ والدارقطنی
 عند من سلم علی عند قبر ہی
 سمعته ومن سلم علی ثانیاً
 ابن ابی شیبہ ودارقطنی نے انحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے
 دوا بار میں نے حجر پر میری قبر کے پاس

ابنتہ وقف استقام لین لکن لہ
شواہد ثابتہ فان ابلاغ
المسلۃ والسلام علیہ من
البعید قد رواہ اعل السنن
من غیر وجہ ۱۱
(فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۲۱۲)

مسئلۃ وسلام کہا تو میں خود سناتا ہوں اور جس
نے دھڑ سے پڑھا تو وہ پہنچایا جا رہے
اس کی سند میں نرمی ہے لیکن اس کے
کئی شرابہ ثابت ہیں چرخہ دور سے آپ کو
مسئلۃ وسلام پہنچانے کی روایت متعدد
طریق سے اہل اسنن نے بیان کی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک اگرچہ یہ روایت سند کے لحاظ سے کمزور ہے مگر چونکہ اس کی تائید دوسری
روایات اور شرابہ ثابت سے ہو رہی ہے اس لیے علامہ کے نزدیک بھی یہ روایت قابل اعتبار ہے۔
علامہ ابن تیمیہ کے ایک اور شاگرد علامہ ابن عبدالباقیؒ اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
نا ما ذلک الحدیث وان کان
معنا صحیحاً فاستادہ لا یجی
بہ اقابحت معنا یا احادیث
اخرۃ (السلام النکی ص ۱۳۱)

اس حدیث کے اگرچہ معنی صحیح ہیں لیکن اس
کی سند قابل احتجاج نہیں بلکہ اس کے معنی
دوسری روایت کی روشنی میں ثابت
ہیں۔

علامہ ابن عبدالباقیؒ بھی اس حدیث کو دوسری احادیث کی روشنی میں معنی کے لحاظ سے صحیح کہتے
اور یہ کہہ کر تھکتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

وہو مسلم اللہ علیہ وسلم
یسبح السلام من القیور ویتلغہ
الملا شکہ المسلمۃ والسلام من
آخفت علی قندیلہ ولم قبر کے پاس سے
سلام خود سنتے اور دور سے فرشتے آپ کو
مسئلۃ وسلام پہنچاتے ہیں۔

پسند - ص ۲۱۲

علامہ ابن عبدالباقیؒ فرماتے ہیں کہ آپ قبر کے پاس سے مسئلۃ وسلام صرف سنتے ہی
نہیں بلکہ جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں۔
لکھتے ہیں

واما من سلم علیہ عند قبرہ
قبر کے پاس سے جس نے آپ پر سلام کہا۔

فانه بعد عليه وذالك كالسلام
 على سائر المؤمنين ليس من
 قرآپ اس کا جواب دیتے ہیں اور یہ لیا
 ہی ہے جس کا سب نو مین سلام کا جواب
 دیتے ہیں یہ صرف آپ کی خصوصیت
 خصائصہ۔

(الصارم ص ۱۳)

اردن انبیاء علیہم السلام کا مستتر رفیع اعلیٰ اور اعلیٰ علیین بتاتے ہوئے علامہ ابن قیمؒ نے اس اور پر
 کی عبارت میں اردن طیبہ کا قبول میں لدی مبارک سے ایسا اتصال اور تعلق تسلیم فرمایا ہے جس کی وجہ سے
 اسی حیات آپؐ کو حاصل ہے کہ آپؐ سلام کہنے والوں کا سلام بنفس نفیس خود سنتے اور اس کا جواب دیتے
 فرماتے ہیں۔

حضرت علامہ شیزہ احمد عثمانیؒ نے اس متنی ابتداء کو کہ جب نوح مبارک اعلیٰ علیین میں ہے تو پھر
 قبر نبوک میں نوح مبارک کے اتصال سے جسم الطہر میں حیات کیسے حاصل ہوتی ہے؟ سورج کی مثال
 دے کر اس طرح رفع فرمایا ہے۔

ومن كثفت ادراكه وفطنت طباعه
 عن هذا الادراك فليظن ان
 الشمس في حلو ومحلها وتلقاها
 وتاثيرها في الارض وميتا
 الحيوان والنبات بها
 (فتح الملم ج ۲ ص ۴۲)

اور جس شخص کا ادراک کثیف اور اس کی
 طبیعت اس کے سمجھنے سے متبعین ہو کر
 اسے سورج کی طرف دیکھنا پائے کر وہ
 کہتے بلند سام پر ہے لیکن سب کے تعلق
 اور تاثیر زمین پر ظاہر ہے اور نباتات و حیوان
 کی حیات اور نشو و نما وابستہ ہے۔

اگر سورج اس رفعت و بلندی کے باوجود زمین اور اس کے اجزاء پر اثر انداز ہے اور عالم اسباب
 میں نباتات وغیرہ کی نشو و نما لازمی بن رہا ہے اور محمدؐ کی روشنی زمین پر اثر انداز ہو سکتی ہے تو سورج مبارک
 کے قبر شریف میں جسم الطہر پر فیضانِ حیات میں کیا استبعاد ہو جائے؟
 اس طرح کی عبارات سے اس نظریہ کی توثیق بھی ہر جاتی ہے کہ

”اردن مبارک کو انکے اہل طہرہ سے تعلق، اشرف و اشرق، تو ہے مگر تعلق اتصال ابیان طہرہ
 میں اضافہ حیات کے لیے نہیں ہے اور نہ اس اتصال کے سبب ابیان طہرہ فائز الحیات ہوتے ہیں۔“

کیونکہ اس تعلق و اتصال کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کا اپنی اپنی قبور شریفہ میں نماز پڑھنا اور سلام کا جواب عنایت فرمانا اس کی واضح دلیل ہے کہ یہ تعلق و اتصال ابدی ہے نہ کہ میں ایسی حالت کے فیضان کے لیے ہے جس سے اغفال مذکورہ صادر ہو سکیں۔

اور ان ہی عبارات سے یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ اتصال و تعلق کی یہ کیفیت دائمی طور پر ہمیشہ کے لیے ثابت ہے جیسا کہ ائمہ اشرف علی اکہدین و اشرف و تعلق ہر کے مدار میں ہونے سے واضح ہے ہر حرکت استمرار و دوام پر دلالت کرتا ہے۔

جب یہ کیفیت دائمی اور ہمہ وقتی ہے تو روزِ مبارک پر سلام عرض کرنے والے کے سلام کا سلام اور اس کا جواب فرستنا بھی دائمی طور پر ہی ثابت ہو گا اور یہی تمام ابراہیم و یونس و عیسیٰ علیہم السلام کا تعلق ہے قلب اللہ شاد حضرت مولانا رشید احمد گلگڑی فرماتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کو اس درجے سے مستثنیٰ کیا ہے کہ ان کے سلام (سننے) میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔
(فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۷۷)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری شارح البرادۃ فرماتے ہیں۔

والا فہی وانما تعرض علیہ فی سبیلہ	وردہ تو فرشتہ کے واسطے سے آپ پر ہمیشہ
الصلوات الا عند روضۃ فیسمعھا	وردہ شریف پیش کیا جاتا ہے لیکن روزِ
بمقدورہ بذل المجرود ص ۲۹	مقدورہ کے پاس حاضر ہی کے وقت خود

سننے میں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اہتمام فرماتے ہیں۔

”سلام شفا نزدیک سے خود اور دُور سے جبریلہ ملائکہ، اور سلام کا ہر اسم و نیا یہ دائرہ ثابت ہے۔“ (نظر الطیب ص ۲۹)

حضرت گلگڑی کی کوہِ کی عبارت سے واضح ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے سلام عبد القبر میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر سب کا اتفاق اور اجماع ہے۔ اور حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری اور حضرت حکیم الامت تھانوی، ان حضرات علیہ علیہم السلام کے لیے عرض اور سلام عبد القبر کا ثبوت دائمی طور پر تسلیم کر رہے ہیں۔

تیسری حدیث

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یوسف بن حبیہ ابن مریم حکما	ابو عمرو بن علی ابن مریم علیہا السلام نازل
امامنا مستطاد لیس لکن فیہا حلیا او	ہوں گے منصف اور امام عادل ہونگے
مستمر لیساتین قبری حقی	اور لاغی (مجید الامام) کے ہاتھ پر سج یا غزو
یسلم علی ولادہ علیہ	کے لیے آئیں گے اور یقیناً وہ میری قبر پر
(الہامیہ المغنیہ جلد ۲ ص ۱۲۴)	آئیں گے یہاں تک کہ انہیں سلام کریں
	گے اور میں ان کے سلام کا متردد جواب

نزل کا، نکال دیج

اس حدیث میں تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کے سلام کا جواب رحمت فرمائیں گے اور ظاہر ہے کہ سلام کے بغیر جواب کی کوئی صورت ممکن نہیں اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے فرماتے ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے اسکا انکار صحیح حدیث کا انکار ہے اور پہلے گذر چکا ہے کہ عرفی صلوٰۃ و سلام اور اس کا جواب آپ کی ذات گرامی سے دیتے ہیں جو جسم بن نہیں کا نام ہے، صرف جسم و متواضع کا یہ کام نہیں

حضرت علی علیہ السلام کے سلام کو خصوصیت اور اعجاز پر ہی عمل نہیں کیا جاسکتا اقل کو پہلی حدیثوں کی روشنی میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر پر سلام کا سلام فرماتے اور جواب دیتے ہیں، دوسرے خصوصیت کا ثبوت بغیر کسی دلیل کے نہیں ہو سکتا مگر کسی کو اسکا دعویٰ ہر قوت اس کی دلیل پیش کرے! بغیر دلیل کے دعویٰ غیر سمجھتا ہے۔ پہلا عباد کے طور پر سلام سننے اور اس کا جواب عطا فرمانے میں سوال یہ ہے کہ یہ اعجاز کس کی طرف ہے؟ اگر اس کو حضرت علی علیہ السلام کا اعجاز کہا جائے تو یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور شانِ عالی کے کسی طرح مناسب نہیں کہ آپ کی ذات گرامی کسی نبی کے لیے علی تعرف و اعجاز بنے۔ اس لیے اس کے تسلیم کر لینے کے بغیر جانچ نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر پر سلام کرنا اسے سلام کرنے سے اور اس کا جواب عطا فرماتے

ہیں، یہاں کہ دوسری احادیث کے ذیل میں تفصیل سے گزر چکا ہے اور آگے بھی آ رہا ہے۔

سباع موتی کی بحث

علامہ ابن تیمیہؒ تحریریت کے لیے ذموت سباع کا ثابت ماننے میں بلکہ قرآن کے نسخے کا بھی حق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

وسباع المیت فلا صلات من
السلام والقرآن حتی یرتدوا (مطبوعہ دارالافتاء)

حضرت حاکم علی القادریؒ فرماتے ہیں

فان سائر الاموات ایضا یصون
السلام والکلام لرحمت اللہ علیہم

اور حافظ ابن تیمیہؒ ہریت کے لیے جو ب سلام کو تسلیم کرتے ہیں یہاں کہ انہوں نے عبداللہ ابن عباسؓ کی اس حدیث کی رد بھی فرمائی ہے جس کو صاحب مغیر میں روایت کیا گیا ہے اور امام ابن عبد البرؒ علامہ عبدالحق اشعریؒ ابن عبد البرؒ امام شافعیؒ امام مالکیؒ امام حنفیؒ وغیرہ سب نے صریح کہا ہے۔ وہ حدیث رے۔

من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ما من رجل لم یتم اربعہ العزائم
عان یرفعہ فلیسلم علیہ الا عرقہ
ورفعہ السلام امر کتابہم منہ
الراجح الصغیر ص ۱۶۶ (لحامہ النکلی مثلاً) و
الافتاء مولانا سید محمد (مطبوعہ دارالافتاء)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت
ہے اھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت
کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جو شخص بھی اپنے حق
بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے سو کہہ
دے تو دنیا میں پہچان دے گا۔ وہ جب بھی اسے سلام
کہتے ہے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور ان
کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(۱۶۶/۱۶۷)

اس حدیث کو نقل فرما کر علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

فہذا نعر فی انہ یعرف بعینہ
ویرود علیہ السلام

(کتاب اربع ص ۱)

علامہ عزیزی اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

ولا مانع من خلق هذا الاعداد
بہد الروح فی بعض بدتہ

قال العنابی وقولہ یعرفہ

یقوم منہ انہ اذالم یعرفہ

لا یرد وهو غیر مراد فقد

فہجہ ابن الجب الدنیاء وادوان

لم یعرفہ وہ علیہ السلام

(عزیزی شرواح ص ۲۸۱)

علامہ نے اس پر لکھا ہے۔

(قوله کان یعرفہ) لا مندوم لدفع

دعایہ اخری عرفہ اولم یعرفہ

(شرواح ص ۲۸۱)

یہی حافظ ابن قیم اپنے مشہور قصیدہ نوذیر میں لکھتے ہیں۔

وهذا رد نیسا التسلیم من

ما ذاک غمناہ ایضا کما

ترجمہ: یہ بھی آپ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ قصوس نہیں ہے جیسا کہ اس ذاتِ گرامی نے فرمایا ہے۔
قرآن کریم کا کیا۔

تسلیم علیہ وهو ذوالایمان

من ذاقہ یخ لہ فاقہ

ہر شخص نے اپنے کسی مومن بھائی کی قبر کی زیارت کی اور اسے سلام کیا۔

وَدَا اِلَاحَ عَلِيْہِ عَقَارُوحَہٗ حَقِّ مَرْوَہِ عَلِيْہِ دَوِیَّاتِ

(الغزنیہ ص ۳۰)

تو پروردگار یکتا کی طرف سے اس پر اس کی زندگی
کو لوٹا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کا جواب واضح بیان
کے لائق ہے۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب نے سلام مرقی کی احادیث کے قرائل کے قائل ہیں اس مسئلہ پر تفصیل
بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اقول والاحادیث فی سماع
الاموات قد بلغت مبلغ التواتر
فیمن ابہدی سہل (۳)
علامہ شمس الدین محمد شافعی صاحب لکھتے ہیں۔

قال العبد الضعیف عفا اللہ عنہ
والذی لا یعمل لنا من جمیع القصر
واللہ اعلم ان جمیع العلوی ثابت
فی الجمیعہ بالاحادیث الصحیحۃ
الکثیرۃ (فتح اللہ ص ۳۹۳)
بندہ ضعیف اللہ تعالیٰ کی لکڑیوں سے
دگر (مٹے) کہتا ہے کہ جو چیزیں جو کچھ احادیث
سے حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی قریب
جانتا ہے، یہ ہے کہ سلام مرقی فی الجملہ احادیث
کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے۔

عام سلام مرقی کا مسئلہ اگرچہ استوفی ہے اور اس میں حارج اور مرجوح کا اختلاف ہے مگر واقعی
شافعی، حنبلی، میت کے سلام کے قائل ہیں اور احناف کی بھی اکثریت جنس اکابر علماء و رہنما بھی شامل
ہیں سلام مرقی کے قائل ہیں، اگر سلام مرقی کے مسئلہ سے شرک پیدا ہوتا یا منجربا شرک ہوتا تو علماء
علاء اسلام کبھی سلام کا اقرار نہ کرتے، خاص طور پر علماء ابن تیمیہ اور علماء ابن قیم وغیرہ وہ جن کے میں
کہ اگر کسی بات سے شرک کا کوئی قرین و ہم گئی پیدا ہوتا ہو تو وہ اسکا سختی کے ساتھ سد باب کرتے ہیں،
مگر سلام مرقی کا مسئلہ اتنا صاف اور بے غبار معلوم ہوتا ہے کہ ایسے علماء حضرت بھی نہ صرف اس
کے قائل بلکہ پروردگار ہی دعا میں جیسا کہ اُن پر انکی عبادات سے واضح ہوتا ہے۔

بعض لوگوں نے لایس معوا دعاکم اور فہم عن دعاہم غافلوت وغیرہ سے بھی عدم سماع عند التبرکات استدلال کرنے کی ناکام سعی کی ہے، ان آیات کو سماع موتی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہی حضرات سلف میں سے کسی نے ان آیات سے یہ استدلال کیا ہے۔

ابوہریرۃؓ لا تسبیح الموفات اور دعائت بمسبح من ذاب القیود سے بعض سلف نے عدم سماع پر استدلال کیا ہے جن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ پیش پیش ہیں مگر جہزہؓ نے ان کا ساتھ نہیں دیا بلکہ جہور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کے ساتھ ہیں جو سماع موتی کی روایت کے خلاف ہیں۔
پہنچنے کا طریقہ بھی کثیر دیکھتے ہیں۔

اور صحیح علماء کرام کے نزدیک حضرت عبداللہؓ
ابن عمرؓ کی روایت ہے کیونکہ اس کی صحت
پر گونا گوں شواہد دلالت کرتے ہیں۔

والصیح عند العلماء روایۃ
عبداللہ بن عمرؓ لسانہما من
الشواہد علی صحتہما من وجہ
حضیرۃ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۶)
علامہ ابن عمرؓ شرح بخاری میں لکھتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ اپنی اس تاویل میں رائے
کمال انعم اللہ علیہما ان ما کنتم
اقول لہم حق (اس طرف بخاری میں کہ
حضرت ابن عمرؓ کی مذکورہ روایت مردود
ہے، لیکن جہزہؓ کے اس بارہ میں حضرت
عائشہؓ کی مخالفت کی ہے اور انہوں
نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت کو تسلیم کیا
ہے کیونکہ دوسرے حضرات کی روایتیں
ان کے موافق ہیں۔

وہذا معین من عائشۃ الی
روایۃ ابن عمرؓ الذکورۃ
بعد خالفنا الجہود فی فلک
وقبل واحدین ابن عمرؓ لمواثقۃ
من رواہ وغیرہ علیہ

(فتح بخاری ص ۳۶)

نیز علامہ ابن عمرؓ کتاب النازی میں فرماتے ہیں۔

ولم یفسد وعسود لہنہ بحکایۃ
اس روایت اور حکایت کے بیان کرنے

ذات بل وافتخار ابو طلحہؓ کما
تقدم والطبرانی من حدیث
ابن مسعودؓ مثله واسناد صحیح
ومن حدیث عبد اللہ بن سیدان
نحوہ

میں حضرت عمرؓ اور ان کے بیٹے ابن عمرؓ ہی
مغزوہ نہیں ہیں بلکہ حضرت ابو طلحہؓ بھی ان کے
موافقی میں ہو کر گزر چکا ہے اور عراقی میں حضرت
ابن مسعودؓ کی روایت ہے جسکی سند صحیح ہے
اور عبداللہ بن سیدان سے بھی اس مغزوں

(فتح تبارہ ص ۲۳۶)

کی روایت ہے۔

مسلمؒ ہر کہ سلاح عراقی کی روایت بیان کرنے میں صرف حضرت عمرؓ اور ان کے فرزند عبداللہ ابن عمرؓ
ہی مغزوہ نہیں بلکہ حضرت ابو طلحہؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن سیدانؓ بھی اس حصہ کے بیان
کرنے میں ان کی تائید اور تصدیق کر رہے ہیں۔ اس لیے مجدد صحابہؓ نے حضرت عائشہؓ کی تاویل کو تسلیم
نہیں کیا۔

حضرت عمرؓ کی روایت ص ۲۳۶، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو طلحہؓ کی روایت تبارہ ص ۲۳۶
اور ص ۲۳۶ میں علامہ کی بات ہے۔

بلکہ سفاری ابن اسحاقؒ کی روایت سے تو ایسا مسلم ہوتا ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کے نزدیک
وگر صحابہ کرامؓ کی روایات ثابت ہو گئیں تو انہوں نے اپنے سابق نظریے سے رجوع کر لیا اور عہدہ کی ہمنوا
ہو گئیں ہیں، یہاں کہ علامہ ابن حجرؒ نے نقل فرمایا ہے لکھتے ہیں۔

ومن القویین ابن خباز القاضی
لابن اسحاق دحایۃ یونس بن بکر
سناد حید عن عائشہؓ مثل
حدیث ابی طلحہ فرینہ
ما انتہوا یسمع لما اتوا منہم
فأجدا احمد باسناد حسن فان
صان محفوظا فانہا وجعت
من الانکار لما ثبت عندہا

اور بڑی زالی بات ہے کہ ابن اسحاقؒ کے
سفاری میں یونس بن بکر کے طریق سے
بید اسناد کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے
اسی طرح روایت ہے جیسے حضرت ابو طلحہؓ
سے ہے، جس میں ماہر باجماع لا اقول منہم
کے الفاظ موجود ہیں اور امام احمدؒ نے بھی
جس اسناد کے ساتھ اس کی تصریح کی
ہے۔ سو اگر یہ الفاظ محفوظ ہوں تو گویا یہ اس

من دو آیات هوالا العصابة
ہر روایات کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے

لکھنواہم تشہد
(صحابہ موتی کے) انکار سے جو عرصہ فریب ہے

(فتح الباری ص ۲۳۶)
کیوں نہ ہو ان کے نزدیک ان میں انصاف سے ہر کلام

کی صداقتیں ثابت ہو گئیں جو موقع پر موجود تھے (حضرت عائشہؓ خود موقع پر موجود نہیں۔

بہر حال مجبوراً صحابہ کرامؓ کا سماع موتی میں جو موقوف پہلے تھا حضرت عائشہؓ کی روایت اور اس کے
مخبر بھی وہی رہا کسی نے بھی ان کے ساتھ واقعت نہیں کی، اور تمام حضرات صحابہ کرامؓ حضرت عائشہؓ کے
ہندو لگا ہوتے تھے حضرت عائشہؓ بھی بھول حضرت ملا سراجؒ نے خبر انکار سماع موتی سے روایت کر کے مجبوراً صحابہ
کرامؓ کے ساتھ ہو گئیں۔

حضرت مولانا عبدالحی کھوسو عمدۃ الرعاہ حاشیہ شرح الفہار میں تحریر فرماتے ہیں۔

واما رد عائشہؓ بعض تلك
بہر حال حضرت عائشہؓ کا ان بعض اخبار

الاحادیث فلم یستد بہ جمہور
لا رد کرنا تو مجبوراً صحابہؓ اور ان کے بعد کے

العصابة و من ہدم
حضرت نے اس رد کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔

(عمدۃ الرعاہ ص ۲۴۲)

ان تصریحات کا پر علاء کلام کے ہوتے ہوئے بھی بعض لوگ اس زمانہ میں مدام سماع موتی کو لازمی
مسند جاننے اور تمام صحابہ کرامؓ کا حضرت عائشہؓ کے ساتھ اتفاق ثابت کرنے کی فکر میں ہیں جو کہ
جو دلیل ہی نہیں بلکہ خلاف دلیل بھی ہے۔

اوپر کی تحریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت عائشہؓ کے استدلال سے اب صحابہؓ نے اتفاق نہیں فرمایا۔
اور ان کی تاویل رد فرمادی، بعد کے بن علماء کلام نے حضرت عائشہؓ کے استدلال سے انکشاف فرمایا ہے
ان کا یہ اختلاف محض اپنے اجتہاد سے نہیں ہے جس کو یہ کہہ کر رد کرنا دوست ہو کہ بعد کے ان حضرات
سے حضرت عائشہؓ کا فہم اور علمی مقام بہت بلند ہے، کیونکہ ان حضرات کو بھی اب صحابہ کرامؓ کی تابعدار
اور ملاقات حاصل ہے اور انہوں نے مجبوراً اب صحابہؓ کی ہر طاقت میں حضرت عائشہؓ سے براعت حاصل کیا
ہے اور اگر ان سے معاذی ایسی اسحاق دانی روایت ثابت اور مستند ہے (اور اس کی سند حسن اور حمید
ہے تا کے مستند ہونے میں کیا شک ہے) تو پھر تو حضرت عائشہؓ کا اپنے سابقہ موقوف مدام سماع

سے رجوع اہل ان کی موافقت بھی جبکہ صحابہ کرام کے ساتھ شہادت ہو جاتی ہے۔

آیات سے استدلال کا جواب

مکرین سماع سنائی آیت اَلَّذَ لَا تَسْمَعُ الصَّوْفَ سے استدلال کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ مکرین کے ذہن نے پر آیت حجت قطعیہ ہے، اور کہتے ہیں کہ آیت میں اگرچہ سماع کی نفی ہے مگر سماع پر حرا سماع مدع ہے کہ سماع کی نفی سے وہ سماع کی نفی ہو جاتی ہے؟ اس آیت کی دو تفسیریں مشہور ہیں۔

پہلی تفسیر :- پہلی تفسیر ہے کہ اس میں سماع مانع کی نفی ہے چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں :-
 اَلَا تَسْمَعُ شَيْئًا يَنْقُضُهُمْ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۲)
 یعنی آپ کو کو ایسی چیز نہیں سنا سکتے جو ان کو فسخ دے۔

مطلب واضح ہے کہ آیت بدلہ میں مطلق سماع و سماع کی نفی نہیں بلکہ سماع و سماع و سماع کی نفی ہے اس لیے سماع ہی مفید ہی مفید ہوگا اور سماع مفید کا سماع سماع مفید ہی ہوگا مطلق سماع کیسے ہوگا؟ علامہ ابن حجر مستدنیٰ شارح بناری فرماتے ہیں :-

وَمَا اسْتَدْلَالُهَا بِقَوْلِهِ تَعَالَى	رَأَى اَنْ لَا اسْتِدْلَالُ اَنْتَ لَا تَسْمَعُ الصَّوْفَ
اَلَّذَ لَا تَسْمَعُ الصَّوْفَ فَقَالَ سَمِعْنَا	سے ترجمہ کرنے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے
مَعْنَاهَا لَا تَسْمَعُ شَيْئًا يَنْقُضُهُمْ	کہ تو ان کو اس طرح نہیں سنا سکتا جس سے ان کو
لَا تَسْمَعُ اِلَّا اِنْ يَشَاءُ اللّٰهُ	فسخ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر
تَعَالَى	نہیں سنا سکتا۔

علامہ ابن حجرؒ بھی اس پر متفق ہیں کہ اس آیت مبارکہ سے ایسے سماع کی نفی بردہا ہے جو مانع مفید ہو یا یہ مطلب ہے کہ آپ ان کو نہیں سنا سکتے یعنی آپ کو سنانے پر قدرت نہیں ہے۔
 علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں :-

وَالصَّوْفَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وہ نفس صحیح ہوا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

مقدم علی تاویل من تاویل
من اصحابہ وغیرہ ولیس فی
القرآن ما ینفی ذلك فان قوله
انک لا تسبح المثل انما
الادب السماع المعتاد الذی
ینفع صاحبہ فان هذا مثل
عنوب الکفار والکفار الفناء تنبع
الصوت ولكن لا تسبح صاع قبول بفتح

واشباع۔
و تادی این تفسیر ص ۲۴ جلد ۱

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں ۔

وانما شبهوا الملوک بعدم
استغفارهم باستماع ما یستل علیهم
ھما شبهوا بالعم ف قوله
تعالی ولا تسبح العم الدعاء
اذا لم یصد جری فان اسما مع
فی ھذا الحالة بعد ۔

(تفسیر بیضاوی مصری ص ۳۸)

معلوم ہوا کہ زندہ کفار کو مردوں کی مانند تشبیہ اس امر میں نہیں دی گئی کہ وہ سرے سے نشتے ہی

نہیں بلکہ تشبیہ اس عدم سماع میں ہے جو موجب استغفار ہو ۔

تفسیر جوہرین ص ۱۸۱ اور تفسیر السراج النوری ۲ ص ۱۸۱ اور تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۲ پر یہی مضمون ہے کہ
کفار کو مردوں کی مانند تشبیہ اس بات میں دی گئی ہے کہ ان پر کچھ پڑا ہوا ہے اس سے وہ نفع نہیں
اٹھاتے ، شبعہ بهم ف عدم الاستغفار بما یستل علیهم (وجعلہم) اللہ تعالیٰ نے

و مرد ہے وہ اس تاویل پر حرا پکے بعض
صحابہ وغیرہم نے کی ہے مقدم ہے ،
اور تادی کہ یہیں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی
فحاشی کرتی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ
بیچک تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ سماع ہے جو سماع کو نفع دے ،
جو غیر یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے
کفار کیلئے بیان فرمائی ہے اور کفار اولاد
نشتے میں لیکن کچھ اور یہ وہی کے جذبہ سے
سماع قبول انکو حاصل نہیں ہے ۔

کنار کو بیروں کیا تھا اس امر میں تفسیر دی ہے کہ ان پر جو کچھ چڑھا جاتا ہے اس سے وہ نفع نہیں اٹھاتے۔ یہ عبادت مانع ہے کہ وہ تفسیر عدم انفعال ہے نہ کہ عدم نفع۔

دوسری تفسیر ۱۔ ایسی آیات کی دوسری تفسیر کی گئی ہے کہ آپ کے پیارا اور قدرت میں یہ بات نہیں ہے کہ آپ مرنے کو نہ مائیں۔ یہ کام تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔

اسی طرح دوسری اس آیت کا مطلب یہی یہ ہوا۔

ان الله يسع من يشاء وما انت

بیسع من في القيود -

المنظر) امام غزالی جبریل (الترقی شیعہ)

هما لا تقدران يسع من في

القيود كتاب الله فيهم بهم

به الله سبيل الرشاد فكذلك

لا يقدران ينفع بمواظع الله وبيان

حججه من كان ميت القلب من

اجبار عباد من معرفة الله وفهم

كتابه وتزويله وداخه حججه

(۲۳۳ ص ۱۲)

تفسیر دیکھتے ہیں۔

وقوله انك لا تسع الوقت

يقول يا محمد لا تقدران تفهم

الحق من طبع الله على قلبه

قاماته لان الله قد خسر عليه

ان لا يفهم -

(ج ۲۰ ص ۱۲)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ جبکہ تم دونوں

کو نہیں سنا سکتا یعنی اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن پر قادر نہیں کہ اس شخص کو مجاہد سے

بچے دل پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے

اور اس کو مردہ کر دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

اس پر مہر لگا دی ہے کہ وہ حق کو دیکھے۔

اس تفسیر کی رو سے نفی سماع کی نہیں بلکہ نفی اس کی ہے کہ بجز پروردگار کے کسی کو سنانے کی قدرت نہیں ہے تو نفی اس سماع کی ہے جو انسان کی قدرت میں ہے اور ان اللہ یست من یشاء میں اس سماع کا اثبات ہے جو مردوں کے لیے ثابت ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّكَ لَا تَعْدِي مِنْ اٰجِبَاتٍ وَلٰكِنْ
اَللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ
اَعْلَمُ بِالْعَتَدِیْمِ
(پ ۳۰)

بیشک تو ہدایت نہیں دے سکتا جس سے
تو جنت کہے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے
ہدایت دیتا ہے، اور وہی خوب جانتا ہے
انکو جو ہدایت پالنے والے ہیں۔

اس کا یہ مطلب تو کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی فرد کو ہدایت حاصل نہیں ہوتی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہدایت دینے پر قدرت نہیں ہے آپ صرف راہنمائی کرتے اور راہ ہدایت میں اس معنی میں آپ ہیئتِ ناری برحق بھی ہیں اور اسی کا ذکر آیت اللہ علیہ السلام سے مروی ہے کہ فرمایا گیا ہے لیکن ہدایت دینے کے معنی میں ناری صرف حق تعالیٰ میں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی معنی میں ہدایت کی نفی اس آیت کریمہ میں کی گئی ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

يَقُولُ تَعَالٰی كَا تَعْلَمُ لَيْسَ فِیْ
قَدْرَتِكَ اَنْ تَسْبِغَ الْاَمْوَاطَ فِیْ اَجْدَاثِهَا
وَلَا تَبْلُغَ كَلَامَكَ اَنْتُمْ الَّذِیْنَ لَا
يَسْمَعُوْنَ وَهُمْ مَعَ ذٰلِكَ مُدْبِرُوْنَ
عَلَيْكَ كَذٰلِكَ لَا تَعْتَدِ عَلٰی مَبَایِئِهِ
الْحَمِیْمِیْنَ مِنَ الْاٰمِیْنِ وَدَّعَیْهِمْ عَنْ
عَلٰی لِقَامِهِمْ بَلْ ذٰلِكَ اِلٰی اللّٰهِ
تَعَالٰی فَانَّهُ تَعَالٰی بِهَدْمِهِ وَتَبْلِیغِهِ
الْاَمْوَاطَ اَصْوَاتِ الْاَحْیَا اَوْ اَفْشَارِ
یَهْدِیْهِ مِنْ یَّشَاءُ وَیَقِیْلُ مِنْ یَّشَاءُ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جیسے تیرے بس میں
یہ نہیں کہ تو مردوں کو ان کی قبروں میں سنانے
اور نہ یہ کہ تیرا کلام ان بہروں تک پہنچ
سکے جو نہ سمجھتے تھے بلکہ انہوں نے تیری
طرف اپنی پیشانی پھیر دی ہو، اسی طرح
تو حق سے اللہ صوں کو ہدایت دینے پر
اور ان کو گرا رہی سے ہٹانے پر قادر نہیں
بلکہ اللہ تعالیٰ کے بس میں ہے کہ وہ مردوں
کو اپنی قدرت سے جب چاہتا ہے زندہ
کی کو از پی سنا دیتا ہے اور ہدایت کر دیتا ہے۔

ولیس بعد ذلك لاحد
سواء
تقریریں کرے (۲۳ ص ۴۳)
کے جس اور اختیار میں نہیں ہے۔

حضرت کا معنی شدہ اللہ صاحب اپنی ہی "ذات" میں۔

قلت اذا جئ من النبي من الله عليه
وسمعت من الصوفى تسبىح كلام الله تعالى
قرنه تعالى فقلت لا تسبىح القرآن باختيار
وحدك فقلت صلات تسبىح الله تعالى
ما جئ به معاداة الله تعالى لكن الله
تعالى يسبىح الصوفى كلام الاحياء
اذا شهدوا انك لا تسبىح القرآن
سما عايرت بقرآن عليه الغائب
ومن الله مرقد ما غاب في نظري (۲۴ ص ۴۴)
اس آیت کو یہ لایہ مطلب ہے کہ تو مردوں کو ایسے طریق پر نہیں سنا سکتا جس پر رتبہ
کو لیا، فائدہ مرتب ہو۔

حافظ عبدالرہمن محمود العینی کا معنی اپنی شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

واجب عن الامة بان الذبح
يسمى هو والله تعالى والعن
انه من الله تعالى عليه وسلم
لا يسمعون ولكن الله تعالى
احياء هم حق سمعوا كما
قال قتادة - (۲۵ ص ۴۵)
لے کہا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام ابو شامہ احمد صاحب ثنائی "فانك لا تسبىح الصوفى" کے تحت اپنی مختصر تقریر میں

ارشاد فرماتے ہیں ۔

”یعنی جس طرح ایک مردہ کو غلاب کرنا یا کسی پرہے کو پھارنا خصوصاً جبکہ بیڑہ میرے
چہ ہارنا جو اور پھارنے والے کی طرف قطعاً طہقت و ہرمان کے حق میں سزا مند نہیں، یہ
ہی حال ان مکتدیین کا ہے جن کے قلوب سرچکے ہیں اور سنے کا امان ہی نہیں رکھتے کہ ان کے
حق میں کوئی نصیحت نافع اور کارآمد نہیں، ایک نپٹ اندھے کو جب تک آنکھ نہ ہونے
تک کس طرح راست یا کوئی چیز کو دکھلا سکتے ہو، یہ لوگ بھی دل کے اندھے ہیں اور چاہتے ہی
نہیں کہ اندھے پن سے نکلیں پھر تمہارے دکھانے سے وہ دیکھیں تو کیسے دیکھیں؟
اور ان تسبیح الامن یومن بآیتنا فہم مسلمون کے تحت لکھتے ہیں ۔

”یعنی نصیحت سنانا ان کے حق میں نافع ہے جس کو اثر قبول کریں اور اثر قبول نہ کرنا
ہے کہ خدا کی باتوں پر یقین کر کے فرمانبرداری نہیں“ (مسند ابراہیم شہرہ نقل)

سورہ نمل کے اس مقام کی تفسیر میں حضرت علامہ عثمانیؒ نے سماع نافع کی نفی کو استدلال فرمایا ہے کہ
سیاق آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ آخر آیت ان تسبیح الامن یومن بآیتنا۔
میں نفی انہیات سے جس سماع کو سوسن بآیات میں مصور فرمایا گیا ہے اس سے بھی سماع نافع ہی مراد
ہے اور نہ قاہری طور پر اس سے کچھ موقوف ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنی لوگوں کو سنانے
تھے برائیان لاتے تھے دوسروں کو آپ نہیں سنانے تھے حقیقت و واقعہ یہ ہے کہ آپ سب کو سنانے
اور نصیحت کرتے تھے مگر جو کلاموں نے سنانے کا اثر قبول نہیں کیا تو گویا انہوں نے سنا ہی نہیں،
شیخ معین الدین اپنی تفسیر جامع البیان میں فرماتے ہیں ۔

ان تسبیح سماع استقامی الامن یومن ۱۱ تم نہیں سنا سکتے سماع استقامی مگر صرف
(۱۶ ص ۳۳) ان کو جو ایمان لائیں ۱۲

حضرت علامہ نور الدین شاہ صاحب کشمیریؒ علامہ سیوطی کے کلام کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔
ان هؤلاء الکفار کالموتی فلا تنفع
ہے شک یہ کافر مردوں کی طرح ہی تھے
عدایتک منعم لان فتحھا انما
رہنائی ان کو کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ کیونکہ
کان ف حیاتہم وقد معز
اس پر ایت اور رہنائی کا فائدہ ان کو زندگی

فتقاً هذا ذلك هو لاد وان كانوا
احياء الا ان هذا من غير نفعه
لعمد بحورنهم مثل الامرات
في عدم الاشفاق فليس
الغرض من السماع بل نفع
الانتفاع ۱۱

(فیض الہادی صفحہ ۴۹ جلد ۲)

اور سورہ روم میں اسی آیت اللہ لا تسع الذل کے تحت علامہ فرید احمد عثمانیؒ اُن کا نام لڑتے ہیں۔
”یعنی اللہ کو سب قدرت ہے، امرہ کو زندہ کر دے، تم کو یہ قدرت نہیں کہ مردوں سے اپنی
بات سنا سکو یا بہرہوں کو سنا دو، یا انہوں کو دکھ دو، ہنستا بہب وہ سنے اور وہ بچنے کا ارادہ ہی
دے کر ہی، پس آپ ان کے کفر و ناسیاسی سے عمل و فحشیں دہیں، آپ صرف دعوت تبلیغ کے فرائض
میں کوئی بہت نہ مانے تو آپ کا کیا نقصان ہے، آپ کی بات وہی نہیں گے جو ہماری باتوں
پر نہیں کر کے تسلیم و القیاد کی غرور اختیار کرتے ہیں۔“ (فرید عثمانی ص ۱۳۸)
اسخبرت علی اللہ علیہ السلام کو برکت اس کے ایمان قبول نہ کرنے سے رکنا و ظم ہوتا تھا اور اپنی دعوت و
تبلیغ کے بلے ازا فرید سعید پر نہ لائوس ہوتا تھا اس آیت مبارکہ میں اس پر کمال دھنن جاری ہے۔ اور
بتلا یا ہمارا ہے کہ ایمان آتا اور دعوت کو قبول کرنا، آپ کے اختیار کی بات نہیں ہے، مردوں کو زندہ کرنا
اور ان سے اپنی بات کا سنا مانا، تو سب اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اس سے اوپر کی آیت ان ذلک
فی الوقت وهو علیٰ کل شیء قدير سے اس آیت کا ایلا لگادی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

وسم۔ سماع عدم اجابت است حق
راہیل آنکہ ایہ دو آیت مانل شدہ
دعوت کفار با یسما و عدم
اجابت ایشان مرجح و۔

سماع سے مراد ہے کہ حق کو قبول نہیں
کرتے اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ انہیں کفار
کو ایمان کی دعوت دینے میں تامل ہوتی
میں اور اس بارہ میں کہ انہیں نے حق کو قبول

• (اشعۃ الہامات جلد ۲ صفحہ ۱۷۷) نہیں کیا۔

تفسیر رضائی میں اس مقام کی تفسیر میں تقدس کی نفی کی گئی ہے۔ "انک لا تسبح الوقت لا سلب بیان کرتے ہوئے سمجھتے ہیں۔

• یعنی تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولنا اور اپنی آواز مردوں کو سنا دو، کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے۔ البتہ حق تعالیٰ کی تقدس سے ظاہر اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مردہ سن لے اسلام انکار کرتی مومن نہیں کر سکتی" یہ عبارت سات دلائل کو رہی ہے کہ لا تسبح الوقت سے اللہ کے سوا دوسروں سے تقدس کی نفی کی گئی ہے سماع کی نفی نہیں کی گئی۔
برہان القرآن میں لکھا ہے۔

• مشرکین کے مناد و مکارہ کا ذکر کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسبیح دی گئی کہ ایسے واضح دلائل کے باوجود مشرکین انکار و تکذیب سے باز نہیں آ رہے، آپ کے اقدار و تہنیت میں کوئی قصور نہیں ان کے دلوں پر ضد و عناد کی وجہ سے مہر جہا ریت لگ چکی ہے اب وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، اسی لیے آپ ان کے ذہن کے دھنسنے کی وجہ سے عقلین نہ ہوں؟ پھر ارگے کہا ہے۔

• "ماصل یہ ہے کہ آپ کا لام تہنیت و اقدار ہے یہ معافی میں ہر مہر جہا ریت کی وجہ سے

اپنے دل کی بیات اور سچ دہر کھو چکے ہیں ان کو راہ دست پر دانا آپ کے لب کی بات نہیں یہ آپ کی دعوت و تبلیغ کا اثر ہرگز قبول نہیں کریں گے" (صفحہ ۹۱)

بات بالکل واضح ہے کہ انہوں نے یہی مرقی مراد نہیں بلکہ ایسے مشرکین مراد ہیں جن کے دلوں پر ضد و عناد کی وجہ سے مہر جہا ریت لگ چکی ہے اور مہر جہا ریت کی وجہ سے وہ اپنے دلوں کی بیات اور سچ دہر کھو چکے ہیں۔ ان کو راہ دست پر دانا آپ کے لب کی بات نہیں۔ تو اس سے منکر ایسے مشرکین کی ہدایت پر تقدس و اختیار کی نفی ہوتی جو مردہ دل ہیں۔ اگلے جلد ۲ صفحہ ۱۷۷ کا اثر ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ میں تصریح ہے کہ لا تسبح میں سماع قبول متنی ہے بطلان سماع کی نفی نہیں کی گئی اسی لیے آگے ان تسبیح الامرنہ کی تفسیر میں لکھا ہے۔ "البتہ آپ کی بات صرف وہی لوگ سنیں گے اور اس سے اثر قبول کریں گے جو ہماری آیتوں کو سن کر ان پر یقین کرتے اور ان کے سامنے تسلیم و انقیاد کا ہندو رکھتے ہوں" (برہان القرآن صفحہ ۹۱)

اس تفسیر میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے کہ زمین

میں جو سماج فنی اور اخبات کے طور پر لیا ہے۔ وہ سماج فزول ہے۔ رکنا سے بھی سماج فزول
ہی نئی ہے۔

حضرت مولانا حسین علی صاحبہ بلقیات الحیدلین میں تحت آیت و ما انت بسمع من ف القیور
فرماتے ہیں۔

”یعنی بسبب ہر عبادیت کے مرنے ہو گئے ہیں فزول کرنے ایمان کے سے ان کو سنا
فائدہ نہیں دیتا (ص ۱۲) سماج فنی کی فنی میں یہ عبادت سے یہ کی واضح ہے کہ من فی القیور سے
مرنہ ہی کتاہ مراد میں عرفی مرنہ مراد نہیں ہیں۔

و نیز گفتہ اند کہ مراد بوقی کتاہ ہے کہ موتی سے مرنہ وہ دیکھ ہیں جن
موقف القلوب اند و قیور اجساد کے دلی مرہ ہو چکے ہیں اور انکے جسم گریبان
ایشان کہ در سے د لہائے مرہ کی مدوں کی قبریں ہیں جن میں انکے مرنہ دلی
افتادہ است (اعمال الصالحات جلد ۳) پڑھیں۔

حضرت حکیم الامت شافعی اپنی تفسیر تفسیر بیان القرآن میں اس مسئلہ پر کلام فرماتے ہوئے ارکام
فرماتے ہیں۔

”لیکن جو کچھ بعض احادیث میں مردوں کا سنا قریب جگہ سے ذکر عبید سے وارد ہے۔

اس لیے بعض کتاہ نے آیت میں کہا ہے کہ مراد سماج فنی سے سماج نافع ہے قریب کا ملاحظہ

دفع تھا رض حدیث کے یہ بھی ہے کہ کتاہ کے مطلق سماج کا فنی ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے

اور سماج نافع مرنہ فنی تھا۔ پس مردوں سے بھی وہی فنی ہے؟ (مراد جلد ۱)

حضرت شافعی قدس سرہ کے مرنہ فزول سے سماج نافع کے فنی ہونے کی دلیل کاظم ہوتا ہے حضرت

فرماتے ہیں۔

”حدیث میں وقوع سماج مصرع ہے اور اس آیت سے فنی نہیں ہوتی اس لیے کہ

یہاں پر فنی تعالیٰ نے کتاہ کو موتی سے تشبیہ دی ہے اور تشبیہ میں ایک مشبہ ہوتا ہے

اور ایک مشبہ بہ اور ایک دم تشبیہ جو دونوں میں مشترک ہوتی ہے تو یہاں وہ عدم سماج

مکروہ ہے اگر مرقی اور کفار میں شریک ہے اور اہل سنت کا سلام اور عدم سلام تو معلوم نہیں (مگر مکروہ)
اسکا مشاہدہ نہیں ہے، مگر کفار کا تو معلوم ہے کہ قرآنی وحدیت کو سنتے ہیں، مگر وہ سلام نافع نہیں،
اور یہ معلوم ہے کہ مشرک اور مشرک بہ ہیں وہ مشرک میں شامل نہ ہوتا ہے پس کفار سے جو سلام نفعی ہے۔
یعنی سلام نافع ویسا ہی سلام اہل سنت کے نفعی ہو گا ذکر مطلق سلام۔ (امانت الیوم بعدہ ص ۷۷)
اور الحشمت میں مزید وضاحت فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تائیں نے اسکا جواب دیا ہے کہ اگر اہل سنت میں اعتقاد ہے کہ مستند سنیوں میں تو بیعتی معنی کا تحقق ضروری
ہے پس مرقی بالحق الیقینی کے لیے عدم سلام ثابت ہو گیا بیعت میں نے اسکا جواب دیا ہے کہ اس قاعدہ سے
صرف اتنا لازم آتا ہے کہ مرقی پر مرقی کا صدق بالحق الیقینی ہونا چاہیے اس سے اہل سنت کا حیثیت پر عمل ہونا
لازم نہیں آتا بلکہ اس میں بلذات الحق المطلق علی التبعیہ ہے اور سلام سے مراد سلام نافع ہے جس معنی پر یہ مرقی کہ مرقی
بالحق الیقینی سے سلام نافع نفعی ہے، حضرت اس عمل کی الہامی کی پیروی میں انھوں نے اس سے مراد سلام نافع قرار دیا اسکا مشاہدہ
ہے جس سلام کے نفعی نہ ہونے کا بلکہ سلام نافع کے نفعی ہونا۔ (ص ۷۷)

حضرت عثمان غنی کی اس تحریر سے واضح ہے کہ اہل سنت میں بلذات المطلق علی التبعیہ سلام نفعی سے سلام
نافع کی نفی نہ ہو ہے۔ اور اسی عدم سلام نافع میں کفار کو مرقی کے تشبیہ دینا مستند ہے۔

استیعاب دکنی نفیس بحث ۱۔ اس بحث میں ہم نے نو ما سرفراز غائب کی منید کتاب
"الغیاث البیضاء" سے استفادہ کیا ہے تفصیل کے لیے اسکا مطالعہ مفید ہے۔

استاد کے چار ارکان ہوتے ہیں، مشرک، مشرک بہ، وہم مشرک، اور اہل سنت، اہل تشیع، اس حجاب
میں مشرک کفار اور مشرک بہ مرقی اور قسم ہیں، نزاع اس میں ہے کہ وہ مشرک کیا ہے؟ وہم مشرک کے لیے قرآنی
ہے کہ اس میں مشرک اور مشرک بہ دونوں حقیقتاً یا خیالی طور پر شریک ہیں۔
علامہ قسطلانی فرماتے ہیں۔

وہم مشرک معنی ہیں جس میں مشرک اور مشرک بہ	ای وجہ التشبیہ هو العن الذی
دونوں کے اشتراک کا قصد کیا گیا ہو حقیقتاً یا	تقد اشتراك العرفی فیہ
خیالی طور پر (چراغی کہا ہے) اور اسی لیے	حقیقتاً او تخیلاً، الم قولہ
شیخ محمد القاسمی فرماتے ہیں (ما ہے کہ مشرک یا	وهذا قال الشيخ عبد القاسم

التشبيه الدلالة على اشتراك
 تشبيه في وصف هو من أوصاف
 الشيء نفسه خاصة كالشجاعة
 في الأسد والنور في الشمس.

مطلب کسی چیز کی ذاتی اور خاص اوصاف
 میں سے کسی وصف کا وہ چیزوں میں اشتراک
 پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ شہر میں وصف
 شجاعت ہے اور شمع میں نور۔

(مقرر ص ۲۷)

اس عبارت سے بالکل واضح ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں دو مشبہ ایک ہی ہوتی چاہیے۔
 اب اگر مشبہ یعنی کفار میں دو مشبہ عدم انتفاع ہے تو یقین چاہیے کہ مشبہ بہ الموقی اور اہل عدم میں بھی
 یہی سنی متین ہے اور اگر مشبہ بہ الموقی اور اہل عدم ہیں حقیقتہً عدم سماع ہے تو استناد کے مذکورہ
 قاعدہ کے موافق مشبہ کفار میں بھی حقیقتہً عدم سماع ہی ہونا چاہیے مگر ان کفار میں حقیقتہً عدم سماع
 کو تسلیم کرنا مشاہدہ اور جاہلیت کے خلاف ہے۔ اس لیے دو مشبہ عدم انتفاع کو ماننا پڑے گا بلکہ
 مشبہ اور مشبہ بہ دونوں میں وجود ہے، مشبہ بہ (الموقی اہل عدم) میں یہ عدم انتفاع حقیقتہً ہے، البتہ اتنا
 فرق ضرور ہے کہ الموقی میں یہ دو مشبہ عدم انتفاع باوجود سماع کے ہے اور اہل عدم میں باوجود عدم سماع
 کے مگر دونوں میں عدم انتفاع ہے اور مشبہ (کفار) میں دو مشبہ عدم سماع کے وہی نفع نہیں اٹھاتے، کئی
 حضرات مشترک کلام نے بھی عدم انتفاع کو دو مشبہ قرار دیا ہے۔ کئی حوالے اور گندہ کچے ہیں، مگر کسی مشترک
 منکر لا ملا نظر سے نہیں گذرنا جس نے قمری کی جہر کہ اس استناد میں دو مشبہ عدم سماع ہے۔

حاصل یہ ہے کہ زندہ کفار کا سماع اور اہل عدم سماع مشاہدہ اور جاہلیت سے ثابت ہے
 اب مگر الموقی میں بھی عدم سماع کو تسلیم کیا جانے اور عدم سماع کو دو مشبہ قرار دیا جائے تو چونکہ
 یہ دو مشبہ مشبہ کفار میں نہیں پائی جاتی اس لیے مشبہ اور مشبہ بہ میں اشتراک نہیں رہے گا۔
 مادہ و احوال استناد کی رو سے دونوں کا دو مشبہ میں اشتراک ضروری ہے، اور عدم انتفاع میں
 دونوں مشترک ہیں اس لیے اسی کو دو مشبہ قرار دیا جانا ضروری ہے۔

امام فخری رحمہ اللہ ہر جوابی نے استناد کا موضوع اور اس کا قاعدہ بیان کرتے ہوئے
 لکھا ہے۔

من مرسوم على ذلك مثبت جها استناد کی دفع ایسے ہے کہ تو اس کے

معنی لا یعرف السامع فالتعین
 من اللفظ ولکنه یعرف من
 معنی اللفظ جیان ذلک انا فہم
 انک لا تقول رایت اسد الاد
 عرفک ان تبشت للرحل انما
 لا اسد فی شجاعة وشدۃ
 یطشہ واقامہ الف قولہ
 فاعرف هذه الجملة واحسن
 تا ملھا

سائق وہ معنی ثابت کرے جس معنی کو
 سامع لفظ سے نہ سمجھے کہ اس لفظ کے معنی
 سے کہے بیان اسکا یہ ہے کہ ہمشیر
 ہم یہ جانتے ہیں کہ تو جب رہا ہوشمیں کہ
 کو دیکھ کر کہ کہے میں نے شیر دیکھا ہے تو
 تیری غرض یہی ہے تو اس شخص کے لیے
 یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ شیر کے ساتھ اسکی
 شہادت بخشت گیری اور خبرات میں ملوث
 ہے (اگے فرمایا ہے) تو اس کا مدد کو اچھی

روائل الامام زین العابدین (ع)

طرح سمجھ لے اور اس پر خوب فکر کر۔

اس کا مدد سے واضح ہے کہ وجہ تشبیہ کہ سامع لفظوں سے نہیں کہہ سکتا بلکہ الفاظ کے معانی
 کے سمجھنے سے اب اگر لائق الموقی میں وجہ شبہ عدم سماع کو تسلیم کر لیا جائے اور نہ ہر اس طرح کیا جائے کہ
 ”مروءے نہیں تھے“ جیسا کہ نفی سماع کہنے والے کا جمل یہی ترجمہ کیا کرتے ہیں تو اس وجہ شبہ کو تو سامع
 لفظوں نے سمجھا ہے، پھر یہ استدعا یہ کیسے ہوا؟ اور عدم سماع وجہ شبہ کیسے قرار پائی؟

پھر استدعا میں کا مدد کے لفظ سے یہ کیسے منظور ہو سکتا ہے کہ حکم خبری و مبنی لائق الموقی اور وجہ
 خبر کو قبول نفی سماع کہ نوازل کے عدم سماع ہے، ایک ہی ہوا اور لائق الموقی میں بس عدم سماع کی خبر
 دی گئی ہے، وہی عدم سماع وجہ شبہ ہی ہے، ایسے حسب تسریعات اثر فی شیخ عبد القادر جرجانیؒ اور علام
 سعد الدین نقاشانیؒ وغیرہ اصول استدعا کی رو سے وجہ شبہ عدم سماع قطعاً اور یقیناً نہیں بن سکتی، بلکہ عدم
 اختلاف ہی وجہ شبہ ہے، وجہ شبہ اور شبہ بہ دونوں میں مشترک ہے، مروءوں اور انصاف میں یہ عدم اختلاف
 حقیقت ہے اور کفار میں اعداد اور با لفظ، کہہ فائدہ نہیں اٹھاتے اور سنی ان ہی کو دیتے ہیں۔

اب جو حضرات مشہر بہ الموقی اور انصاف میں تو وجہ شبہ عدم سماع جگہ کرتے ہیں اور شبہ کفار میں
 عدم استماع اور معنی یہ کہتے ہیں کہ مروءے اور بہرے نہ دیتے ہیں اور دفع اٹھاتے ہیں، اور زندہ کفار
 نئے میں مرتضیٰ نہیں اٹھاتے ہیں

ان حضرات نے اس پر

غور نہیں فرمایا کہ استعارہ کے قانون کی رو سے وہ تشبیہ مشبہ اور مشبہ بہ میں ایک ہی ہوتی ہے اور اسے
 اختلاف سے نہیں کہا جاسکتا بلکہ مفاد اسے معانی سمجھتے ہیں، غلط فہمی یہ ہو رہی ہے کہ وہ تشبیہ اور مشبہ
 کو لیا گیا ہے اس لیے مشبہ بہ میں کہ عدم سماع نہ کر لیتے ہیں اور مشبہ کن میں عدم اختلاف معلوم
 وہ تشبیہ معروضہ ہے اور وہ ہے عدم اختلاف یہ وہ مشبہ بہ اقسام میں حقیقت ہے کہ چرکوں سے نہیں اس
 لیے قائم نہیں اٹھایا اور مردوں میں بھی حقیقت ہے کہ ان کے اختلاف کا عالم ہی نہیں اور بقاریں جو
 مشبہ ہیں اور عام ہے کہ کسی بھی قائم نہیں اٹھایا بہر حال مشبہ اور مشبہ بہ سب میں وہ تشبیہ ایک
 ہی ہے اور وہ ہے عدم اختلاف جو کہ قانون استعارہ کے مطابق معنی مشترک ہے اور مشبہ بہ میں حقیقت
 طور پر پایا جاتا ہے۔ اور یہ معنی درست نہیں کہ ”مردے سے دوسرے سے کھٹے ہی نہیں، اور کنا کھٹے
 میں اور نفع نہیں اٹھاتے“ اس لیے کہ عدم سماع معنی مشترک نہیں ہے اور وہ تشبیہ کے لیے مشترک ہونا
 ضروری ہے اس لیے وہ تشبیہ میں عدم سماع قطعاً شامل نہیں ہے اور وہ تشبیہ صرف عدم اختلاف
 حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معنوں کی تینوں آیات کا حوالہ دے کر
 فرماتے ہیں۔

”ان تینوں آیتوں میں یہ بات ثنائی نظر ہے کہ ان میں سے کسی میں یہ نہیں فرمایا کہ
 ”مردے میں کھٹے بلکہ تینوں آیتوں میں نفع اس کی کی گئی ہے کہ ”اپ نہیں سنا کھٹے“
 تینوں میں اس تفسیر و عنوان کو اختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مردوں
 میں کھٹے کی صلاحت ہو سکتی ہے مگر ہم اختیار ہی نہیں سنا کھٹے“ ۶۱

(معارف القرآن جلد ۱ صفحہ ۵۷)

سورۃ فصل کی تفسیر میں فرماتے ہیں ”اس لیے آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی
 کلام کسی لاش ہی نہیں کہتے اس لیے سماع موقی کے مسئلہ سے حقیقت یہ آیت مبارکہ ساکت
 ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کسی کلام سن کتے ہیں یا نہیں؟ (معارف القرآن جلد ۱)
 حضرت مولانا حسین علی صاحب دانا بھیراں رحمۃ اللہ علیہ میں زیر آیت دعا انت بسیع من
 فی القبر فرماتے ہیں ”یعنی بسبب مہر بہریت کے مردے ہو گئے ہیں قبول کرنے ایمان کے سے
 ان کو سنا قائم نہیں دیتا“ (صفحہ ۲۹)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ من فی القبر سے مراد کفار ہیں جو ایمان کے قہرل کرنے سے
مردے ہو گئے ہیں اور سماح منی سے اسماح نافع کی نفی مراد ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ اَللّٰہُ لَا تَسْبِیحُ الْعَوَّلَہِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں
۳: اس آیت سے حسن علماء خداوندی کیا ہے کہ مردے نہیں بنا کرتے، ہر چند کہ مردوں سے
یہاں کفار ہیں مگر تشبیہ جب بد درست ہو سکے گی جب مردے دہشتے ہوں، لیکن چونکہ بعض احادیث
میں مردوں کا اشتقاق قریب جگہ (یعنی) ذکر بعید سے وارد ہے، اس لیے بعض علماء نے آیت میں کہا ہے
کہ مراد اسماح منی سے سماح نافع ہے اور قرینہ اسکا طوطہ دفع قتار فی حدیث کے یہ بھی ہے کہ کفار سے
مطلق سماح کا منی ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے البتہ سماح نافع ضرور منی تھا، پس مردوں سے بھی بھی منی
ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی مردوں کو نصیحت کرے، دیکھا رہے کیونکہ وہ وارد عمل نہیں اور ثواب
سے نفع ہونا یا نکالت قرآن سے اس ہونا یہ دوسری بات ہے، مقصود مواظف کا نافع نہ ہونا ہے
اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ مردے میں مردہ حیثیت جسد ہے وہ نہیں سُن سکتا اگر اس سے (سماح)
نفع کی نفی لازم نہیں آتی اور علماء مانعین نے مدثرین میں پھر مناسب ہاؤ میں کر کے متعارض کو رفع کیا ہے
واللہ تعالیٰ اعلم (تفسیر بیان القرآن ص ۱۶۷)

اس تفسیر سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک یہ کہ شروع میں تشبیہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ تشبیہ
بجسم درست ہوگی جب مردے دہشتے ہوں، یہ مانع علماء مانعین کے استدلال کی مقرر ہے۔
جن کی طرف اُد پر اشارہ کیا گیا، مردے یہ کہ حضرتؑ کے نزدیک احادیث کی روشنی میں مردوں کا قریب
جگہ سے مشتقاق ثابت ہے اس لیے حضرتؑ کے نزدیک آیت میں جن علماء نے سماح منی سے سماح نافع
مردہ دیا ہے اس سے آیت اہ حدیث کا متعارض دفع ہو کر دونوں میں تعلیق حاصل ہو جاتی ہے تاہم یہ
یہ کہ جن علماء نے وجہ تشبیہ عدم سماح کو قرار دیا ہے حضرتؑ کے نزدیک چونکہ کفار سے مطلق سماح کا منی
ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے، اس لیے وہ وجہ تشبیہ نہیں بن سکتا، البتہ کفار سے سماح نافع ضرور منی تھا،
اس لیے سماح نافع وجہ تشبیہ ہے جو کفار اور مردوں دونوں میں مشترک ہے اس لیے مردوں سے بھی
یہی سماح نافع منی ہے۔

اور بعض نے آیت کے معنی میں جو یہ کہا ہے کہ مردے میں مردہ حیثیت جسد ہے وہ نہیں سُن

مکتہ ترقی کے نزدیک ہی ارواح کا نسبت ثابت ہے یہاں کہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب دہلویؒ نے ارشاد فرمایا ہے ۔

”سیرت میں ہے کہ مردوں سے سلام عینک کر دیا نہ تھے نہی اور بہت جگہ مردوں کے تعاب کیا گیا ہے اسکی حقیقت یہ ہے کہ مردوں سے کی نہیں گئی تھی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑلہ نہیں ہی مکتہ“ (تفسیر مرقع العزرائی)

واقعی قبر میں پڑا ہوا مرد بغیر قتل شدہ کے نہیں مکتہ کیونکہ مکتہ اصل میں کام ہے نہج کا جسم انکے تابع ہے اور امامیہ صحیح سے یہ ثابت ہو چکا کہ قبر میں ارواح کا تعلق اجساد کے ساتھ قائم رہتا ہے جبکہ دم سے وہاں تقسیم و تزییب کا معاملہ میت کے ساتھ ہوتا رہتا ہے اس لیے مجاہد کے نزدیک نہج ارواح جسم دونوں کے تعلق سے سلام ہوتا ہے نہج بالذات ارواح جسم تابع ہو کر نہج ہے ۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے کام میں جسم کے بالذات نہج کی نفی فرمادے کہ بغیر قتل شدہ کے خالی جسم نہیں مکتہ اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ مردوں کا جسم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تو پھر نہج کیسے نہج ہے بلکہ وہ عین ارواح میں ہوتی ہے ؟ حالانکہ حضرت شاہ صاحبؒ نہج کے نہج کی تصریح فرمادے ہیں معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نہج کے جسم سے تعلق کو تسلیم فرماتے ہیں نہج نہج کے نہج کو تسلیم فرماتے ۔

الحاصل انکے لا تتبع العروق سے سلام مفید اور نفع کی نفی فرمادے ہو یا یہ مطلب ہو کہ حضرت علیؑ علیہ السلام کے اعتبار سے یہ خارج ہے اور یہ صوفی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ، کوئی بھی تفسیر اور مطلب لیا جائے مرقی کے مطلق سلام کی نفی اس سے ثابت نہیں ہوتی جب عام مرقی کے مطلق سلام کی نفی اس سے نہیں ہوتی تو حضرات انبیاءؑ کام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سلام عند القبر کی نفی پر یہ آیت کیونکر دلیل بن سکتی ہے ؟

اگر بالفرض اس سے عام مرقی کے سلام کی نفی ہو بھی رہی ہو تو پھر بھی حضرات انبیاءؑ کام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سلام اس سے خارج ہے اس مضمون کی ایک حضرات ملت صالحین کے سامنے ہی تھیں ۔ مگر کسی نے اس مضمون کی ایک سے حضرات انبیاءؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سلام عند القبر کی نفی پر استدلال واضح نہیں کیا بلکہ انکا اجماع اس کے خلاف منقہ ہوا ہے چنانچہ حضرت قطب الدار شاہ

مولا رضی اللہ عنہ لکھ رہی استانت کے معنی پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قیس ہے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اسے نکالیں ہم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے
اس میں علماء کا اختلاف ہے مجوز سماع مرقی اس کے جواز کے مقرر ہیں اور بائین سماع منع کرنے میں سواد کا
فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو شیعہ
کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہانے بعد سام کے وقت زیارت قبر ہندک کے شفاعت حضرت
کاہن میں کیا تھا ہے۔ لہذا یہ جواز کے واسطے کافی دلیل ہے (فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۵۳۱ و ص ۵۳۲)

معلوم ہوا کہ عام کوئی کے سماع عند القبر کا مسئلہ اعتدالی ہے اور دو قول دونوں طرف میں کتاب
اسکا فیصلہ کرنا محال ہے اور دو قول کی دشمنی میں کسی جانب کو ترجیح تو دی جا سکتی ہے مگر قطعی طور پر دوسری
جانب کو باطل باطل نہیں قرار دیا جا سکتا، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی دیوبند بھی فرماتے ہیں۔

”عزمن یہ مسئلہ غلط فہم ہے، اور قول فیصل ہوتا اس میں دشوار ہے، پس عام کو سکوت
اس میں مناسب ہے۔ جبکہ علماء کو بھی اس میں تردد ہے اور دلائل فریقین موجود ہیں۔“

(فتاویٰ دارالعلوم ص ۵۳۲)

حضرت انبیاء کرام علیہم السلام اصول و نظام کا سماع عند القبر اجماعی مسئلہ ہے فقہاء کلام کا اس پر اجماع ہو
چکا ہے، ان کے سماع میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے سماع انبیاء علیہم السلام کا انکار اجماع فقہاء کا انکار ہے
اور اجماعی مسئلہ کا انکار موجب گناہ ہے، حضرت انگلہ جی ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

”یہ کرامت اولیاء اللہ سے ہوتی ہے اور حق ہے کہ کرامت خرقی عادت کا نام ہے
اس میں تردد کی کوئی بات نہیں اسکا انکار گناہ ہے کہ انکار کرامت کا کرنا ہے اور کرامت کا
حق ہونا اجماعی مسئلہ امت کا ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ ص ۱۲)

حضرت مولانا حسین علی صاحب نے باوجود یکہ عام مرقی کے عدم سماع کے قائل ہیں مگر انہوں نے اپنی
خود نوشت تالیف شہادتِ مرث کے ص ۵۳۱ و ص ۵۳۲ پر دو حدیثیں پیش کی ہیں جن سے مولانا مسلم
عند القبر کے سماع پر استدلال کیا گیا ہے ضرور فرماتے ہیں۔

پہلے حدیث :-

عن ابی ہریرۃ بن رسول اللہ ﷺ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اکثر

نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی حجر پر
سلام نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ حجر پر آبرو لانا چاہتے
ہیں حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا
ہوں۔

قال ما منكم من احد يسلم على
الا لله على راسي حق
ارد علیہ السلام -
(تحریرات حدیث منہام)

دوسری حدیث :-

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرماتے
ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے
میرے قبر کے پاس دُرود شریف پڑھا تو میں خود
سُنتا ہوں اور جس نے دُور سے دُرود شریف
پڑھا تو وہ مجھے پہونچا دیا جاتا ہے۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم من صلی عند
قبری سمعته ومن صلی علی راسی
ابستمہ - رواہ البیہقی فی شعب
الایمان مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۱
تحریرات حدیث منہام

حضرت مولانا مازوم نے یہ حدیث پیش کی ہے اور ان سے باقاعدہ استدلال کیا ہے جس سے
صاف طور پر یہاں ہے کہ حضرت مازومؒ منہ القبر سماح سلاۃ و سلام کے قائل ہیں۔
دوسری حدیث کی تحقیق نو گزشتہ اوراق میں گذر چکی ہے البتہ پہلی حدیث ما منکم اللہ کے بارے
میں بشرط طریقہ پر مازومی تحقیق پیش خدمت ناظرین ہے اس حدیث کے الفاظ البوا و دُرود شریف میں اس
طرح ہیں۔

ما من احد یسلم علی الا لله
علی راسی حق ارد علیہ
اسلام - (ابوداؤد ص ۱۵۱ و مسند احمد ص ۱۵۱)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں رواۃ ثقات (رفع الباری ص ۱۵۱) اس کے لڑی ثقت ہیں۔ اور علامہ
عزیزیؒ لکھتے ہیں اسناد حسن، (المراجعیۃ ص ۱۵۱) اس کی سند حسن ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے
ہیں صحیح الترمذی فی الاذکار (ص ۱۵۱) امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب الاذکار میں اس کی تصحیح کی ہے حافظ ابن حجرؒ

نکلتے ہیں، واتفق الا ثمة على انه يسلم عند ذواته وعلى صاحبه لعاقبة السنن عن ابي
 هرون عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال ما من رجل يتسلم على الارواح الله تعالى
 على روح حتى اراد عليه السلام وهو حديث جيد، (متمم ج ۳ ص ۱۸۷)

”حضرات ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اور
 حضرت عمرؓ کی قبروں کی زیارت کے وقت سلام کہنا چاہیے، کیونکہ سنن (ابوداؤد) میں
 حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
 قبر پر کوئی شخص بھی سلام نہیں کرنا مگر اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح (تو میرا) دیتا ہے، یہاں
 تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔“

علامہ انور شاہ صاحب اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں، روایت ثقات (مفتی الاسلام) سے
 رفتح اللہ ص ۱۸۷) منقول حدیث کی رو سے یہ حدیث باطل من اور صحیح ہے اور اس کے تمام راوی
 ثقہ ہیں۔

اس پر جو اعتراض کیے گئے ہیں اس کی ایک ایک شے باطل ہے۔

اہم سرفراز ابن قدامر الجبلیؒ نے اس روایت میں یسکر کے جملہ کے بعد عند قبر ہی کے
 الغالبی نقل کیے ہیں (مثنی جلد ۳ ص ۱۸۷) اس حدیث سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں
 ایسی حیات ثابت ہوتی ہے کہ نذر مبارک جسد اطہر کی طرف لڑائی جاتی ہے اور سلام کا جواب ملتا
 فرماتے ہیں۔

مرد، اور مذکور عثمانی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”حق بات سب کے نزدیک
 مسلمہ اور ذیل تشریح سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر
 میں حیات حاصل ہے اس لیے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ آپ کا جسد اطہر روح سے غالی
 رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دہنے کے لیے اس میں روح داخل دیتا
 ہے اس بنا پر اکثر شیعہ علماء نے درود کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی نذر پاک
 کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی و جلالی تخلیقات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی
 ہے اور یہ بات باطل ترین قیاس ہے پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور درود فرشتے کے ذریعہ

یہاں درست آپ تک پہنچتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی نعت اس طرف بھی متروک ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں پس اس روحانی توجہ اور انکسار کو درود سے تعبیر فرمایا گیا۔

(معارف الحدیث جلد ۱ صفحہ ۲۳۸)

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی ایک اعتراض کے جواب میں انکام فرماتے ہیں۔
اگر انکوائی نہ تھی فرمایا کیا ہوتا کہ آپ کا شہر بارہ پہنچتا ہے، آتی اور مٹی کے فرق سے آپ نے نہ ہول فرمایا اعلیٰ استواء کے لیے ہے اور الی نہایت طرف کے لیے ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ و سلام سے پہلے روح کا استواء نہ تھا نہ یہ کہ ہم اظہر سے باطل خارج ہو گئی تھی اور اس سے ہم اظہر کی طرف فرمایا گیا ہے۔ (مکتوبات فیض الاسلام جلد ۱ صفحہ ۱۲۳)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ارشاد فرماتے ہیں۔

”اس حیات میں خبر دیکھا جائے کہ توحید پراد ہے کہ میری توحید پر حکومت و جبروت میں مستغرق تھی جس طرح کہ دنیا میں نازل وہی کے وقت کیفیت ہوتی تھی، اس سے اتفاق ہو کر سلام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں اس کو درود سے تعبیر فرمایا کذات الصلوات“
(نشر الطیب صفحہ ۲۱۷)

حجت الاسلام حضرت مولانا محمد تقی صاحب، انور ذی قدس سرہ اس حدیث پر طویل بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”اس نصرت میں حاصل مکنی حدیث خریف کہ ہے میں لگے کہ جب کوئی نازل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پہنچتا ہے تو خداوند کریم آپ کی توحید پر توجہ کو اس حالت استعراق فی ذات اللہ تعالیٰ و تجلیات اللہ سے جو توجہ مجربیت و محبت نامہ آپ کو حاصل ہوتی ہے اپنے ہوش معاف فرما دیتا ہے یعنی مبادا حاشا نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ انہما الی اللہ سے حاصل تھا مبدل بالانسان ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے اللہ اولیٰ النفس حاصل ہوتا ہے اور اپنی ذات و صفات اور حجب کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات و صفات سے اظہر حاصل ہو جاتی ہے۔ سو چنانچہ سلام آتی ہی بھی نیل و کان متعلقہ ذات خود میں اس لیے اس سے مطلع ہو کر لوہم میں مخلوق ذاتی ہر لب کے شرف فرماتے ہیں۔“ (اسرار حیات صفحہ ۱۷۷)

اس حدیث میں ایک اشکال تو یہی ہوتا ہے کہ روح سے کیا مراد ہے ہاں کہ صحیح مطلب معلوم ہو جائیگے
بعد اس اشکال کا جواب بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ بار بار روح کا دلچسپی بنانا اور ہر سلام کرنے والے کے سلام کے
موقع پر عدد روح کا مسئلہ قائم بنانا جو سے بات تراور بخلاف حیات فی القبر کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر کلمہ روح
کا تفسیر ہے کہ اس سے پہلے جسم سے روح مناسق اور جدا ہوتی ہو۔ حالانکہ یہ بات آپ کی قبر مبارک میں
موات ستمو کے خلاف ہے ہاں اشکال اور پھر اس کے متعدد جوابات دیتے ہوئے علامہ ابن حجر مستوفیؒ نے
بھی اپنی شرح بخاری میں اس طرح کا جواب ارتکام فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

روح اشکال فیہ ان ظاہر ان	اس میں اشکال کی وجہ ہے کہ روح کا جسم
عروہ الروح الذی یقتضی انفصالہا	کی طرف عروہ اس کو چاہتا ہے کہ پہلے روح جسم
منہ عروہ الموت وقد اجاب العلماء عن	سے الگ ہو اور یہی موت ہے علامہ نے
ذلک باجوبة..... الخاصلہ	اس کے کئی جوابات دیئے ہیں..... پانچواں
یستوعق اموالہ لعل	جواب یہ ہے کہ آپؐ طاعتی کے مقامات میں
فاذا سلم علیہ وجع الیہ	مستغرق رہتے ہیں سو جب بھی کوئی شخص سلام
فہو یجیب من سلم	کہتا ہے آپ کی ترجمان اہم آپ کی طرف لئے آئے
علیہ	ہے تاکہ آپ سلام کہنے والے کے سلام کا جواب
	دے سکے۔

حدیث کا جو مطلب اکابر علماء دیوبند جہم اللہ کی عبادت میں اور پریشی کیا گئی ہے حضرت علامہ ابن
حجرؒ نے بھی اسی کو ذکر فرما کر عدد ہر پروردگار ہونے والے اشکال کا جواب دیا ہے کہ انفصال روح عن الجسد
کا جو شرط ہے ہر حدیث سے ہو رہا تھا اس کو رد فرما دیا۔ پہلے علامہؒ نے چکا ہے جس میں حضرت ابوہامض رضی اللہ عنہ
کنایت اللہ صاحب دیوبندؒ نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں زندگی کو اہستہ و العیامت
کا مذہب قرار دیا ہے۔ اور وہی اہل ہر سے روح مبارک کی مفارقت ماننے سے آپ کی حیات فی القبر کا
باطل ہوتا فرمایا ہے۔

حضرت علامہ شہیر احمد عثمانیؒ نے بھی فتح بخاری کی اس مفصل عبادت کو اپنی فتح الہم شرح مسلم میں
میں محل طور پر نقل فرمایا ہے۔

دوسرا اشکال اس حدیث میں یہ کیا ہوتا ہے میں کا بھلنا یا نہ ہونا کہ تادم انداز میں پیش کیا جاتا ہے
 کہ چنانچہ آپ پر سلام اس کثرت سے پڑھا جاتا ہے جتنا شمار نہیں ہو سکتا تو آپ اس کا جواب کیسے دیتے
 ہیں گے؟ اور کیا اس سے آپ کو عیبت نہ ہوتی ہوگی؟
 حضرت علامہ ابن حجر نے اس اعتراض اور جواب کو ان نقول میں ذکر فرمایا ہے۔

وقد يتشكل ذلك من جهة اخرى	اور اس حدیث میں ایک اور وجہ سے اشکال
وهو انه يستلزم استراق الزمان بحد	کیا گیا ہے وہ یہ کہ اس سے مادم آگے کہ
في ذلك لا تقال المدة والسم فـ	آپ کا سلام وقت ہی سلام کے جواب لڑنے
انتظار الامرين ولا يفي كثرة اجيب	میں صحت ہو جائے کہ کوئی کو زمین کے میٹھن
بان امور لا تقدر لا تدرك بالعقل	اطراف سے صلاۃ پر سلام اس کثرت سے آپ
والحال ان البرزخ اشبه بالحلل والا	پہنچتا ہے جو احادیث شمار سے باہر ہے۔
ورق مہدی ص ۲۴۴	اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ آنحضرت کے
	صحابت عقل سے نہیں پہچانے گئے
	اور برزخ کے معاملات احوال آنحضرت کے شمار میں

عقلی استبعادات :-

در حقیقت حضرت علامہ ابن حجر نے برزخ کے معاملات کو سمجھنے کے لیے نہایت ہی عجیب و
 غریب بنیادی اصول بتلایا ہے کہ احوال برزخ احوال آنحضرت کے شمار میں جس طرح احوال آنحضرت
 کو عقل محض سے نہیں پہچان سکتا اسی طرح معاملات برزخ آداب و عذاب اور سلام اور اسکا جواب
 بھی عقل محض کے ذریعہ سمجھ میں نہیں آ سکتے، مستزاد وغیرہ فرقوں نے ہی امور کو اپنی فہم و عقل سے سمجھا
 چاہا اور عقل مادی کو ان امور کے سمجھنے کے لیے معیار قرار دیا پھر جب ان کی عقل میں یہ امور نہ آ سکے
 تو انہوں نے انکا انکار شروع کر دیا اور بھل کر یہی بہت لوگوں نے مستزاد کو اپنی طریقہ اختیار کیا ہوا ہے کو اپنی
 عقل نارسا اور فہم ناقص کے ذریعہ معاملات برزخ کا انداز کرنا چاہتے ہیں اور حیرت ان کی عقل فہم
 سے اُنہی ہوتی ہے اور اس وجہ سے وہ اسکا انداز نہیں کر سکتے اس کو وہ حیرت اور بے باکی سے دیکھ

کر دیتے ہیں حالانکہ ماورائے عقل امور کے اثبات کے لیے صرف عقل کافی نہیں ہو سکتی اس کے اثبات کے لیے تو عقل سے آگے دلی کے نور کی ضرورت ہوتی ہے اسی لیے دلی اور نفس کے مقابلہ میں قیاس و عقل کے تقاضوں کو گھیر چھوڑ دیا جاتا ہے اور دلی اور نفس کا اتباع کیا جاتا ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صبح اور صبح صبحوں سے آپ کا قبر مبارک کے پاس سے سامع ثابت ہے اور اس کا جواب بھی۔ قراب ان حدیثوں کے مقابلہ میں عقلی قیاسات اور خیالی شکوک و شبہات کی کیا وقعت و حیثیت آتی رہ جاتی ہے، جن کو فنی سامع پر اس زمانہ میں عوامی طرز پر پیش کیا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ جب آپ دنیا میں دروازہ کے باہر کی آوازیں نہیں سنا کرتے تھے اور حضرت زینبؓ کی آواز بھی دروازہ سے نہیں سنی تھی تو وفات کے بعد مٹی کے ڈھیر کے نیچے کسی طرح کھنسنے میں ہدف و ذخیرہ یہ سب باتیں اور قیاسات نفس حدیث کے سامنے ناقابل مٹزل اور موقوف ہیں حضرات سنت اور انکار کرنے والی کا قلعہ غلط نہیں فرمایا اور کسی نے بھی اس طرح باطل قیاس سے سامع عند الغیر کا انکار نہیں کیا، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر کے پاس سے سلام کو سنتے پر فقہاء کا اجماع ہے۔ اسی طرح یہ کہنا اگر آپ کی حیات ہماری زندگی کی طرح ہوتی یا آپ کو سامع ہوتا تو حضرات صحابہ کرامؓ نے مسئلہ خلافت ذخیرہ امور میں نزاع کا فیصلہ آپ سے ہیوں نہیں کر لیا؟

یہ بھی درست نہیں ہے کہ حرائل تو اس حیات اور سامع کا یہ مطلب کسی کے نزدیک بھی نہیں ہے کہ وہ بیہوش یا نکل اسی ظاہری حیات کی طرح ہے اور بالکل اسی طرح سماعت فرما کر فیصلہ فرمائیں گے پھر یہ فیصلہ اس دنیا میں مسروع اور واجب العمل ہوگا، اما حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سامع تو ثابت ہے قرآن کے جواب کا سامع تو اما حدیث سے ثابت نہیں ہے،

دوسرے نزاعات اور اختلافات کا فیصلہ آپ اپنی تکلیفی زندگی میں فرماتے رہے اور آپ کی یہ حیات تکلیفی نہیں ہے اس لیے اب آپ کی یہ ذمہ داری نہیں رہی بلکہ ان اختلافات کا رفع کرنا امت کی ذمہ داری ہے اور دلی اس کی مکلف بھی ہے علیہ ایسے اجتہادی امور میں اجتہاد صحیح کے ذریعے حق کو پالینے میں اجتہاد ثواب کا استحقاق بھی جو ہے اگر ہر بات کا فیصلہ نفس سے ہی کر لیا جاتا تو امت اجتہاد اور حق کی طلب میں اسکا فانی ہونے کے اجراء ثواب سے محروم ہی رہتی۔

مگر یہ اجتہاد معترضہ قواعد و ضوابط کی مدد میں رہ کر خصوص کے دلائل و اشارات کی روشنی میں

ہوتا ہے جم ستر قواعد و ضوابط کی حدود کو توڑ کر اور ان سے آزاد ہو کر جن میں ہر مایہ نگار اس زمانہ میں
مہارتِ ساج کے مقابل میں اس طرح کے باطنی تقیسات کا انکار کیا جا رہا ہے۔ مادہ ٹکڑوں کے سامنے
قیاس بالکل داخل اور مردود ہوتا ہے۔

غیر متعلق آیات سے استدلال :-

بعض لوگوں نے ایسی آیات سے بھی عدمِ ساج کوئی پراسد دل کیا ہے جن میں غیر اللہ کی مخلوق
بنا اور ان کی عبادت کرنا اور ان کو پکارنا پھر ان کا اس عبادت اور پکار سے غافل اور بے خبر رہنا
ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً یہ آیت کریمہ

ويعبدون من دون الله مالا
يعظم ولا ينفعهم ويتولون هؤلاء
شفعاءنا عند الله

اور وہ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے
ورسے اس چیز کی جو نہ نقصان پہنچا سکے
ان کو اور نہ نفع اور کہتے ہیں یہ تو ہمارے

(پہ۔ سورہ یونس) سفارشچی ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس

اس آیت کریمہ سے ان لوگوں کے نزدیک عند التبرر استشفاع اور علی النصوص انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے لادنے الطہر پر حاضر ہو کر مغفرت کی سفارش طلب کرنا منوع ثابت ہو رہا ہے۔

اگر آیت نمبر ۱۶ میں منے دوسے اللہ سے اسنام و اوثان کے علاوہ فرشتے اور حضرت مسیح علیہ السلام
وغیرہ حضرات بھی مقرر ہو جیسکہ روح المعانی جلد ۱۱ صفحہ ۱۷۱ میں اس کی تصریح ہے تو بھی اس آیت کریمہ سے
استشفاع کا منوع ہر ناشائستہ نہیں ہوگا کیونکہ آیت میں ایسی سفارش مقرر ہے جو غائبہ عبادت نہیں ہو۔

تبر کے پاس سے سفارش کی درخواست والہاء کرنا یہ سفارش مقرر میں داخل نہیں ہے ورنہ تو
زندہ بزرگ سے بھی دعا کی التجا کرنا منوع ہوگا مگر صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور امت مسلمہ
کا تہاں ہی اس پر رہا ہے کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوگ دعا کی درخواست لیکر آتے
تھے اور آپ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے لیے دعا فرمایا کرتے تھے، ہماری شریف جہ۱ مستعد ہیں
روایت ہے کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ام زفر اسدیہ آئیں آپ سے مرگی کے
لادہ کا شکوہ کیا اور عرض کیا قادم اللہ حضرت آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ آپ نے فرمایا

کو اگر تو چاہے تو میں بیماری پر میرے اور اللہ تعالیٰ تجھے میری جنت مرحمت فرمائے گا اور اگر تو چاہے تو میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ تجھے عاقبت بخیر ہو وہ بی بی کہنے لگیں، تو میں صبر کرتی رہی اسی طرح قبر کے پاس سے جنت کو دُعا کے لیے منداشی بنانا بھی جائز ہے جیسا کہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ توکل و اعتماد کے بیان میں لکھتے ہیں۔

یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو قرب و دُعا کا واسطہ بنا کر اسے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور عزیز بنا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دلی میرے حق میں منداشی کر دے اور اللہ تعالیٰ سے میرے مطلوب کے پورا کر کے اہتمام کرتا ہے کہ وہ میری حاجت کو پورا کر دے سہا سہا میں بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہے تاکہ دینے والا اور جس سے سوال کیا گیا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے اور اس صورت میں شرک کا شائبہ تک بھی نہیں پایا جاتا جس طرح حکم کا وہم ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور نیک بندوں سے اُنکی زندگی میں کوئی توکل کرے اور دُعا کی درخواست کرے اور اللہ تعالیٰ جائز ہے۔	یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو مقرب و دُعا کا واسطہ بنا کر اسے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور عزیز بنا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دلی میرے حق میں منداشی کر دے اور اللہ تعالیٰ سے میرے مطلوب کے پورا کر کے اہتمام کرتا ہے کہ وہ میری حاجت کو پورا کر دے سہا سہا میں بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہے تاکہ دینے والا اور جس سے سوال کیا گیا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے اور اس صورت میں شرک کا شائبہ تک بھی نہیں پایا جاتا جس طرح حکم کا وہم ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور نیک بندوں سے اُنکی زندگی میں کوئی توکل کرے اور دُعا کی درخواست کرے اور اللہ تعالیٰ جائز ہے۔
---	--

نیز حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے وہ سوال و جواب مقرر

عطا کیا جائے۔

السؤال: انبیا علیہم السلام واولیاءہم و
و شہداءہم و صلوا علی مقامہم بعد موتہم شان
استدواہم ایس طرح کیا نہیں از حق تبارک و تعالیٰ

صاحب المآثر، و شیخ من شود دعا برائے
 من بکرم درست است یا نہ ؟
 بوجہ در استدلال احوال خواہ نزد قبر
 باشد یا غائبانہ بے شہادت است۔
 در زمانہ صحابہ و تابعین؟ بنور لکین اعتقاد
 است در ان کہ دعوت سنیہ است یا حسنیہ
 نیز مکمل مختلف می شود با اعتقاد طریق است
 اگر استدلال با این طریق است کہ در سوال
 مذکور است پس ظاہراً مجوز است زیرا کہ
 درین صورت اشترک نمی آید و مانند استدلال
 از مسلماء و علماء و ائمہ در حالت حیات ۱۶
 (فتاویٰ حوزہ ی جلد ۱۵۷)

استدلالاً بطریق دعا کی درخواست کرنا، سوال میں مذکور ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اس
 طریق سے رحمت سے دعا کرانے کو بھی زندہ بزرگ کی طرح جائز قرار دیتے ہیں۔
 قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرماتے ہیں۔
 ”قبور سے اس طور دعا کرنا کہ اسے صاحب قبر اس طرح میرا کام کر دے تو یہ
 حرام اور شرک بالافتقار ہے اور یہ بات کو تم میرے واسطے دعا کرو، تو اس بات میں
 اختلاف ہے، مگر بن سماع مقلی اس کو لغو ناجائز کہتے ہیں اور عمر بن سماع جائز جانتے ہیں۔
 (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱۳)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی عبارات سے واضح ہے
 کہ قبر کے پاس دعا کی درخواست کرنی اور دعا کے لیے زندگی میں دعاوات کے بعد کسی کو سننا بھی بنانا
 جائز ہے، اور شفا ماننا عند اللہ کے زمرہ میں داخل نہیں ہے البتہ غائبانہ طور پر کسی کو سننا بھی بنانا
 اسی زمرہ میں داخل ہے، کیونکہ اس سے علم غیب وغیرہ شرک و بتیہ سے پیدا ہوتے ہیں اگر یہ طلب دعا

اس آیت کا مصداق ہوتا اور شفاعت شرکیہ کے زمرہ میں داخل ہوتا تو حضرت فقہاء کرام رحمہ اللہ القبر شفاعت اور توسل کی کسی طرح اہانت نہ دیتے، بلکہ عقیدہ تمام فقہاء کرام اور ائمہ عظام اور ائمہ اربعہ سے یکوفا وافی عالمگیری تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر طلب شفاعت اور دعا و مغفرت کے جواز کے متفق ہیں، یہ اس بات کی دلائل و دلیل ہے کہ نزدیک سے طلب سنا دینا اور دعا کا اس آیت کے منہدم میں ہرگز شامل نہیں ہے اور نہ وہ شفاعت شرکیہ ہے اگر اس استشلاح میں کسی بھی آیت سے تضاد ملتا ہوتا تو حضرات فقہاء کرام اس کی ہرگز اہانت نہ دیتے۔

حضرات فقہاء کرام کے اس متفقہ فتویٰ کی بنیاد اس واقعہ پر ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتعہ بہت قلعہ پر ایک گناہوں کے رہنے والے جلیل القدر صحابی حضرت جلال بن الحارث التیمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ حضرت آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بارش برساتیں (رواق الوفا ص ۳۳۳ جلد ۲) (الہدایہ والنبایہ جلد ۲ ص ۱۸۱) ان کتابوں کے علاوہ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ نے بھی اپنی کتاب تحریرات حدیث میں ص ۲۵۷ پر اس کو نقل کیا ہے فتح البہدی شرح بخاری ص ۱۳۱ جلد ۲ میں اس واقعہ کی سند کو صحیح فرمایا ہے اس واقعہ کی تفصیل آگے بھی آ رہی ہے۔

(شاید یہ وہی بزرگ صحابی ہوں جنہوں نے غلبہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا و توسل کی درخواست کی تھی) بہر حال اس واقعہ سے اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ ان صحابی نے زندگی اور وفات میں فرق نہیں کیا بلکہ زندگی کی طرح ہی وفات کے بعد بھی دعا کی درخواست پیش کرنے کو جائز سمجھا۔

جب حضرت عمرؓ خنیزہ دگر صحابہ کرامؓ نے اس کی تصویب فرمائی اور اس کو جانگیر جائز رکھا تو ثابت ہوا کہ یہ واقعہ کسی انصاف اور شرعی قاعدہ کے خلاف نہیں ہے اب اگر کوئی شخص اس کو قرآنی کریم کی کسی نص کے خلاف سمجھتا ہے تو وہ یقیناً غلطی پر ہے کیونکہ جس طرح کی قرآن کریم کی سب سے اہم حضرات صحابہ کرامؓ کو موعظہ بعد میں آنیوالوں کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔

اس آیت کا یہ ہے بھی عدم سماج مرقی پر استدلال کیا جاتا ہے۔

ومن اضل ممن یحییٰ من دون الله شئاً یحییہ ۱ اور اس سے پہلے کہ کون ہے؟ جو کچھ اس سے

لہ الم یوم القیہ وہم عن دعاہم غافلون ہ
اللہ کے سوالیے کو کرد پہنچے اس کی
پکار کو دن قیامت تک اور ان کو خبر نہیں

ان کے پکارنے کی ؟

قاضی بیضاویؒ وہم عن دعاہم غافلون کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

لانہا اما جمادات و اما عباد مسخرون مشغولون باحوالہم
اس لیے کہ وہ یا تو جمادات (سبت) ہیں اور یا تابع
فرمان بندے ہیں جو اپنے اعمال میں مشغول و
مشغول ہیں۔ (تفسیر بیضاوی ص ۳۴)

اس سے واضح ہوا کہ جن کو پکارا جاتا ہے یا تو وہ جمادات ہیں ان میں سُنتے کی صلاحیت ہی نہیں
یا وہ اگر فرمانبردار بندے ہیں قرآن کی عظمت اور عدم سماع اس لیے نہیں کہ وہ سُنتے نہیں اور ان میں
سُنتے کی اہلیت نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مشغول بندے ہیں اس لیے پکارنے والوں کی پکار سے غافل
اور بے خبر ہیں کہ وہ اپنے اعمال میں مشغول ہیں اور پکارنے والوں کی پکار کی طرف ان کی توجہ اور التفات
بھی نہیں قرآن کا نہ سنا جو ہم عدم توجہ اور بے التفاتی کی وجہ سے ہے ۔

اور حضرت قاضی شمس الدین صاحب پانی پتیؒ بھی اسی طرح فرماتے ہیں۔

لانہا اما جمادات لا یسمع ولا یفعل و اما عباد مسخرون مشغولون
یا تو وہ جمادات ہیں اس لیے کہ وہ نہ سُن سکتے
میں نہ سمجھتے ہیں اور یا وہ فرمانبردار بندے
ہیں جو اپنے حالات میں مشغول ہیں جیسے
حضرت مولانا حضرت عزیزؒ اور فرشتے
(ص ۳۴)

(علیہم الصلوٰۃ والسلام)

حضرت حکیم الامت ممتازیؒ لکھتے ہیں۔

”جمادات تو بوجہ عدم قوت سماع کے اور ذوات الارواح میں باری معنی کو نہیں سمجھنے
کے کفر مستحق تھے کہ سماع لازم و دائم اور مضبوط ہو سکتی ہے۔“

(ریان انوار ص ۳۳)

علامہ اکرسی بغدادی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

لَا يَسْمَعُونَ وَلَا يَرَوْنَ أَعْمَانِ
 كَانَ الَّذِينَ جَاءُوا أَخْطَاءَهُمْ وَأَمَّا
 ابْنُ كَارَانَ مِنْ ذَوِي الْعُقُولِ فَإِنَّ هَٰذَا
 مِنَ الْمُتَقَبِّلِينَ الْمُتَقَبِّلِينَ عِنْدَ اللَّهِ
 تَعَالَى فَلَا شَيْءَ تَعَالَى خَلْكَ
 بِمَا هُوَ خَيْرٌ مِنَ الْخَيْرِ وَهُوَ
 فَعَلْ لَيْسَ مِنْ شَأْنِهِ الَّذِي
 قَبِلَ أَنْ يَسْمَعَ دَعَاءَ الدَّاعِي
 لِلْبَعْدِ مَضْمُونٍ عَلَيْهِ الْعَمَلُ وَالْعَمَلُ
 الْيَوْمَ أَلَا إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَسْمَعُ
 عَنْ سَمَاعِ ذَلِكَ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مَا
 لَا يَرْضَى اللَّهُ تَعَالَى بِإِلَهٍ لَوْ يَرْضَى
 وَإِنْ كَانَ إِيَّاهُ اللَّهُ تَعَالَى كَثِيرًا
 الْحَمْدُ وَالْأَنْسُ الَّذِينَ هُمْ وَمَنْ
 حَمْدُ اللَّهِ فَإِنْ كَانَ مَتْنًا فَلَا تَجْعَلْ
 بِمَا هُوَ قَبْلَهُ مِنَ الشَّرِّ قَوْلَ لَنْ
 السَّيِّئُ لَيْسَ مِنْ شَأْنِهِ السَّمَاعُ
 وَلَا يَتَعَقَّقُ مِنْهُ سَمَاعُ الْإِمَامِ
 لَسَمَاعِ أَهْلِ الْقَلْبِ هَذَا
 الْكَلَامُ تَقْدِيمُ بَعْنَهُ وَإِنْ كَانَ جَانِبًا
 كَانَ بَعِيدًا مَشْهُورًا لَمْ يَكُنْ هُوَ
 كَانَ قَرِيبًا يَعْلَمُ الْعَاشَةُ فَتَقِيلُ
 الْكَلَامُ بِالسَّبَبِ الْبَدِيدُ تَأْوِيلُ

نہ سُننے میں نہ دیکھ سکتے ہیں اس لیے
 کہ اگر وہ مجاہد ہیں تو کفار ہیں اور اگر ذوی
 العقول ہیں تو اگر وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور
 مقرب ہیں تو وہ آرام و راحت میں مغرور
 ہونے کی وجہ سے اس کاروائی سے بے خبر
 ہیں اور بارہ ایسی جگہیں ہیں جہاں کوہ
 سے اس میں رہنے والی کی شان ہے کہ
 پکاسنے والے کی پکار کو وہ بھی کی وجہ سے
 وہ نہیں سُننے جیسے آج کے دلی حضرت علی
 علیہ السلام اور ایسے کہ اللہ تعالیٰ اس کے
 کانوں کو اس سے منقطع رکھتا ہے کیونکہ
 اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا ہے کہ
 اس ناپسندیدہ بات سے ان کو ذکر پہنچائے
 اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں میں سے ہیں
 مثلاً شیطان الانس والجن جس کو کہ دو ان
 سے تیسرے کا کیا ہے تو اگر وہ مجاہد ہیں تو وہ
 اپنی تکلیف میں مبتلا ہیں (لَمْ يَكُنْ هُوَ)
 اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس لیے غافل
 ہیں کہ نسبت کی شان ہی سے سماع
 نہیں اور اس سے سماع ممکن نہیں ہو
 سکتا، مگر معجزہ کے طور پر یہاں کہ عیب
 دروہوں کا سماع اور اس میں کام ہے
 انکا بعض سمت پہلے گزرتا تھا اور اگر وہ

الغفلة بعدم السباح على التقلب
 زندقہ میں اگر وہ شلاً دور میں تو ساحل پہل
 لحدہ هذا الصنف۔
 خارج ہے اور اگر وہ قریب ہوں تو کہا گیا ہے
 کہ انکی نسبت یہ کام بعد اس کے کثافت سے
 مبرا صم سلع ہر تعظیم پر ہے کیونکہ قسم ہاکی
 نادر ہے؟

اگر وہ قریب ہو اور اس کے پاس کسی صحیح مسلم ہوں اور غافلین کے معنی میں عدم سلع لیے ہا میں تو جو غافل
 اقام کے مقابل میں یہ قسم کم اور نادر ہے تو نتیجہ اقام (جہاد و عقول الہی ہرگز خوشی میں مشغول) اور دور رہنے والے دور ہے
 ہرگز اپنی تکلیف میں مبتلا ہونے والے (غیر) کے خلاف سے تنبیہ پر ارشاد ہوا ہے کہ سب غافل اور بے خبر
 میں ماحول کو قریب والوں کو خبر ہوتی ہے تو تنبیہ ان سے بھی نفی کر دی گئی۔

اسی طرح منہ دیتے ہیں بھی تعظیم ہے ذوالعقول کی غیر ذوی العقول پر کیونکہ منہ
 تعظیم میں ذوی العقول کے ساتھ غیر ذوی العقول جہاد بھی شریک ہیں اس کے باوجود جس لا استعمال
 تفویہ کیا گیا ہے ہر ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔

اومی قریب ہر اور اپنی کسی ضرورت اور غرض میں منہمک ہو تب بھی بات نہیں سنتا قریب سے
 بھی بات سُننے کے لیے توجہ اور التفات کی ضرورت ہوتی ہے۔

دعا اور پیکار کی تفصیل :- دعا اور پیکار نا وغیرہ انفا و تنفیل طلب ہیں اللہ ان
 سے کہنے والے کی یہ مراد ہر کہ صاحبِ قبر یا زندہ شخص ہماری حاجت اور مراد کو پوری کرتا ہے تو یہ دعا
 اور پیکار منوع اور شرک ہے اس لیے اگر کوئی شخص زندہ جہاد یا وفات یافتہ سے اولاد و سنت یا ایسی
 چیز طلب کرے جو عالم اسباب میں اس کے اختیار میں نہیں ہے تو یہ شرک ہے غرضیکہ جو چیز شرک ہے
 وہ زندہ کی میں بھی شرک ہے اور وفات کے بعد بھی شرک ہے اور شرک اسی ضرورت میں ہے جبکہ اس
 زندہ یا وفات یافتہ سے اپنی حاجت برآوری اور اپنی مراد کو طلب کرے یہاں حضرت مولانا رشید احمد صاحب
 لکھتے ہیں "نہ فرمایا ہے کہ تم نے اس طور دعا کیا کہ اے صاحبِ قبر میرا کام کر دے میرا کام کر دے تو یہ
 حرام اور شرک و اتقاق ہے (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۱۱) اور فرمایا "دوسرے یہ کہ صاحبِ قبر سے
 کہے تم میرا کام کر دو، شرک ہے خواہ قبر کے پاس سے کہے یا غولہ قبر سے دور کہے؟"
 (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۱۱)

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پالی پٹی فرماتے ہیں۔

”وَعَالَمُ الْإِسْلَامِ خَرَّاسٌ حَرَامٌ اسْتِوَاؤُهُ مُسْتَحْلَبٌ“ وہاں سے کرنی حرام ہے

اور حضرت مولانا امین علی صاحب برزوم عسکری حرمین سے نقل کرتے ہیں کہ

”وہ لوگ جو انبیاء اور صالحین کو بے حرمت نزدیک سے پکارتے ہیں وہ مشرک ہیں (تفسیر بے نظیر ص ۳۰)

اس دُعا سے بھی یہی مشرک اور دعا ٹوڑ دے جیسا حضرت گھڑی کے قادیانی کے حوالہ سے اُپر ذکر کیا

گیا ہے کہ ان حضرات سے اپنی مراد اور حاجت برآوری کے لیے عرض کیا جائے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ بھی اس طرح کی پکار اور دُعا کو مرتب خطبات فرماتے ہیں لکھتے ہیں۔

”البتہ عوام کا اس استغاثہ واثبات کا حکم ماہر و غیر صرف مسئل فی الامور بکھتہ میں مرتب خطبات ہے۔“

(الحکف ص ۴۲)

حضرت تھانویؒ توسل کے مسئلہ میں کام فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

”توسل بالخلق کی تین تفسیریں ایک یہ کہ خلق سے دُعا کرو اور اس سے استجاب کرو جیسا مشرکین کا طریقہ

ہے اور یہ جامع حرام ہے (ابواب التَّوَدُّعِ ص ۱)

حضرت قاسم العلوم والذیات مولانا محمد قاسم صاحب تالوڑیؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

”مگر ہر محرم حاجت اور مستثنیٰ محتاج الیہ کا پکارنا عبادۃ استہزاء ہے اور حرام اپنے خیال خام میں اولیاء کو

قائد اور شرف یعنی خنی اور ملک الیہ بکھتہ ہیں؟“ (تہال قاضی ص ۱۰)

بہر حال اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی بھی شخص کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھ کر اس کو پکار کر فخر و راز سے

بھی وہ ہماری پکار شستا اور ہماری حاجت روائی کرتا ہے منہج اور شرک ہے۔

اور یہی وہ دُعا ہے جو مشرکین کا طریقہ تھا اس دُعا کی قرآن کریم کی آیات میں ممانعت آئی ہے

اور ان کی اسی دُعا خاص سے غفلت اور بے خبری کا بیان وہم عن دعائهم غافلون میں آیا

گیا ہے۔

اسی طرح آیت ”وَلْيَوْمَ نَخْتِفُهُمْ جَمِيعًا مِمَّنْ أَنْ كُنَّا مِنْ عِبَادِهِ لَمُعْتَلِبِينَ“ کا مطلب بھی

یہی ہے کہ ان کی اس خاص عبادت سے غفلت اور بے خبری تھی لہذا ہر جے کہ سجدہ کرنے طرف

کرنے، تدریجاً دینے یا دور دراز سے غائبانہ پکارنے کی ان کو کیا خبر ہوتی؟

انکی تفصیل اور پروردگار کی ہے کہ وہ مومنین غافل اور بے خبر ہوتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ اسی گناہ عن عباد تصح لفقہین کی تفسیر میں کہتے ہیں اور ان کا غافل ہونا ان کی عبادت سے غافل ہونے کا واسطہ کرنا ہے کہ یہاں شکر و تقابیر سے گریاں نہیں ہے اور اگر وہ سبوروں میں غفلت کا شکار ہو کر غافل ہو جائیں تو یہی غافل ہونا ہے۔ کیونکہ علم کا شکار وغیرہ کا عیب نہیں ہے اور سب اپنے اپنے کام میں لگے ہیں اور یہاں القرآن جلد ۸ ص ۱۷

ان آیات کا مفہوم تفسیر مذکورہ کی روشنی میں یہ ہوا کہ جیسی پکار اور میں طرح کی خبر کے کفار معتقد تھے وہ ہنسی ہے۔

اسی طرح آیت ذیل کا مطلب ہوگا۔

ان تدعواہم لایسمعا دعاءکم
ولو سمعوا ما استجابوا لکم
الآیۃ۔

اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہیں نہیں سنا دے گا
اور اگر سن بھی لیں تو تمہارے کام پر پہنچ نہیں
(اور تمہارا کام نہیں)

حضرت قاضی شمس الدین صاحب پانی پتی حنفیؒ کہتے ہیں۔

ان تدعواہم نقضاً ما جاءکم لا
یسمعوا دعاءکم لانہا دعوات
ولو سمعوا علی سبیل الغرض ان علی
تقدیر کون بعضہم ذائقہ کا بلین
ما استجابوا لکم لعدم تدوہم علی
الافتاح اور لیتوہم دعوات تدعون
لہم من الالوہیۃ عیسوی
وعن بنی والملائکۃ

اگر تم ان کو پکارو پانی پتی صاحبیت برائی کے
یہ کہہ کر نہیں وہ تمہاری پکار کو نہ سنا دے گا
میں اور اگر وہ تمہاری پکار سن بھی لیں غرض
طوریہ یا اس صورت میں کہ ان میں سے
بعض ایسے کی طرح شعور والے ہیں جو پکار
سکے تمہارے کام پر کچھ عذر ان کو ملے پہنچنے
کی قدرت نہیں اور یا اس لیے کہ وہ تم سے
اور تمہاری اس کاروائی سے کہ تم ان کیلئے

الزہدیت کا دہلی کرتے ہو نیز انہی
جیسے حضرت عیسیٰ حضرت عزیر اور فرشتے
میں ہم الصلوٰۃ والسلام،

(تفسیر مشکوٰۃ جلد ۸ ص ۱۷)

اس تغیر سے ثابت اور واضح ہے کہ دُعا دارِ پیکار کے شخص کی نفی اس آیت کریمہ میں لایسوا سے کی گئی ہے اس سے مُراد وہ دُعا دارِ پیکار ہے جو اپنی حاجت برآری کے لیے ہر اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ بالغرض اگر وہ اس کو سن بھی لیں تو بھی تمہارے کام کو انجام نہ دے سکیں گے یعنی قطعاً جو پہنچانے پر قدرت نہ ہونے یا تمہارے دعوئی الوہیت سے بیزار ہونے کی وجہ سے تمہاری مُراد کو پورا نہیں کریں گے۔

اگر تسلیم کر لیا جائے کہ العبرۃ لعلم اللفظ لا لخصوص العود کے قاعدہ سے آیت میں دُعا کا مطلب عام ہے اور جو آیت کے کئی ہونے کے مشرکین مگر ہی میں مخاطب کو منحصر دُعا کیا جائے اور دعو میں بھی بت اور غیر بت سب لازم مراد لیا جائے، تو بھی دُعا سے مُراد خاص دُعا ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ جو چیز تم ان سے طلب کرتے ہو اور اپنی جس حاجت برآری کے لیے الہ کو پکارتے ہو تمہاری ہی خاص دُعا اور پیکار کو نہیں منی سکتے اور تمہاری حاجت کو پوری نہیں کر سکتے شاید اس لیے دُعا کی مطلقاً نفی نہیں فرمائی اور ضلال میں نہیں فرمایا لایسوا اور عباد بلکہ دُعا کو کم ضمیمہ مخاطب کے ساتھ متفقہ فرما کر دُعا مشق کی نفی فرمائی گئی ہے اور قاعدہ ہے کہ نفی خاص نفی عام کو مستلزم نہیں ہوتی اس لیے اس ساتھ خاص اور مشق کی نفی سے سماع عام اور مطلق کی نفی لازم نہیں آتی،

مرشدی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب اپنی بے تغیر تالیف ”اعلام القرآن“ میں ارشاد فرماتے ہیں:

بستدل بہ علی عدم سماع

السبق علی احتمال ان یکون الخطاب

مع عبدة الملائكة و عیس

ومن یز علیهم السلام فانہ تعالیٰ

یقول لا یسعدوا مکرراً فالحق

ان الآیة لا تمنی مطلق سماع

الموتی بل سماع الخاص من

انفراد مخصوصة وهو سماع دعا

المشركین من الذین عیدوهم

وَأَنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ نَفْسِي الْعَامِسُ لَا

يَسْلَمُ نَفْسِي الْعَامِ فَبَقِيَّتِ مَسْئَلَةٌ

نَفْسِي سَبَّاحُ الْمَوْقِفِ مُحْتَمَلَةٌ

لَوْ جِئْتَنِي

اور حضرت مفتی صاحبؒ اپنی تفسیر حاشیہ اشراک میں اسی آیت ان تَدْعُوهُمْ لِأَيْسَعُوا مَا كُنَّ
الآيَةُ كَقَوْلِكَ تَكْتُمُ مِثْلَ -

”یعنی یہ بت یا بعض انبیاء یا فرشتے بن کو تم خدا بھر کر پستش کرتے ہو اگر مصیبت کے وقت
پکارو گے تو اللہ تمہاری بات سن ہی دے گا کیونکہ تمہوں میں تو سننے کی صلاحیت ہے یہی نہیں انبیاء
اور فرشتوں میں اگرچہ صلاحیت ہے، اگر وہ نہ ہو تو موجود میں نہ ہو ایک کے کلام کہ سننے میں آگے فرمایا
”اگر بعض وہ سنی بھی ہیں جیسے فرشتے اور انبیاء تو میری بھی وہ تمہاری درخواست پوری دے گا
ان کو خود قدرت نہیں اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس سے کسی کی سفارش نہیں کر سکتے (۱۰ ص ۲۳۳)
معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ میں مصیبت کے وقت کی ایسی پکار کے سماع کی نفی کی گئی ہے جو
غیر اللہ کے ہر جگہ موجود ہونیکے متینہ و پر مبنی ہو اور وہ اپنی مصیبت کے وضع کرانے کی عزت سے ہر بھی
خاندانہ و بیاد و شرک کا طریقہ تھا اسی دعا کو والدین تَدْعُوْنَ مِنَ دُونِ اللّٰهِ مَا يَكُونُ مِنْ تَطْيِیْرٍ ...
وغیرہ آیت میں منع فرمایا گیا ہے۔

اور ان تَدْعُوهُمْ لِأَيْسَعُوا مَا كُنَّ اسی دعا کے سننے کی نفی فرمائی گئی ہے، اس آیت
میں نہ تو مطلقاً دعا اور پکار کو منع فرمایا گیا ہے، اور نہ ہی مطلقاً دعا کے سننے کی نفی فرمائی گئی ہے۔

خلاصہ بحث :-

قبر کے پاس سے عام موتی کے سننے میں مسافر کے زمانہ سے ہی اختلاف پیدا کر لیا ہے البتہ
سماع انبیاء علیہم السلام میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس پر سب کا اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی
خبر کے پاس سے سننے میں جیسا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ
”مسئلہ سماع موتی کا قرن اول میں مختلف ہوا ہے اب اس کا فیصلہ تو ممکن ہی نہیں مگر بتقلید اپنے

مجتہد مسلک ترمذی کی جانب اگر کوئی میلان کرے تو مضائقہ نہیں۔ بحث کے آخر میں فرماتے ہیں۔
 ”الحاصل راجح مذہب عدم سماع لا ہے، حسب قواعد لسانی احادیث سماع میں تاویل مناسب ہے۔
 ورنہ دوسری جانب بھی مذہب ترمذی ہے۔ (لطائف رشیدیہ ص ۱۷۱)

السلام علیہم و آلہم الصلوٰۃ کی تفسیر میں حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں۔

”اس حدیث کے ظاہر سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جو سماع موتی کے
 قائل ہیں، ان میں حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی ہیں، علاوہ ان میں ان کا استدلال
 اور روایات سے بھی ہے ۶۱ (المکمل الدوری جلد ۱ ص ۱۷۲) اور جو حضرات سماع موتی
 کا انکار کرتے ہیں، ان میں حضرت عائشہؓ حضرت ابن عباسؓ اور امام ابوحنیفہؒ ہیں۔

”سماع موتی کا مسئلہ بھی مساجد کے وقت سے منقطع نہیں ہے، سلام کرنے کو کوئی مانع
 نہیں کرتا، بہر حال یہ مسئلہ قطعاً ہے اس میں بحث مناسب نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم
 رشیدیہ گنگوہی مفتی مدظلہ العالی رشیدیہ ص ۱۷۲)

اور استقامت کے معنی یہاں یہ کہتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ میں تمہاری
 بیزار کام کر دوں، اس میں اعتکاف لکھا ہے، احمد ز سماع موتی اس کے جواز کے مترقی
 اور مانعین سماع منع کرتے ہیں، سوا کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء علیہم السلام
 کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کہا ہے اور دلیل جواز ہے
 کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت حضرت کا عرض کرنا
 لکھا ہے، پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۷۱-۱۷۲)

حضرت گنگوہیؒ اس سوال کے جواب میں کہ جب سماع موتی کے حضرت امام صاحب
 قائل ہیں پھر فقہاء حنفیہ یقیناً یہ کہیں کر رہے ہیں؟ فرماتے ہیں۔

”مسئلہ سماع میں خفیہ دایم حقیقت میں اور روایات سے ہر دو مذہب کی تائید
 ہوتی ہے، ایسے یقین اسی مذہب پر مبنی ہے کیونکہ اول زمانہ قریب دینی کے بہت
 روایات اثبات سماع کرتی ہیں اور حضرت امام اعظمؒ سے اس باب میں کچھ منسوی نہیں

اور روایات جو کچھ امام صاحب سے آئی ہیں: (نفاذی رشیدیہ ص ۱)

دارالعلوم دہلیہ کے مفتی حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب کئی سوالوں کے جواب میں بھی ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ امام صاحب جو صوفی تھے کسی شخص کو کسی قبر پر اہل قبر سے کلمہ عربی سرور میں کہتے دیکھا اور فرمایا کہ تو ایسے سے انہماک کرنا ہے جو سن بھی نہیں سکتا، فرماتے ہیں۔

”سماع موتی میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہؓ کے زمانہ سے ہے، بہت

سے اندر سماع موتی کے قائل ہیں اور حنفیہ کی کتب میں بعض مسائل ایسے موجود ہیں جن

سے عدم سماع موتی معلوم ہوتا ہے مگر امام صاحب سے کئی تصریح اس بارہ میں نقل نہیں

کرتے اور استدلال عدم سماع کا اہمیت قَدْ لا تُبَحِّثُ المَوْتِ غیر سے کہتے ہیں

اور محدثین کا استدلال حدیث، ما اُتِمَّ بِاصْحٰبِہِمْ اَلْحَدِیْثُ اور حدیث سماع قریب فعل سے

ہے، اور اہمیت ذکر کا ”جراب دیتے ہیں کئی سماع قبل کی ہے فرض یہ مسئلہ غفلت فی

ہے اور قول فیصل ہذا اس میں دشوار ہے پس عوام کو سکوت اس میں مناسب ہے مگر علماء

کو بھی اس میں تردد ہے اور دانی فریقین موجود ہیں اور بیکو سماع موتی میں اختلاف ہوا اس

میں بھی ہوا کہ بعض مکتبہ دین کے حضرات پر اس طرح دعا کرنا کہ اَللّٰہُمَّ تَقَبَّلْ سے دعا کرنا کہ

میری غفلت حاجت پوری فرما دے یہ بھی غفلت فیہ ہوگا، البتہ احوال یہ ہے کہ اس طرح

دعا کر کے کرنا اللہ اپنے اس نیک بندہ کی برکت سے میری دعا قبول فرما اور میری

حاجت پوری فرما“ (نفاذی دارالعلوم دہلیہ ص ۱۲۱)

حضرت صدر محمد انور شاہ صاحب شیرازی فرماتے ہیں۔

باب قول البیت وهو علی الجوازۃ باب اس میں کہ سرور چار پائی پر پڑنا، ماحکب

قد مرفوع واعلم ان مسئلۃ کلام ہے چھٹا کلمے چار ہانا چاہیے کہ

البیت مسامح واحدۃ والکمر حاشیۃ منیت کے کلام کرنے اور اس کے سماع

المصروف رسالۃ غیر مطبوعہ کا مسئلہ ایک ہی ہے، اور اس وقت خطیوں

علیٰ القاریۃ ان احدا نے اسکا نسخہ کیا ہے اور حضرت علیؓ قادی

من الاستخفاف یہ صوب الی کے ایک غیر مطبوعہ نسخہ میں ہے کہ ہمارے

انکشافات میں سے کوئی بھی انکشاف
کے مندرجہ کی طرف نہیں گیا۔ تحقیقی بات یہ ہے
کہ فقہاء نے باب الایمان کے ایک مسئلہ
میں عام سماع مرقی کا استنباط کیا ہے اور
وہ مندرجہ ہے کہ ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ
میں نے کوئی کام نہیں کرے گا مگر اس نے اس
سے اس کے ذہن پر نیچے بعد کہا کہ تو مانتا
ہے کہ اگر کوئی تیری فریاد میں کہ اس سے
عام سماع مرقی ثابت نہیں ہوتا یہ کہی جلتی
لے کہا ہے جو غرضیں لازمہ عامہ میں ہے
اور اہل حق اس کو کام نہیں کہتے الا

پھر اگر فریاد میں

فلا تکرہ فی غیر حملہ سیمانی
لو یقتل عن احد من
اشیتا ورحمہم اللہ تلافی غلبہ بالشرع
السماع فی الجملة ،
فیض الباری جلد ۲ صفحہ ۴۹۹

ان حضرات کی عبارات اس سے واضح ہو رہی ہے کہ عام سماع مرقی (غیر انبیاء مطہرین) کے مندرجہ
میں عام سماع سے ایک امتیازی چارہ ہے اب اس کو اجماعی قرار دینا ہرگز درست نہیں، حضرت امام
ماریؒ حضرت گلوکیؒ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ مولانا محمد شفیع صاحبؒ کے ارشادات کے
مطابق ہمارے اثرات اس سے اس بارہ میں کچھ متقل نہیں ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے جو روایت
مستولہ شافریہ اس لیے تادیب کے ہیں بلکہ اگر حکمران سماع مرقی حضرت امام صاحبؒ کی طرف
نسبت کرتے ہیں تو گنہگار ہیں۔

استشفاع از قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرنا اور کہنا کہ حضرت آپ میری مغفرت کی شفاعت فرمائیں، جائز اور درست ہے۔ اسکا ثبوت غلیظہ راشدہ حضرت عمرؓ کی مائید اور صحابہ کرامؓ کے ایک گونہ اجماع سے ہوتا ہے۔

وقد یحییٰ التوسل بہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد الوفاۃ بمعنی طلب ان یدعوکم کما کان فی حیاتہ وذلک لقیما ودی البیہدق من طریق الاصل عن ابی صالح عن مالک الدارود اور ابن ابی شیبہ یستصحیح عن مالک الدارقانی اصحاب الناس فخط فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فجاہد رجل من قریب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ استسئ اللہ تملک لاسک فانہم قد ہکوک فاقا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقال انت عمر فانت کوہہم واخبرہم مستوفی المادی سیف فی الفتح ان الذی راہی المنام الذی کوہہم بن الحارث المزنی بعد العصاۃ ومنہ اللہ تعالیٰ ہم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کی اس معنی میں ہوتا ہے کہ آپ سے دعا طلب کرے صیاد کہ آپ کی حیات میں متاثر ہو گیا کہ امام سہمی نے بطریق اعلیٰ من الی صالح عن مالک الدارود روایت کی ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ مالک الدارود سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے غلام میں لوگ قتل میں مبتلا ہوئے ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس گیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ اے عثمان سے اپنے اہل قریب کیلئے بارش طلب فرمائیں وہ خاک برچکے میں آ کر خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے کلمات کی تکرار فرمائی کہ تو عمرؓ کے پاس جا اور اسکو سلام کہہ اور اس کو خبر دے کہ ان پر بارش نازل کی جائے گی..... مگر سینے نے اپنی کتاب فتوح میں ذکر کیا ہے کہ میں شخص

سب راوی ثقہ ہیں، علامہ سہروردیؒ بھی اس روایت کو صحیح کہتے ہیں، (تفصیل کے لیے لیکن الصدور ص ۲۲۵) علامہ کریبا

صحیح سند کیا تھا ثابت شدہ اس واقعہ سے ثابت ہے کہ حضرت بلالؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر استشفاع کیا اور دعا طلب کی اور غلیظ لاشہ حضرت عمرؓ خیز روئے صحابہ کرامؓ کی تائید اور تصویب اس کو حاصل ہے، تو اب استشفاع عند القبر کے جواز و استحباب میں کیا کلام رہ گیا؟

یہ واقعہ اس عمل کے جواز و استحباب پر کافی دلیل ہے اسی لیے فقہ کرام نے مناسک حج و ادب زیارت مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے استشفاع اور طلب دعا کو بیان کیا ہے یہ مسئلہ تقریباً فقہ کی ہر کتاب میں ملے گا۔ ان میں سے چند کتابوں کی عبارتوں کا حوالہ لگے گا رہا ہے۔

اس واقعہ کا تذکرہ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ نے بھی اپنی کتاب "تحریرات حدیث میں اس طرح فرمایا ہے۔

امام سیوطیؒ اور ابن ابی شیبہؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت بلال بن المہدیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آئے اور فرمایا یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش طلب فرمائیں کیونکہ وہ جاک بوسکی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ای کی فرمایا میں نے اور ان کو خبر دی کہ بارش ہوگی۔	ودعی السیاق وابن الجبیبہ ابن بلال بن العاصی رضی اللہ عنہ جاد الح قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا رسول اللہ استسئ لامتک فانعم علیک فانما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام و اخرج انہم مسنون۔
---	---

(تحریرات حدیث ص ۲۵۵)

واضح رہے کہ اس واقعہ میں علامہ سہروردیؒ کے ارشاد مذکورہ کے مطابق عمل استشفاع اور دعا اور استدلال حضرت بلال بن المہدیؓ کا یہ عمل ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر طلب استشفاع اور بارش کے لیے دعا کی درخواست فرمائی ہے علاوہ ازیں اس پر کسی

صحابی کا حجرہ کرنا بلکہ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی تائید اور تصویب کرنا یہ بھی اس محل کے جواز اور استحباب کی کافی دلیل اور قوی حجت ہے۔ حضرت فقہاء کرامؒ کو جواز اللہ تعالیٰ کے لئے بھی حضرت عثمانؓ کے اس محل پر ہی مبنی ہے جس کی حضرت عمرؓ اور دوسرے حضرت صحابہ کرامؓ کی تائید حاصل تھی۔
غرض کہ حاضری روزہ اللہؓ کے وقت قبر مبارک کے پاس سے شفاعت کی درخواست پیش کرنا بھی اس پر مبنی ہے کہ قبر شریف میں آپ زدم میں اور شفاعت کی درخواست بغیر قبض آپ خود کئے میں۔
حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں۔

”انبیاء علیہم السلام کے سماں میں کسی کو خلافت نہیں اسی درجے اور مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا مزمین کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔“ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۸۰)
برکتِ نیک کے علاوہ عظام اور عمارت فقہاء کرامؒ کا روزہ اللہؓ کی حاضری کی وقت درخواست شفاعت پیش کرنے کی تسلیم دینا اور ہر ملک کے کارِ ملا کا دوبارہ مناسک حج اپنی مشیر و مستند کرنا بھی اس کو بیان کرتے ہیں۔ آقاؐ حضرت علیؑ علیہ السلام کے سماں عند القبر پر فقہاء کے اجماع کے مترادف ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت گنگوہیؒ سماں انبیاء علیہم السلام کا جماعتی مسئلہ قرار دے رہے اور ارشاد فرمادے ہیں کہ

”انبیاء علیہم السلام کے سماں میں کسی کو خلافت نہیں“ (فتاویٰ رشیدیہ)
معلوم ہوا کہ علماء کا جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف غیر انبیاء کے متعلق ہے، متفق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام النخعیؒ کا وہ زیارت روزہ اللہؓ کے لئے ہے۔

ثم یشال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	پھر حضرت علیؑ علیہ السلام سے شفاعت
الشفاعة فیقول یا رسول اللہ اشفنا	کا سوال کرے پس کہے اے اللہ کے
الشفاعة یا رسول اللہ اشفنا	دعوت میں آپ سے شفاعت کا سوال کرنا
الشفاعة وانه من یطلب الی اللہ	ہوں یا رسول اللہ میں آپ سے شفاعت
فی ان امرت مسلماً علی ملکک	کی درخواست کرنا ہوں اور آپ کو توفیق

وستك، ويزكحل ماكان من
قبيل الاستطاف والرفق
کھر بہاں بطور دیر پیش کرتا ہوں اگر دیر
چے کہ بات اسلام آپ کی قت اور
شت پر رول، اور ہر چیز کا ذکر اسے جو
شت و دھرم کے قبیل سے ہو،

اور ایضاً کے بحر الشفاعة کی شرح میں علامہ اسید اللہ طہاوی لکھتے ہیں۔
ان مطلب منك الشفاعة (طہاوی منہ) ہم آپ سے شفاعت کرنے کی درخواست
کرتے ہیں۔

حضرت محمدؐ زبدۃ الناسک میں بھی اسی طرح انتہام فرماتے ہیں۔

”پھر حضرت علیؑ علیہ السلام کے واسطے سے دعا کرتے اور شفاعت چاہتے کہ“

یا رسول اللہ استك الشفاعة
والوصول اليك الخ
ان اموت مسلماً على مطلقك و
منتك (زبدۃ الناسک)
اے اللہ کے رسول میں آپ سے شفاعت
کا سوال کرتا ہوں اور آپ کہ اللہ تعالیٰ کے
یہاں بطور دیر پیش کرتا ہوں کہ میں کلمات
اسلام آپ کی قت اور شت پر رول۔

غریب فقہائے امت کے ایسے ارشادات سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے
شفاعت کی درخواست کرنا جائز اور اس درخواست کرنے نیز سماع عند الخیر کے مسئلے پر فقہاء کا اجماع اور
اتفاق ہے کسی کراس میں غفلت نہیں۔

لیکن مؤلف ”ترواہر القرآن“ اجماع امت اور تمام فقہاء کی تصریحات کے خلاف، آیت ولوانہم
اذ علموا انفسهم جادواں الآیۃ کے تحت لکھتے ہیں۔

”اس آیت کا تعلق حضور علیہ السلام کے زندگی کے اسی واقعہ سے ہے اور اب

آپ کی قبر سے استفادہ اور استشفاع جائز نہیں؟“ (تفسیر ترواہر القرآن جلد ۱ ص ۲۷)

علامہ اکابر علما اور محدثین اس آیت کے حکم کو عام اور آپ کی وفات کے بعد کی قبر مبارک پر ماعرفی
کے وقت درخواست شفاعت پیش خدمت اقدس کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔

حضرت مولانا زکریا آیت کریم ولوانہم اذ علموا انفسهم جادواں فرماتے ہیں کہ کوئی

اس میں کسی کی تعصیب نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے اُنہی ہوں اور تعصیب ہرگز کوئی نہ ہو آپ کا جو تربیت عام اُمت کے لیے یکساں رحمت ہے کو پچھلے اُنہیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرنا آپ ہی مقصود ہے کہ قبر میں زندہ ہوں؟
(کتاب حیات ص ۴۲)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان اپنی مقبرہ مستند فقیر صاحب القرآن میں لکھتے ہیں۔

”یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ ہر شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لیے دعا کی مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائیگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہی جیسے آپ کی دنیوی حیات کے زمانے میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی وہ ضرور اُنہی پر عافیت اسی حکم میں ہے۔“

(تفسیر صاحب القرآن جلد ۱ ص ۴۳)

حضرت شیخ الاسلام علامہ رفیع الرحمن عثمانیؒ اپنی جہانگیر کتاب ”اعلام السنن“ میں انتقام فرماتے ہیں۔

فشیبت ان حکم الذیۃ باقی بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم	پس ثابت ہوگا اس آیت کریمہ کا حکم
وفااتہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد
(اعلام السنن جلد ۱ ص ۴۳)	بھی باقی ہے؟

حضرت حکیم الامت مولانا حجازی رحمۃ اللہ علیہ جو اسباب کے واسطے سے محمد بن حنفیہ کے واقعہ کو قتل کرتے ہیں کہ اسباب میں بسند شام بخیر منصور ابن ابی نضر اور ابن مساکر ابن ابی حمزہ ورمیہ اللہ تعالیٰ علیہ بن حنفیہ کے واقعہ کی روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی قزاقی کے واسطے بیٹھا تھا کہ ایک ایرانی آیا اور بابت کر کے عرض کیا یا خیر لعل اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک نئی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا ہے ولما انہم اذ ظلموا انفسہم جازک فاستغفروا باللہ واستغفرلہم الرسول لوجہ واللہ تعالیٰ بما یرحمہم اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوں اور

حال میں مجمع الزوائد (۱) حدیث بزرگ سے روایت کی ہے اور اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں: رواہ احمد والنسائی والدارمی والبیہقی والعلی دابین صلیان والعلی فی مسیما رجال صحیح الاستاذ۔ (القول المہذب ص ۱۷۷) امام احمد، نسائی، دارمی، البیہقی، علی بن صلیان اور حاکم نے اس کو روایت کیا ہے اور حاکم کہتے ہیں کہ صحیح الاستاذ ہے اور صرف حاکم ہی نہیں بلکہ علامہ ذہبی بھی فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح ہے۔ (مسند حاکم جلد ۲ ص ۲۱۱) حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ حدیث دہلوی فرماتے ہیں۔

فوز احمد و نسائی ہوا شہ خدائے را	احمد اور امام نسائی کی روایت میں ہے کہ
فرشتے سیر کنند گمان و زمین سیر مانند	جیشک اللہ تعالیٰ کے فرشتے زمین پر سیر کرتے
مرازم امت من سلام را و جو اثر رسیدہ	میں اور جیشک سیری امت کا سلام پہنچاتے
ایں معنی الخ (فتاویٰ حجازی جلد ۱ ص ۱۷۷)	میں اور یہ معنی تو کراتر کے ساتھ ثابت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کا سلام پہنچنا کراتر سے ثابت ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

سلام زائران را بخش شریف بواسطہ	سلام زیارت کرنے والوں کا بے واسطہ ملکہ
سماع کنند درو سلام کنند و بر دیگران	کے سنتے ہیں اور اولوں کا واسطہ ملکہ
بواسطہ ملکہ سیامین بود چنانکہ از حدیث	کے جیسا کہ حدیث ابو ہریرہؓ سے کہ تیری
ابن ہریرہ در فصل ثالث ناہر میگردد۔	فصل میں ہے ظاہر ہے۔
(راشید العات جلد ۱ ص ۱۷۷)	

پہلے گزر چکا ہے کہ ”مطابق حق کا یہ ترجمہ حضرت شاہ محمد اعلیٰ صاحب دہلوی کا تصدیق شدہ ہے۔“ اس سے واضح ہے کہ حضرت شاہ محمد اعلیٰ دہلویؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ آنحضرتؐ زیارت کرنے والوں کا سلام بے واسطہ ملکہ کے خود سنتے ہیں۔

علامہ مناویؒ حدیث
من معنی علی ثانیاً ایلقتہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ای اخبارت به من احد من
اللہ تکہ (یعنی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)
علامہ طحاوی فرماتے ہیں۔
یعنی فرشتے پہنچاتا ہے جبکہ درود پڑھنے
والا دور ہو۔

(قولہ وتبلغ الیہ) یعنی پہنچے الہک
الیہ اذا کان المسلم صبیذاً
(طحاوی ص ۲۴)

حضرت سرور خلیل احمد سہارنپوری مدیرشرف الہدایہ شریف "حقانہ علیہ السلام کی شریعت
میں ملا سارین عمر متوفی نے اسے مکمل فرماتے ہیں۔

ای اتول وحلیک السلام
(فی البدیع ص ۲۳)
یعنی میں کہوں گا وعلیک السلام اور
براہین قاطعہ میں فرماتے ہیں۔

و صلوٰۃ و سلام طالع پر پہنچاتے ہیں۔ (براہین مسئلہ)

مگر غور سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کل صلوٰۃ و سلام بذریعہ فرشتوں کے پہنچنے کا بھی انکار کیا جا
تا ہے اور اس کی مراد یہ بتلائی جا رہی ہے کہ

"صلوٰۃ و سلام کا ثواب آپ کو پہنچتا ہے" یہاں کہ شفاء الصمد کے نوکت اور اس کے مترجم
نے لکھا ہے وہ لکھتے ہیں۔

ثم اعلم ان السلام یصلح الصلوٰۃ و
السلام انما ھو بطریق ثواب و ھو
یعم کل متوفی عندنا اھل السنۃ و
الجماعۃ خلافاً للمعتزلۃ
(بقیہ السلام درود کا بلوغ سواس سے
مُراد ثواب ہے جو ہر وفات شدہ کو ملتا
ہے عندنا البتہ والجماعت
(شفاء الصمد ص ۴۴)

بلوغ صلوٰۃ و سلام کی یہ مراد بتلانا شاربین احادیث اور فقہاء امت کے فیصلوں کے خلاف
ہونے کے ساتھ خود ان احادیث صحیحہ کے بھی خلاف ہے جس میں سلام امت کے پہنچانے کیلئے
فرشتوں کی جماعت کے تقرر کی خبر دی گئی ہے اور صلوٰۃ و سلام کے پہنچنے سے "ثواب کا پہنچنا مُراد ہوتا
جو ہر وفات شدہ کو ملتا ہے" تو اس کے لیے نہ تو فرشتوں کے تقرر کی ضرورت تھی، اور نہ ہی سلام

مسلمانوں کی نسبت سے اس میں کوئی خصوصیت اور فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی نہیں ہے۔
 اب اگر کوئی شخص سلف صالحین اور ائمہ اربعہ کے مقابلہ میں اپنی ذاتی رائے پر اصرار کرتا اور اُنہی
 کو صرف اُستحقاق ہے، تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اسلاف اور اکابر امت سے کٹ جانے کے بعد اپنی
 فروعی اختراعات یا ایجاد پر اپنے عقیدہ اور عمل کی بنیاد قائم کر لے گا اور اجماع سلف کے خلاف ایک نیا مسلک
 بنادے گا۔ سلف صالح کے عمل میں اس کے لیے کوئی نمونہ اور اسوۂ نہیں مل سکتا، کیونکہ یہ ایک حقیقت
 ہے کہ سلف میں سے کسی نے بھی سماج میں قیامی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہیں کیا، اور نہ ہی کسی نے فرشتوں
 کے ذریعے دیکھ کر اسلام کے پہنچنے کا انکار کیا ہے، بلکہ سب سلف صالح قریب سے صلوٰۃ و سلام
 کے سماج اور وعدہ سے بذریعہ طاغوت پہنچائے جانے کے معتقد اور قائل رہے ہیں اور یہی حق ہے اور
 یہی مطلب ہے۔

والحق الحق ان یشتبہ ، فماذا البید للحق الا اللہ جل

اللہ تعالیٰ ہم سب کا اسلاف کلام کی اتباع میں ہمیشہ حق پر قائم رکھیں۔ آمین

قد وقع الفراغ من تحریر هذه الصحاح و تبيين هذه المقالة يوم الجمعة وقت

الاشراق اول يوم من شهور جمادى الاولى ١٣٣٢

سید عالم بشکر محمدی حضرت

مدرسہ عربیہ عثمانیہ ماہیہ والے ضلع کراچی

نقل استفتاء ۱۹۹۸ء

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

استفتاء :-

یہ عقیدہ رکھنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روح مبارک ظہین میں ہے آپ کا اپنی قبر اور جسد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے لہذا آپ کی قبر مبارک پر دود و سیلام پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے لیکن آپ سنتے نہیں کیا ایسا عقیدہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اور غلط ہونے کی صورت میں بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟ اور ایسے عقیدے والے کی دامت کا کیا حکم ہے؟ جیتنا تو جبروا

الجواب :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں بجسد موجود ہیں اور حیات ہیں آپ کے مزار کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا ہے اور دود پڑھتا ہے آپ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں ہمارے کان نہیں کہ ہم نہیں۔ آپ اپنے مزار میں حیات ہیں۔ مزار مبارک کے ساتھ آپ کا تعلق بجسد و بدوہ ہے جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔ وہ بدعتی ہے غراب عقیدے والا ہے۔ ایسے کے پیچھے ناز و نکروہ ہے یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے حدیث میں ہے۔ **أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ (الحديث)** **وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمَلَ عَظًا مِنْ قَبْرِ نَبِيٍّ سَمِعَهُ وَمَنْ حَمَلَ عَظًا مِنْ نَبِيٍّ سَمِعَهُ (رواه**

لے مشکوٰۃ فی البیرواہ ابن ماجہ۔ ابی یوسف رحمہ عن المنذی۔ دالہ طرق صحیحۃ بالفاظ مختلفۃ شروحات جدید ج ۲ ص ۲۲۲۔ گے رواہ ابی یوسف فی شعب الایمان فی اشعۃ البیوت الجدید ج ۲ ص ۲۲۲ اخرجه ابو یوسف بن ابی شیبہ والعقیل والطبرانی فی المعرفۃ وراہ ابو الشیم و ابن حبان بسند جدید ج ۲ ص ۲۲۳۔

ابوالشیخ (وسند لا جید) القول المذبح ص ۳۰۰ - عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء (صلوات اللہ علیہم) احياء فی قبورہم یصلون - (رواہ ابن عدی وحماد وابیہقی وحماد و غیرہما)
اشفا والسقام ص ۳۳

دو تین حدیثیں نقل کر دی ہیں اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکا نہیں کیا جا سکتا اور جو انکار کرتا ہے بدعتی ہے خارج از اہلسنت والجماعت ہے فرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے ہیں اور آپ اپنے مزار تک میں مجسّمہ موجود ہیں اور حیات ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ : السیّد مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۳۵۶ھ

مہر دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح : جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

۲۱ شوال ۱۳۷۹ھ

اجاب المجیب واجاد محمد ضیا الرحمن حکان اللہ لہ مددس جامعہ اشرفیہ
الجواب صواب محمد رسول خان عفا اللہ عنہ

الجواب

نہر، آیت شریفہ

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احياء ولکن لا تشعرون - (پ) سے معلوم ہوا کہ شہداء کو مردہ یعنی مستمر الموت کہنا جائز نہیں ورنہ یقتل سے موت بیان ہو چکی - اموات موقوفہ ہے جس کے لئے جملہ ہونا ضروری ہے ہم اموات جملہ اسمیہ استمرار پر وال ہے تو حمت یہاں موت مستمر کہنے کی ہے چنانچہ

سے اخرج ابو یعلیٰ فی سننہ وابیہقی انہ علائک لیسوطی

مفسرین نے لکھا ہے کہ ”ہاتوا“ کہنا تو جائز ہے میت و موقی کہنا جائز نہیں۔ ایسے ہیں ”احیاء“ یعنی ”ہم احیاء“ کے معنی ہیں کہ وہ مستمر الحیات ہیں یہ شبہ کہ ہم ان کو زندہ نہیں دیکھتے اس کا استدراک و لکن لا تشعرون سے کر دیا گیا کہ حیات کے لئے دوسروں کا احساس ضروری نہیں ہے وہ حتیٰ ہیں مگر تم لوگ محسوس نہیں کر سکتے شور و سحر کو یعنی اور اک بالحواس کو کہتے ہیں ان کی آواز سن کر ”بعض چھوکر“ آنکھ سے دیکھ کر تم محسوس نہیں کر سکتے صرف حسی سے معلوم ہوگا اور ہو گیا یہاں محض موت کی نفی نہیں۔ موت مستمر کی نفی اور حرمت ہے ورنہ یقتل سے خود موت بالجرحہ ثابت شدہ ہے۔ روح المعانی جلد ۲ ص ۱۱۷ پر ہے۔ و لیس فی الایہ نفی عن نسبت الموت الیہم بالخلیۃ بحیث انہم ما ذاقوا اصلہ ولا طرفۃ عین و الا لقال تعالیٰ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ ماتوا غیث عدل عند الی ماتری علم انہم امتازوا بعد ان قتلوا بجایۃ لا ثقتہ بہم مانعۃ ان یقال فی شأنہم اموات۔ لہذا ایسی حیات ہے کہ مر گئے کہنا تو جائز ہے مگر مردہ کہنا حرام ہے یعنی ان کی موت مستمر ہے یہ کہنا حرام ہے بلکہ حیات مستمر ہے گو ان پر موت کا واقع ہو جانا کہنا جائز ہے یقتل میں یہی فرمایا ہے بل احیاء کا عطف جیسے کہ قرب کا اتفاق ہے اموات پر ہے۔ جیسے وہ مقولہ تھا یہ بھی مقولہ ہے جیسے وہ جملہ استمراریہ تھا یہ بھی جملہ استمراریہ ہے اور بُلّٰی لے پہلے سے اعراض کا فائدہ دیا تھا تو یہ معنی ہو گئے بلکہ یہ کہو کہ حیات مستمر سے زندہ ہیں نہیں کے صیغہ ولا تقولوا سے اضراب امر میں جائے گا۔

تو جیسے ان کو مستمر الموت کہنا حرام تھا اب مستمر الحیات کہنا واجب ہوا۔ یہ تو شہیدان کے لئے ہوا۔ اب حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی مستقل مردہ کہنا حرام ہے اور مستقل زندہ کہنا واجب یا ضروری ہوا یا نہیں اس پر غور کرنا ہے۔

(الف) انبیاء کا سب کا وہ جو شہیدان سے بالا وہ بالا ہے جو حکم شہیدان کے

لئے باعثِ اعزاز و امتیاز بنا ہے ان کے لئے بدرجہ اولیٰ ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ انبیاء کا درجہ و مقام تمام شہداء سے بہت بالا ہے اور آیت اولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والمصدقین والشهداء والصالحین کی ترتیب ذکر کی نے جو محکمات بالذکر سے خالی نہیں ہو سکتی بتا دیا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا درجہ سب سے اول ہے اور سب سے اعظم ہے لہذا ان کو بھی مستقل مردہ کہنا حرام ہے اور مستقل زندہ کہنا واجب ہے

(ب) انبیاء علیہم السلام سب کے سب ہی شہید ہیں جو فی سبیل اللہ اللہ کے راستہ میں تمام مصائب اٹھاتے رہے ہیں اور کچھ قتل بھی ہوئے ہیں اور اگر قتل نہیں ہوں تو بھی شہید محکم فی سبیل اللہ کی وجہ سے ضرور ہیں۔ علامہ سیوطی کا قول ہے: وما نبی الا وقد جمع مع النبوة وصف الشهادة، الحادی عفتہ و فی جلد ۱۲۷) یعنی حضور کو حقیقی شہادت حاصل ہے۔ علامہ کے سالہ انباء الاذکیاء میں ہے امام احمد و ابو یعلیٰ و طبرانی اور مستدرک میں حاکم اور دلائل النبوة میں امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت بیان کی ہے فرمایا ان احلف تسعا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل قتل احب الی من ان احلف واحدة انه لم یقتل وذلك ان الله اتخذ لا نبیا واتخذ لا شهیدا۔ (حوالہ مذکور)

(ج) (حوالہ مذکور) امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے فرماتی ہیں۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقتل فی مرصده الذی توفی فیہ لم ازل احب الی من ان احلف واحدة انی اکتلت بخیر فهذا اوان النقط ابصری من ذلك السم۔ اور سب جانتے ہیں کہ زہر کے اور پھر رگ پھٹ جانے سے جرموت ہے وہ شہادت ہے اور شہیدوں کی حیات جاوید ثابت ہے ان کو مستقل مردہ کہنا حرام اور مستقل زندہ کہنا واجب ہے تو تمام انبیاء و حضرات خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ مستقل کہنا واجب ہے اور مستقل مردہ کہنا حرام۔

(۵) لا تشعرون شعور سے بہت ہے جو ادراک بالحواس کا نام ہے اور

صیغہ مخاطبین کا ہے یعنی تمام جن دانس زندہ لوگ حواس سے محسوس نہیں کر سکتے اب اور کوئی کر سکتا ہے یا نہیں کشف و رفع حجابات سے معلوم ہو سکتا ہے یا نہیں یا صرف

وحی الہام سے ہی معلوم ہو گا۔ یہ مسئلے بھی یہاں غور طلب ہیں۔ پھر نفی صرف اس بات کی منفیہ ہو سکتی ہے جو عقلاً و عادتاً ممکن ہو۔ مگر وہ واقعہ نہ ہوئی ہو جو غیر عقلاً و عادتاً

ناممکن ہو اس کی نفی لغو و عبث ہوتی ہے جو کہ کلام الہی میں نہیں ہو گا۔ کسی کا یہ کہنا کہ میں آسمان پر چھلانگ نہیں لگا تا سارا کا سارا سمندر نہیں پی جاتا ایک لغو جملہ ہے اس سے

کوئی فائدہ نہیں ملتا۔ معلوم ہے نہ کہہ سکتے تھے نہ کیا ہے اس عام قاعدہ سے معلوم ہوا کہ حیات ایسی ہے کہ حواس سے بھی اس کا ادراک ممکن ہے مگر تم لوگوں کو بجز مستثنیٰ

کے عام طور سے وہ ادراک حاصل نہیں اس سے حیات کی نوعیت معلوم ہو گئی کہ وہ ایسی نوع ہے جس کا ادراک حواس سے ہونا ممکن ہو یعنی جسم و روح کے مجموعہ کی حیات

نہ کہ صرف روح کی آگے انشاء اللہ اس پر دلائل قائم کئے جائیں گے اور پھر نفی ہی مخاطبین سے کی جا رہی ہے کہ تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے گوئی الواقع ممکن ہو مگر اور

مخلوق ادراک کر سکتے ہیں مثلاً فرشتے، جانور و غیرہ اور نفی حواس سے ادراک کرنے کی ہے عقل سے نہیں جس کا یقین تو تو ہی تو کا عدم ہے لہذا وحی متلو آیات سے اور

وحی غیر متلو احادیث سے اور کشف سے ادراک ممکن ہوا بلکہ واقع میں ہوا ہے اور غیر متعلقین و حین دانس کے علاوہ) کو حواس سے بھی ہو گا کہ دوسری مخلوقات کو جیسے کہ

احادیث میں ہے حواس سے ادراک ہوتا ہے اور مرنے کے بعد ثقلین ثقل والے نہیں رہتے ان کو بھی ادراک ہوتا ہے یہ بھی حدیثوں میں ہے لیکن یہ مجاہدات و ریاضات

والے ثقل سے بالا ہوتے ہیں ان کو گاہ بگاہ ادراک ممکن ہے جس کے بہت سے واقعات شاہد ہیں کشف سے بھی آنکھ سے بھی۔

نمبر ۲: آیت کریمہ

وَلَا تَحْزِنُوا الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتٌ بَلْ أحياءٌ عند ربهم

مِنْ ذُنُوبٍ فَرْحِينَ بِمَا آتَاهُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَوْ خَوْفٍ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۚ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلِهِ وَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (پ ۴ : ۸۵)

حکم ہوا وسط حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کو ہے یا ایسے ہی ہر مخاطب کو ہے کہ ان کو مستقل مردہ گمان بھی مت کرو کیونکہ أَمْوَانَا فعل قلب کا مفعول ثانی ہے اور افعال قلوب جملہ احمیہ پر داخل ہوتے ہیں جس سے استمرار کے معنی پیدا ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کہنا تو کہنا ایسا گمان کرنا بھی حرام ہے اور احمیاء بھی ہم احمیاء جملہ احمیہ خبریہ اکثر ایہ ہے جو حیات مستمرہ و مستقلہ کو ثابت کرتا ہے دونوں آیات سے جب موت مستمر کا قول اور موت دائم کا گمان کرنا حرام معلوم ہو گیا تو اس کی نقیض عدم قول و عدم گمان موت مستمر واجب قرار پائی اور جیسے اوپر کی آیت میں الف ب ج د جاری ہیں یہاں بھی جاری ہوں گے اور حضرات انبیاء خصوصاً حضور افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم میں موت مستمر کا قول اور موت مستقل کا گمان حرام اور حیات مستمر کا قول و گمان واجب قرار پایا۔

لا تحسبن حیفا نہیں ہے اور فون تاکید ثقیلہ سے اس کی بہت تاکید کر کے موت مستمر کے گمان کرنے کے حرام ہو جانے کا حکم دیا ہے اور زبان سے کہنا تعبیر ہے ذہنی خیال کی جس کو اصطلاح میں کہتے ہیں کہ قضیہ ملفوظ حکایت و نقل ہے قضیہ مقولہ کہ جیسے کہ وہ واقعہ کی نقل ہے جب اصل ذہنی تخیل ہی حرام ہے تو زبان اور لفظوں سے نکالنا بھی یقیناً حرام ہے۔

احیاء کے بعد یہاں چند منہتیں بھی ہیں جن سے حیات کی نوعیت کی تشخیص ہو جاتی ہے لہذا اب اس پر غور کرنا ہے کہ جس حیات کا عقلی تخیل اور لفظوں میں بیان واجب ہے وہ کونسی حیات ہے؟

سنیے حیات کے حقیقی معنی زندگی مراد ہو سکتے ہیں یا مجازی معنی علم یا ایمان یا شہرت و نام مراد ہو۔ اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جب تک حقیقی معنی بن سکتے ہوں اور ان سے ہٹانے والی کوئی بات نہ ہو مجازی معنی مراد لینا غلط ہے اس لئے یہاں زندگی کے ہی معنی مراد ہوں گے۔

پھر اس زندگی کی دوسری صورتیں ہیں آخرت میں ہونا مراد ہوگا یا قبر میں ہونا مراد ہوگا۔ پھر قبر میں ہونے والے زندہ کی بھی دوسری صورتیں ہیں صرف روح کی زندگی یا جسم و روح کی زندگی۔ مطلقاً صرف یہی چار صورتیں بن سکتی ہیں کیونکہ پانچویں صورت کہ صرف جسم بلا روح کی زندگی ہو یہ ناممکن عادی ہے اور اس حیات سے آخرت کی حیات مراد لینا تو درست نہیں ہوگا کیونکہ اسوات کہنے کی ممانعت کے بعد احیاء فرمایا ہے۔ یہ کہنے کی ممانعت دنیا ہی میں ہے اور حیات ہونا اسی کی دلیل ہے۔ جو دنیا میں ہو سکتی ضروری ہے۔ پھر بقول امام رازیؒ آیت حضورؐ پر نازل ہو رہی ہے شہیدوں کو دنیا ہی میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ احیاء ہیں تو اس وقت کی حیات مراد ہوگی۔ تیسرے یہ کہ یہاں ان کی عزت اور امتیاز بیان ہے آخرت کی ابدی حیات تو سب کو حاصل ہوگی کافروں کو بھی علود فی النار کی حیات ہوگی تو امتیاز اس میں ہے کہ ابھی ابھی دنیا میں قبر میں حیات ہے۔ چوتھے ثواب عذاب سے افضل ہے جب عذاب کے لئے اس وقت حیات ہوگی تو ثواب کے لئے بدرجہ اولیٰ ہوگی کفار کے لئے اغرقوا فادخلوا ناراً۔ خاک کی تعقیب بتاتی ہے کہ غرق ہوتے ہی نار میں داخل ہو گئے اور عذاب کے لئے حیات ضروری ہے قیامت سے پہلے فرق ہوتے ہی نار میں داخل ہو گئے تو یہ عذاب قبر اور حیات قبر میں ہے۔

پانچویں آیت النار یعرضون علیہا عذاباً واعطشوا۔ صبح و شام کے نار پر پیش کرنے کے لئے جب حیات ہے تو ثواب کے لئے بدرجہ اولیٰ ہے۔ آگے کی آیت یومہا تقوہ الساعة اذ دخلوا ال فرعون اشد العذاب سے معلوم ہو گیا کہ یہ قیامت سے پہلے ہے۔ جو قبر ہی میں ہے حیات کے ساتھ ہے ورنہ جامدات کو کیا عذاب۔

چھٹے اگر قیامت کی زندگی مراد ہوتی تو حضورؐ کو لا تجسبن نہ فرماتے جبکہ تمام مومنین کی حیات قیامت میں کہے معلوم تھی۔ ساتویں یتبشرون آیت میں ان لوگوں کے حال سے بشارت ہے جو ابھی تک ان سے نہیں ملے، یہ دنیا میں ہیں ان کے حال سے بشارت حاصل کرنا بھی دنیا ہی میں قبل قیامت ہے۔

اور حدیثوں سے دلیل حاصل ہے (تفسیر میر جلد ۲ ص ۱۳۸) بلکہ امام صاحب

نے فرمایا ہے: «الروایات فی هذا الباب حکما بلغت حد المتواتر فكيف يمكن انكابهاء، صرف روح کی زندگی مراد نہیں ہوگی کیونکہ یہ اعتراض و امتیاز کا موقع ہے اور وہ تو کافروں کو بھی حاصل ہوگی تو پھر امتیاز کیا ہوا؟

دوسرے: ایسا ہوتا تو حضورؐ کو لا تقسین نہ فرمایا جاتا موت کا عدم گمان حیات کا گمان ہوتا ہے حالانکہ غلوط مومن و کافر سے یقین حیات ہونا معلوم تھا صرف گمان نہ تھا۔

تیسرے: پہلی آیت میں احياء کے بعد لا تشعرون ہے اگر صرف روحی حیات ہوتی تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ روحیں سب کی زندہ غلوط جنت و نوزخ سے ہوں گی۔ پھر عدم شعور کیسا؟ وہاں تو شعور ہی شعور ہوگا۔

چوتھے: اس آیت کا لفظ يستبشرون بالذین لم يلحقوا بهم دلیل ہے اس کی کیونکہ حصول بشارت جو خاصہ مجبور کا ہے زندہ لوگوں کے متعلق ہی کیا جاسکتا ہے کہ بشرہ جسم میں ہی تو ہے۔ بشرہ کھال ہے استبشار اس کی کھلوانا ہے یعنی خوشی ہے۔ پانچویں: یرزقون فرمایا ہے اور رزق کی ضرورت روح مع الجسم کو نہیں

ہوتی ہے۔ چھٹے: جس قدر آیات و احادیث عذاب قبر کے بارہ میں اور قبر میں جسم ہی ہوتا ہے مع الروح مجبور کے نزدیک۔ اور بغیر روح کے عذاب و ثواب کا فائدہ ہی نہیں نہ نقصان ہے نہ ثواب ہے نہ عذاب۔ یہ سب دلیل ہیں کہ یہ حیات مجبور روح و جسم کی ہوتی ہے اور یہ مسئلہ قمار سے ثابت ہے۔

امام رازی کہتے ہیں: الاخبار فی ثواب القبر وعذابہ حکما المتواتر (جلد ۲، تفسیر سیر، ص ۵۷) آگے کچھ آیات نفس مسئلہ کے متعلق آنے والی ہیں جن سے روح و جسم کے مجبور کی حیات بھی ثابت ہوتی ہے بلکہ انبیاء اور حضورؐ کی بلکہ مومن کی بھی خصوصیت نہیں کافر تک کو بھی ایک قسم کی حیات جسمی حاصل ہے۔

نمبر ۲: عین شرح بخاری جدید ۸ ص ۱۷ پر ہے کہ آیت شریفہ ربنا اھتنا

اشنیں و احمیتنا اشنیں میں اللہ تعالیٰ نے دو موتوں کا ذکر فرمایا ہے اور وہ اسی طرح حقیقی ہو سکتی ہے کہ قبر کے اندر زندگی ہو اور موت ہو۔ تاکہ ایک موت تو وہ ہو جو حیات دنیوی کے بعد حاصل ہوئی اور دوسری وہ ہو جو اس حیات قبری کے بعد ہوگی۔

جب تک حقیقی معنی موت و حیات کے ممکن ہوں مجاز کا کوئی فریضہ نہ ہو مجازی معنی لینا یقیناً درست نہیں۔ حقیقی دو موتیں اسی طرح ہو سکتی ہیں ایک دنیوی حیات کے بعد ایک قبری حیات کے بعد، لہذا اس سے حیات قبری ثابت ہے۔

شرح مواقف جلد ۳۱۸ پر ہے: وما المراد بالاماتین والاحیائین فی ہذا الا یہ الا الاماتۃ قبل مزار القبور ثم الاحیاء فی القبور ثم الاماتۃ فیہ ایضاً بعد مسئلۃ منکر و نکیر ثم الاحیاء للتحش ہذا هو المشائع المستفیض من اصحاب التفسیر۔

نمبر ۱: عین میں اس کے اوپر بیان ہے آیت وحقا بال فرعون سوء العذاب النار یعرضون علیہا عند ذلک وعشیا میں بتایا ہے کہ یہ آیت اس باب میں صریح ہے کہ کافروں کو مرنے کے بعد ہی عذاب ہوگا عذاب قبر ہوگا۔

آگے اس پر دلیل دی ہے کہ اس کے بعد جو ہے: و یوم تقوم الساعة اذ خلوا ال فرعون اشد العذاب۔ اس میں عذاب آخرت کا عطف اس پر ہونا اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کے علاوہ ہے، یعنی وہ عذاب جو قبل قیامت ہے عذاب قبر ہے۔ پھر دلیل کی تکمیل کی ہے کہ جب عذاب دینا ثابت ہے اور زندہ کرنا اور قبر کا مصلوب سمیو کہ کل من قال بعد اب القبور قل بہا۔

جب ہر قائل عذاب قائل حیات ہے اور عکس نقیض موجب کلمہ کا موجب کلمہ لازم ہے یعنی کل من لم یقل بہا لم یقل بعد اب القبور تو منکر حیات منکر عذاب قبر ہوگا۔ اور عذاب قبر تمام الحسنات والجمہات کے نزدیک قطعی دلائل سے ثابت ہے آیات سے بھی اور احادیث متواترہ سے بھی ”علامہ“ خود آگے عذاب قبر کی احادیث

کے لئے کہتے ہیں : وَلَمَّا اَيُّضًا اَحَادِيثٌ صَحِيحَةٌ وَاَخْبَارٌ مُتَوَاتِرَةٌ - پھر احادیث و احادیث و صحیحہ و متواترہ کہنے کے بعد کسی حدیث کے کسی راوی کو کسی نے ضعیف کہہ بھی دیا ہو تو تواتر پر تو اس کا اثر ہو ہی نہیں سکتا۔ علامہ کے صحیح کہنے کے بعد وہ قابل اعتناء بھی نہیں ہوگا۔ جس سے اس کے اسلام کو بھی خطرہ ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ عذاب قبر ایسی چیز کو ہی ہو سکتا ہے جو قبر میں ہے اس لئے روح قبر میں ہونی ضروری ہے یہی تو حیات ہے و نہ جسم خالی تو جمادات میں سے ہے۔ عناصر اربعہ جامدہ کا مجموعہ ہے اس کو عذاب کے کیا معنی؟ عذاب تو تفصیل کا اسم مصدر بجا نصیت سلب ہے عذوبۃ یعنی شیرین حیات کو سلب کرتا ہے عذوبہ حیات کو بھی تو حاصل ہوگی اسی کا تو سلب عذاب ہے یہ جمادات میں کیسے ممکن ہے۔

شرح مواقف جلد ۳ ص ۳۱ پر ہے : واما ما ذهب اليه الصالحى من المعتزلة الطبرسى وطائفة من الصكرامية لان الجهاد لا حس له فحكيه يتصور نقديسه۔

نمبر ۵ : سورۃ برات میں کفار و منافقین کے ذکر میں ہے سَنُعَذِّبُهُمْ مُبْرَتِينَ ثُمَّ يَرْدُّونَ اِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ۔ عذاب قیامت سے پہلے دو عذاب ہیں ایک عذاب دنیا ایک عذاب قبر کا ہے۔ (یعنی شرح بخاری جلد ۲ ہدیہ ص ۱۹) پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے : فلهذا العذاب الاول حين اخرجه من المسجد والعذاب الثاني عذاب القبر۔ اور فتح الباری جلد ۳ ص ۳۱ پر اس روایت کے بعد حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے : ”موتین عذاب دنیا و عذاب قبر ہے“ اور چونکہ قبر میں جسم موجود ہے اس لئے عذاب قبر جسم کو ہوگا اور جسم میں روح نہ ہو تو عذاب عذاب ہی نہیں رہتا جیسے بالوں اور ناخنوں کو کاٹنا یا عتھ تکلیف نہیں ہے ایسے ہی بے حیات کی کانٹ چھانٹ بھی عذاب نہیں ہے اس لئے عذاب قبر کی کُل آیات و احادیث متواترہ سے ہر انسان میں خواہ وہ کافر ہی ہو حیات قبر ثابت ہو رہی ہے گو نوعیت اس حیات کی کچھ مختلف ہی ہو مگر جب تواتر سے عذاب قبر ثابت

ہے تو قرآن سے حیاتِ قبر بھی ثابت ہے۔

اسی لئے شیخ ابن حجر فرماتے ہیں : واستدل بها على ان الارواح باقية لعدم فراق الاجساد وهو قول اهل السنة - (فتح الباری جلد ۵ ص ۱۷۱)

نمبر ۶ : سورۃ النعام میں ہے : ولو ترى اذ الظالمون في عذرات الموت و الملتحكة باسفلوا ايديهم اخرجوا انفسكم اليوم تحزون عذاب اللعنة اليوم کا عذاب قبل قیامت کا عذاب ہے عذابِ قبر ہے جو بلا حیات نہیں ہوتا بعض محترم نے بلا حیات عذابِ قبر تسلیم کیا ہے اس کے جواب میں علامہ عین جلد ۵ ص ۱۷۱ پر لکھتے ہیں وهذا اخروج عن المحقول لان الجمار لا حس له فكيف يتصور عذاب ميبط یہ اوپر شرح مواقع سے بھی نقل ہے۔

نمبر ۷ : يثبت الله الذين امنوا بالقول الثابت بخاری شریف کی حدیث میں ہے : عن البراء بن عازب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا قعد المؤمن في قبره لا اتي شئ يشهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله فذلك قوله يثبت الله الذين امنوا بالقول الثابت اور اس کے بعد ہے : احد ثنا شعبة بهذا ونزاد يثبت الله الذين امنوا نزلت في عذاب القبر . علامہ عین نے مسلم سے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس سے اوپر مذکور ہے کہ ابن مردودہ وغیرہ کی حدیث میں لفظ یہ ہے : ان النبي صلى الله عليه وسلم ذكر عذاب القبر فقال ان المسلم اذا شهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله الحى اخر الحديث جلد ۵ ص ۱۷۱ . ان سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں قبر کا ہی معاذ ہے اور سلطانہ کو ثابت و قائم رکھنا قبر میں ہے جو دلیل ہے حیاتِ فی القبر کی ۔

یہ حدیثیں اس لئے پیش کی ہیں کہ آیت میں تاویل نہ کی جاسکے اور تیسری روایت سے معلوم ہوا کہ یہ عذابِ قبر کے متعلق ہونا حضورؐ کا ارشاد ہے ۔

نمبر ۸ : الله يتوفى الانفس حين موتها والتي لم تمت في منامها فيمسك التي قضى عليها الموت ويرسل الاخرى الى اجل مسمى ، ميتوفى قبض کرنا ہے

اس کے بذریعہ غفلت و غفلت ایک نفس (روح) حین موتھا اور سرے نفس (روح) نوم کے اندر یہ فعل دونوں پر وارد ہے ایک ہی فعل کے دونوں معمول ہیں لہذا جو بات یہاں ہے وہ وہاں ہے جو وہاں ہے وہ یہاں ہے اور سب دیکھتے ہیں کہ سوتے میں باوجود قبض روح کے روح کو جسم سے اتنا تعلق رہتا ہے کہ پاؤں پر ضرب تک کو محسوس کرتا ہے اس لئے بعد موت بھی گو روح جسم سے باہر ہی ہو جیسے کہ سوتے میں تھی جسم سے اس قدر تعلق رہنا ضروری ہے جس سے ادراک ہو سکے جیسے سوتے میں ادراک ہوتا ہے گو کامل تعلق نہ ہو جیسے سوتے میں نہیں ہوتا۔ **الا ماشاء اللہ**۔

اور پھر آیت و هو الذی یتوفناکم بالیل سے صحت قبض روح معلوم ہوتا ہے علامہ علی قاری نے حکمالین علی الجلالین میں لکھا ہے عن علی قال "یخرج الروح عند النور و یتقی شعاعہ فی الجسد فاذا انتبه من النوم عاد الروح الی جسدہ لا بأسرہ من لحظة" اور حاکم و طبرانی سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث بھی روح ہی کے لئے ہے کہ روح عرش تک جاتی ہے جو عرش کے قریب جاگتی ہے اس کا خواب سچا ہوتا ہے جو عرش سے پیچھے ہو اس کا خواب جھوٹا ہوتا ہے" اور نفس سے روح ہی مراد ہے۔ تفسیر روح المعانی ص ۲۴۲ میں احادیث سے اس کو ثابت کیا ہے کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں سوتے کے وقت کی دعا میں ہے۔ **اِنَّ** **اَمْسَحَتْ** **نَفْسِیْ** **فَارْحَمْہَا**۔ اور بخاری و صحاح کی حدیث میں فخر قضا ہونے

کی حدیث میں ہے : **اِنَّ اللہَ تَعَالٰی قَبَضَ اِبرٰہِیْمَ حَیْنَ شَلَّو**۔ اس سے معلوم ہوا نفس روح ایک ہی ہے یہی مقبوض ہو کر بھی تعلق رکھتی ہے لہذا ضرور ہے کہ موت کے بعد بھی روح کی شعاعیں جسم سے متصل رہ کر ایک طرح کی حیات ہو ہر انسان مسلم و کافر تک کو حاصل ہو۔ گو اعمال صالحہ سے اس کی قوت و صفت کا فرق رہے صاب سے اقویٰ انبیاء علیہم السلام کی، پھر صدیقین پھر شہداء پھر صالحین پھر عامۃ المسلمین اور پھر کافر کی جو جو سبب ہوگا تیغیات و تکلیفات کا جن کی تفصیلات احادیث شریفہ میں اور اشارات آیات میں ہے اور جیسے فیہ نیند میں فرق ہوتا ہے کہ کوئل ہو شیا بدل سے بیدار نکلیں

بند اور کوئی ہوشیار مثل بیدار کے کوئی کم کوئی غافل مثل مردہ کے۔ اسی طرح موت میں روح کے جسم سے تعلق میں درجات ہوں گے ایک مثل حیات کے، گو کھانے پینے پیشاب پاخانہ سردی گرمی اور امتیاجات سے پاک ہو یہ تعلق اعلیٰ قسم کا ہے جس کے احکام اعلیٰ ہیں کہ جسم مٹی پر حرام، عورت بیوہ نہیں۔ مال ترکہ نہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں ہے۔ دوسرا اس سے کم اس کے احکام بھی کم کہ غسل و کفن نہیں باقی رہتا ہے یہ شہید میں ہے جو حقیقی ہو۔ پھر اس سے کم جو شہید جنگی میں ہے پھر صالح مومن کے لئے پھر سب سے کم کافر کے لئے۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ جتنا تعلق روح کا جسم سے قوی ہوگا تکلیف نہ ہوگی یا کمتر ہوگی جتنا ضعیف ہوگا تکلیف زائد ہوگی جیسے کہ قوی کو مرض و ضرب سے کم ہے اور ضعیف و مریض بچے کو زیادہ ہوتی ہے اور سوتے ہوئے عضو کو بہت دوسرے کو کم ہوتی ہے۔

عذاب قبر کافر کو سخت اور عاصی کو کم شہداء اور انبیاء کو صفر ہوگا۔

احادیث صحیحہ و متواترہ سے حیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت ہے، عربی میں امام بیہقیؒ اور علامہ سیوطیؒ وغیرہ کے اس پر رسائل ہیں اور اردو میں زمانہ حال کے مولانا صفد صاحب اور مولانا خالد محمود صاحب کے رسائل موجود ہیں۔

علامہ سیوطیؒ کتاب الحادی للفتاویٰ جلد ۲ ص ۱۸۱ پر لکھتے ہیں:-

حياة النبي صلى الله عليه وسلم في قبره وهو ساثر الا بنسب

معلومة عندنا علما قطعيا لما قام عندنا من الأدلة في ذلك وتواترت بالاحتمار۔ اور اس کے بعد بہت سی احادیث نقل کر کے علامہ قرطبی کا قتل لکھا ہے۔

الى غير ذلك مما يجعل من جملة النقط بان موت الانبياء انما هو راجع

الى ان غيبروا عنا بحيث لا ندر حكمهم وان كانوا موجودين الانبياء

ذات كمال في الملئكة فانهم موجودون احياء ولا يراهم احد

من نوعنا الا من حفنه الله بحرامته من اوليائه۔ شرح مراقف ص ۱

جلد ۸ ص ۲۱۸۔ والحادیث النصیحة الاله علیہ علی عذاب القبر
اکثر من ان تعصى بحیث تواتر القدر المشترك وان کان کل واحد
منهما من قبیل الاحاد۔

اور اس کے بعد احادیث درج ہیں اور علامہ سیوطی کی کتاب شرح الصدور
فی شرح احوال الموتی والقبور میں ص ۱۷ سے ص ۲۱ تک پچاس احادیث درج
ہیں۔ اور پھر کچھ لوگوں کے واقعات بھی درج ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی بلکہ تمام انسانوں
کی حیات احادیث متواترہ سے ثابت شدہ نقل کرنے کے بعد ہم جیسوں کو
احادیث نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور نہ کسی راوی کے ضعف و قوت پر نظر
کرنے کی گنجائش رہی کہ تواتر اس سے بلند و بالا حجت ہے اس لئے تواتر احادیث
کے حوالے نقل کئے گئے ہیں احادیث کی ضرورت نہیں۔

تبراً : اجماع اہل حق اسی پر ہے

(الف) حاوی سیوطی جلد ۲ ص ۱۷ پر شیخ اشافعیہ استاذ ابوالمنصور

عبدالقادر کا قول لکھا ہے : قال المتكلمون المحققون من اصحابنا ان
نبينا صلی اللہ علیہ وسلم حي بعد وفاته وانه يسر بطاعات امته و
يحزن بمعاصي العصاة منهم وانه تبلغه صلاة من يصلي عليه من
امته۔

(ب) فقہ اکبر مصنف امام اعظم ابوحنیفہ کے قول : تواعادة الروح الى
العبد في قبره حق وضخمة القبر حق وعذابه حق " کائن للعکفار کلهم
اجمعين وبعض المسلمين کي شرح میں طاعل قاری کہتے ہیں : واعلم ان اهل
الحق اتفقوا على ان الله تعالى يخلق في الميت نوع حيوة في القبر وقد رما
يتالم ويتلذذ ولکن اختلفوا في انه هل يعاد الروح اذ جواب الملکین
فقل اختیاری فلا يتصور بدون الروح وقيل يتصور الا ترى ان النائم

یخرج روحہ ویكون روحہ متصلاً بجسد حتی یتالم فی المنام
 ویستنعم وقد روی عنہ علیہ الصلاۃ والسلام اسئل کیف یوجع
 اللحم فی القبر ولم یحکن فیہ الروح فقال علیہ الصلاۃ والسلام کما
 یوجع بسنک ولس فیہ الروح۔ حدیث سے معلوم ہوا جیسے روح دانت سے
 باہر رہ کر بھی اتصال رکھتی ہے اور سخت تکلیف کا سبب بنتی ہے ایسے ہی روح طہین
 و سحین میں رہتے ہوئے بھی جسم سے اتصال رکھتی ہے اور سخت عذابات کا سبب
 بنتی ہے تو حیاتِ قبری ہے۔ اور اسی صفر کے آخر میں فرمایا ہے النعام وایلام قبر کے
 باب میں ہے، واختلف فی امثہ بالروح او بالبدن او بهما وهو لا مع منہما
 الا انما من بعضہ ولا تشتغل بحکیفۃ۔

(ج) فتح الباری شرح بخاری جلد ۳ ص ۳۱۰ باب ما جاء فی عذاب القبر۔
 جبکہ عذابِ قبر کا ثبوت دلیل ہے روح کے قبر میں ہونے کی کہ عذاب کا اہل نہیں
 ہے۔ واحتج فی باثبات وجودہ خلقاً فاعن نقلاً مطلقاً من الخوارج وبعض
 المعتزلة کفر ابن عمر وبشیر المرسی ومن وافقهما او خالفهم فی
 ذلك اکثر المعتزلة وجميع اهل السنة وغيرهم واكثر واكثر وافقهم
 له اهل السنة والجماعة اور اکثر امت کا عذابِ قبر اتفاقِ حیات پر اتفاق ہوا جن
 میں اکثر معتزلہ بھی آگے تو وہ بھی حیاتِ قبر کے قائل ہیں۔

ایضاً: قولہ البخاری وقولہ قتائی وحقاق بال فرعون سوء العذاب
 الآیۃ کے تحت واستدل بها علی ان الارواح باقیۃ بعد فراق الاجساد وهو
 قول اهل السنة۔

ایضاً: حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انک لا تسمع الموتی کے
 تحت ہے۔ وقد اخذ ابن جریر وجماعة من الکرامیۃ من هذا
 القصۃ ان السؤال فی القبر یقع علی البدن فقط ان اللہ یخلق فیہ اور کا
 بحیث یسمع ویعلم ویلذ ویالہم وذهب ابن ہزم وابن خبیرۃ ان السؤال

يقع على الروح فقط من غير عود الى الجسد وخالقهم الجمهور فقالوا
تعاد الروح الى الجسد او بعضه كما ثبت في الحديث -

آگے ان کے شبہات کے جوابات ہیں۔ اور بخاری شریف کی متعدد حدیثوں
سے عذاب والنوں کا چلنا اور انس و جن کے ملاوہ سب کا سنا وار دہے جس سے
عذاب قبر کا جسد و روح کے مجموعہ پر ہونا اور حیات ہونا ثابت ہے۔

(۵) عمدة القاری للعینی شرح بخاری جلد ۱۴ ص ۱۲۵ جدید پرچوں کی آواز
سننے پر اور چیخوں کی آواز کے بعد ہے: فیہ اثبات عذاب القبر وهو مذهب
اهل السنة والجماعة وانكر ذلك ضرار بن عمرو وبشر المريسي واكثر
المعتزلة من المعتزلة۔

(۶) شرح الصدور بشرح حال الموتي والقبور للسيوطي ص ۲۷:
وحله الروح والبدن جميعاً باتفاق اهل السنة وكذا القول في النعيم۔

(۷) شرح مواقف مصری جلد ۱ ص ۱۷۱ المقصد الحادى عشر
احياء الموتي في قبورهم ومسئلة متكرر وتكثير لهم وعذاب القبر
للكافر والفاسق كلهما حق عندنا واتفق عليه سلف الامة قبل ظهور
الخلافت واتفق عليه الاكثر بعد الای بعد الخلاف وظهور ولا وانكر
مطلقا ضرار بن عمرو وبشر المريسي واكثر المعتزلة من المعتزلة۔

(۸) ماشیہ علیہ اسی صفحہ پر ہے: اتفق اهل الحق على ان الله تعالى يعيد
الى الميت في القبر نوع حياة قدر ما يمتا لم ويتلذذ۔

(۹) فقہ اکبر ص ۱۹: وفي المسئلة خلاف المعتزلة وبعض الرافضة۔

(۱۰) شامی جلد ۲ ص ۲۷۷ قبیل عیدین۔ قال اهل السنة والجماعة،

عذاب القبر حق الى ان قال فيعذب اللحم متصلا بالروح والروح
متصلا بالجسم فيا لهما الروح والجسد وان كان خارجا عنه۔

(۱۱) احسن الفتاوى ص ۱۷۷ حضرت شیخ عبدالحق شمس المات میں فرماتے

ہیں : حیاتِ انبیاء متفق علیہ است پہچ کس راورد و سے خلافت نیست حیاتِ انبیاء
حقیقی نہ حیاتِ معنوی روحانی ۔ اور حیاتِ القلوب میں فرواتے ہیں : بد انکہ در حیات
انبیاء علیہم السلام ثبوتِ ایں صفت مرایشان را و ترقیب و آثار ذاک حکام آل پہچ کس
را از علماء خلاف نیست ۔

مرآت الفلاح شرح نور الایضاح (طحاوی ص ۴۴۴) میں ہے : وما هو مقور
عند المحققین انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق لمنح بجمیع الملائک
والعبادات غیر انہ محجب عن البصار الفاضلین ۔

مرقات شرح مشکوٰۃ طبع جدید جلد ۴ ص ۲۳۸ : قال ابن حجر وما افادہ
من ثبوت حیاتیہ الانبیاء حیوۃ بھا یتعبدون ویصلون فی قبورہم
مع استغناءہم عن الطعام والشراب کالجماعۃ الیومۃ فیہ ۔
لہذا انکار حیاتِ قبری کسی بھی فردِ بشر کے لئے مستزاد اور وافض و خوارج کا قول ہے
اہل حق کا قول نہیں ہے چہ جائیکہ انبیاء اور سردارانِ انبیاء کی حیات ۔ اس کا انکار کتنا
خطرناک ہے غور کیا جائے ۔

نمبر ۱۱ : چونکہ حدیث شریف میں ہے : وجعلت قرۃ العین فی المصلوۃ
اگر حیات نہ ہوگی صلوٰۃ نہ ہو سکے گی ۔ قرۃ العین سے محرومی ہوگی یہ ایک عذاب بن
جائے گا کہ عذاب اذا اللہ عذوبہ حیات ہی ہوتا ہے (العیاذ باللہ) اس لئے قیاس بھی
حیاتِ قبر کی دلیل ہے ۔

نمبر ۱۲ : قلظ نہیں یا شبہ اس لئے ہی پیش آسکتا ہے کہ بعض احادیث و تفاسیر
میں بعض سے قارض معلوم ہوتا ہے اس لئے جمیع کی صورتیں بھی پیش کرنا مناسب معلوم
ہوتا ہے ۔

(الف) مشکوٰۃ شریف کی حدیث : اکتبوا کتابہ فی علیین و اعیاد
الی الارض کے تحت ملاحظہ قاری نے مرقات جدید جلد ۴ ص ۲۳۸ میں لکھا ہے :
قال العسقلانی فی فتاوی : ارواح المؤمنین فی علیین و ارواح الکفار

فی صحیحین و لكل روح بجسدها اتصال معنوی لا یشبه الاتصال فی
الحیوة الدنیا بل اشبه شیئی به حال النائم وان كان هو اشد
من حال النائم اتصالا و بهذا یجمع بین ماوردان مقرها فی علیین
و الصحیحین و بین ما نقله ابن عبد البر عن الجمهور انها عند اثنیة
قبورها قال ومع ذلك ففی ما ذن لها فی الثعرون و تاوی الی محلها من
علیین او صحیحین قال و اذا نقل المیت من قبر الی قبر فلا اتصال المذکور
مستمر و کذا لو تفرقت الاجزاء .

(ب) امام شعرانیؒ میزان جلد ۱، ص ۱۶۱ پر ایک اختلاف نقل کر کے جواب
دے رہے ہیں : واجاب الاول بان الروح ما خرجت منه حقيقة و انما
ضعفت تدبيرها لتعلقها لعالمها العلوی فقط بدلیل سوال
منحصر و تکثیر و عذابها فی القبر و نعيمها و احساس المیت بذلک
و هنا اسرار یعرفها اهل الله لا تسطر فی کتاب فان الکتاب یقع فی
اهله و غیر اهله . تو دوسری طرف یہ حال ہے جہاں رو کا افتاء ہے وہاں روح ہی ہے۔
یعنی علیین و جہنم میں ہونے کے باوجود جسم سے تعلق غیر امتیازی رہتا ہے
مگر دوسری تعلق سے کچھ ضعیف ہے کہ عالم علوی کی مشغولی میں ہے اور نوم سے قوی ہے
اور حقیقت میں خارج نہیں ہوتی۔

(ج) فتح الباری شرح بخاری جلد ۳ ص ۱۴ : السؤال يقع على الروح
فقط ان المیت قد یشاهد فی قبره حال المسئلة لا اشرقیه من
افعاله ولا غیره ولا ضیق فی قبره ولا سعة و کذا لک غیر المقبور کما
المصلوب و جوابهم ان ذلک غیر محتج فی القدرة بل له نظیر فی
العادات و هو النائم فانه یجد لذة و المالا یدرکہ جلیسه بل یقطن
قد یدرک المأول ذلک لما یسمعه او یفکر فیہ ولا یدرک ذلک جلیسه
وانما اتی الغلط من قیاس الغائب علی الشاهد و احوال ما بعد الموت علی

قبلہ والظہر ان اللہ تعالیٰ صرف ابصار العباد و سماعہم عن مشاہدۃ
ذٰلک وستر لا عنہم البقاء علیہم شلویٰ تذاقنا ولبست للجوارح
الذنیویۃ قدر لا علی ادراک اصورا المدکورت الا من شاء اللہ وقد
ثبتت الاحادیث بما ذہب امیہ الجمهور حک قولہ اندہ لیسبح خلق
لناہم وقولہ تخلکف اغضغہ لضمة القبر وقولہ لیسبح صوتہ اذا
ضربہ بالہطراق وقولہ یضرب بین اذنیہ وقولہ فیقعد اسنہ
وکل ذلک من صفات الاجساد ۔

(۵) عذاب قبر اور انواع عذابات کے بعد امام غزالیؒ نے جو عقین فرمائی ہے
وہ غور اور دلنشین کرنے کے قابل ہے ، وارباب القنوب والبصائر بشہدت
بنور البصیرۃ ہذا المہدکات والشعاب فروعہا ان مقدار علوہا
لا یوقف علیہ الا بنور النبوة فمثال ہذا الاخبار لہا ظواہر صغیرۃ
واسرار خفیۃ وکنہا عند باب البصائر واضحۃ فمن لم تنکشف لہ
وقائقہا فلا ینبغی ان ینحصر ظواہرہ بل قل درجات الایمان
المصدق والتسلیم ۔

اس کو غور سے پڑھ جائے اور دیکھا جائے کہ انکار کا کیا درجہ ہے ۔

نمبر ۱۳ : وجہ شہد اور اس کو حل امام غزالیؒ نے جو ”احیاء العلوم“ میں دیات ہے
عبادت مذکورہ کے بعد ہے ترجمہ یہ ہے ۔ (ترجمہ) اگر تم یہ کہو کہ ہم تو کافر کو ایک
مہر تک قبر میں دیکھتے اور ننگرانی کرتے ہیں مگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں دیکھ
پاتے ۔ تو مشاہدہ کے خلاف کیسے تصدیق کر لی جائے ؟ تو سمجھ لو کہ ایسی باتوں کی تصدیق
میں تمہارے لئے تین صورتیں ممکن ہیں ۔

نمبر ۱ : جو بہت ظاہر بہت صحیح ہے اور اس طریقیہ بھی ہے کہ تم اس کی
تصدیق کر لو کہ یہ (۹۹ سانپ) موجود ہیں اور مردہ کو ڈستے ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے ہو
تو یہ آنکھ عالم ملکوت کے امور کے دیکھ پانے کی اہل نہیں ہے اور امور آخرت سب

اسود ملکوت ہی میں کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جبرئیل کے نازل ہونے پر کیسے ایمان لے آئے تھے حالانکہ ان کو دیکھ نہیں پاتے تھے اور اس پر بھی ایمان نہیں رکھتے تو فرشتوں اور وحی پر اصل ایمان کو صحیح کر لینا ہی ہمارے لئے بڑا اہم کام ہے (یعنی اپنا ایمان درست کر دے) اور اگر اس پر ایمان رکھتے ہو اور جائز قرار دیتے ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کا مشاہدہ کر لیتے ہیں جن کا امت مشاہدہ نہیں کر سکتی تو یہ میت کے بارے میں کیوں جائز نہیں رکھتے اور جیسے کہ فرشتہ آدمیوں کے اور جہنم کے مشاہدہ نہیں ہوتا تو یہ زندگی اور سانپ کچھو بھی جو قبر میں ڈالتے ہیں وہ ہمارے عذاب کے سانپوں کی جنس سے نہیں ہیں وہ دوسری جنس ہے جس کو ہم دوسری آنکھ ہی سے دیکھ سکتے ہیں۔

نمبر ۲: یہ کہ سوتے آدمی کی حالت کو یاد کرو وہ سوتے ہیں دیکھتا ہے کہ سانپ اس کو ڈس رہا ہے وہ اس کی اذیت پاتا ہے کہ تم بھی دیکھ لیتے ہو کہ وہ خنید میں چلاتا ہے اور اس کی پیشانی پسینہ پسینہ ہو جاتی ہے اور کبھی جگہ سے اٹھ کر بھاگتا ہے تو یہ سب وہ اپنے اندر ہی محسوس کرتا ہے اور اس سے ایسی اذیت پاتا ہے جیسے بیدار آدمی مشاہدہ کر کے پاتا ہے مگر تم اس کو سکون میں دیکھتے رہتے ہو اور اس کے آس پاس کوئی سانپ نہیں دیکھ پاتا۔ لیکن اس کے حق میں سانپ بھی موجود ہوتا ہے اور تکلیف بھی حاصل ہوتی ہے تو جبکہ اذیت ڈالتے ہیں ہوتی ہے تو کون فرق نہ ہوگا کہ اس کا تختیل ہو یا مشاہدہ ہو (یعنی خواب میں ڈسنے سے بھی عذاب ہے مشاہدہ میں ڈسنے سے بھی عذاب ہے)۔

نمبر ۳: تم جانتے ہو کہ سانپ خود اذیت نہیں دے سکتا بلکہ وہ زہر اذیت دیتا ہے جو اس سے تم کو پہنچتا ہے پھر زہر خود بھی اذیت نہیں ہوتا بلکہ اذیت تمہارے اندر جو زہر سے اثر پیدا ہوتا ہے وہ اذیت ہے تو ایسا ہی اثر اگر زہر کے علاوہ کسی اور شے سے پیدا ہوگا تو اذیت ایسی شدید ترین ہوگی لیکن اس اذیت کی نوعیت کا بیان کرنا ممکن ہی نہیں سوا اس کے کہ اس کے سبب کی طرف منسوب کر دیا جائے جو عادتاً اس کو پیدا کر دیتا ہے مثلاً یہ کہ سانپ کے کاٹنے کی اذیت ہے تو سبب کا اثر وہ تو حاصل ہوگا گو صورت

صورت نہ ہو اور مقصود و مراد ثمرہ ہی ہوتا ہے اس کی وجہ سے سبب کا ذکر ہوتا ہے نہ کہ خود سبب فقط۔ غرض یہ سب چیزیں مشاہدہ میں نہیں ہیں نہ بیان ہی میں آسکتی ہیں مگر سب اس کے مقتضہ ہوتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہاں عذاب کا عقیدہ نہ ہو اور جیسے اس سے پناہ مانگی جاتی ہے اور بچنے کی کوشش ہوتی ہے ایسے ہی اس سے ہونی ضروری ہے۔

نمبر ۱۴ : ایسے عقیدہ والے کے پیچھے نماز کا درست ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس کا درجہ اسلام میں کیا ہے؟ تو اس کے لئے ہم سب کے دین عبدالحق حضرت شاہ عبد العزیز قدس سرہ کا فتویٰ پیش ہے گو ذرا سافرق ہے کہ یہاں سوال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا جبرِ اطہر سے تعلق نہ ہونا بیان ہے اور وہاں ہر کس و نا کس کے متعلق سوال اور اس پر مدار فتویٰ کا ہے مگر یہاں تو وہ بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

(عزیز الفتاویٰ جلد اول ص ۲۹۴)

سوال : انسان را بعد موت ادراک و شعور باقی ماند و زائران خود را می شناسند و سلام و کلام ایشان را می شنود یا نه ؟

جواب : انسان را بعد موت ادراک باقی می ماند یا نہیں بشرح شریف و اقوالہ فلسفی اجماع دانند۔ اما در شرح شریف پس عذاب قبر و تخفیم القبر بتواتر ثابت است و تفصیل آن دفتر طویل می خواهد۔ در کتاب شرح الصدور فی احوال الموتی و القبور کہ تصنیف شیخ جلال الدین سیوطی و دیگر کتب حدیث باید دید۔ در کتب کلامیہ اثبات عذاب القبر میثاق حجتی کہ بعض اہل کلام منکر آن را کافر میدانند و عذاب و تخفیم نیز ادراک و شعور نمی تواند شد۔ و نیز در احادیث صحیحہ مشہورہ در باب زیارت قبور و سلام بر موتی و بکلامی بآنها کہ انتم لنا سلف و نحن بالاشرا وانا انشاء اللہ بحکم لاحقون۔ ثابت است و در بخاری و مسلم موجود است کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و سلم یا شہداء و بدر خطاب فرمودند هل وجدتمہ ما وعدہ ربکم حقاً۔ مردم عرض کردند یا رسول اللہ انتم کھلم من اجساد لیس فیہا روح فرمودند۔ ما انتم یا سمیع منهم و لکنہم

لَا يَحْجِبُونَ۔ در قرآن مجید ثابت است لَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
 اَمْواتٌ عَدِلَ اَحْيَاءُ عَنْهُمْ رَبُّهُمْ يَرْزُقُوكُمْ مِنْ حَيْثُ لَا تَحْتَسِبُ اِنَّ اللَّهَ هُوَ
 فَضْلُهُ۔ بلکہ از احوال پس آئند گال خود ہم خوشی و بشارت ثابت است۔ و یستبشرون
 بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْقِهِمْ اِنَّ اَخْوَفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔
 بالجلد انکار شعور و اور اک اموات اگر کفر با شد و الحاد بودن او شبہ نیست
 و اما قواعد فلسفہ پس بقائے روح بعد از مفارقت و بقا و شعور و ادراک و لغت روحانی
 محیی علیہ فلا سفاست الا جالوس و لہذا اور اور فلا سفر نشمرہ اند۔ پس ظاہر است کہ
 بدن دائم و محلل است و روح و شعور و ادراک دائم و در ترقی است پس مفارقت بدن
 در سلب ادراک و شعور و اوچہ قسم تاثیر تواند کرد۔

(سوال) اگر ادراک و شعور می ماند بقدر حیات می ماند یا زیادہ و کم می شود؟
 (جواب) ادراک و شعور اہل قبور بعد موت در بعض امور زیادہ میشود و در بعضی کم
 آنچه تعلقی با مویذیب دارد و ادراک آنها زیادہ است و آنچه تعلقی در امور دنیویہ با شدہ
 ادراک آنها کم۔ مہیش آنست کہ انتفات و توجہ ایشان در امور غیبیہ زیادہ است و در امور
 دنیویہ کم۔ پس بایں جهت تفاوت واقع می شود و الا اصل ادراک و شعور یکساں است
 بلکہ اگر تامل کردہ شود در دنیا نیز بسبب توجہ و انتفات زیادتی و کمی در شعور و ادراک
 واقع میشود۔ چنانچہ دقائق علیہ را و کلائے ادب را بسیار کم می فہمند و لذائذ طعام و مآسن نہا
 و کیفیات لغات و لوثر را میرنارہ با خوب ادراک میکنند و علماء و فضلاء در ادراک
 آن چیز با بسیار قاصر اند این بر سبب قلت توجہ و انتفات است و کثرت آن۔ فقط
 او پر آیات و احادیث متواترہ و اجماع اہل حق و قبول عقل سلیم کے اہل کے
 بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فتویٰ فیصلہ کن ہے۔ آیات کا انکار احادیث
 متواترہ کا انکار اجماع کا انکار یہ سب ایسا تھا کہ اس پر اسلام کا باقی رہت مشکل تھا
 مگر بات یہ ہے قطعی الثبوت کے ساتھ قطعی الدلالت ہونا جب تک نہ ہو اس کے
 انکار کو کفر نہیں کہا جا سکتا۔ چونکہ بعض تاویلات ایسی ممکن ہیں جو قواعد طریقت پر

صحیح بن جاتی ہیں۔ گورو سرری آیات و احادیث سے ان پر عمل درست نہ ہو۔
والحدود تند رہی بالشبهات اس لئے شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے: ”اگر کفر نہ پائے“
کیونکہ یہ عقیدہ ظلم اہلسنت کے خلاف ہے باطل فرقوں مستزاد خارجیہ اور رافضیہ کا
ہے اس لئے اس کو بدعت ضرور قرار دیا جائے گا۔ اور نماز کی امامت کے قاعدہ کے
تحت آجائے گا۔ جو فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز کا ہے کہ ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ
تخریج ہوگا اور جس کو اچھے امام کے پیچھے نماز ملنی ہو پھر اقتداء کرنا بھی امام بنانا ہے
اس کی اور امام بنائے رکھنے والوں کی نماز مکروہ تخریج ہوگی۔ اور جس کو ان دونوں سے
یعنی امام بنائے رکھنے یا صحیح ملنے سے مستذہبی ہو اس کے لئے مکروہ تنزیہی ہوگی کہ
تہا سے یہ جماعت افضل ہے جیسے کہ شامی میں یہ تفصیل احادیث: من وقر
فاسقا اور من وقر بعد عیا (الحديث) اور صلوا خلف کل بر وفاجسر
حدیث سے ماخوذ کر کے بیان ہے۔ واللہ اعلم۔

نمبر ۱۵: چونکہ انبیاء علیہم السلام اور دوسروں کی حیات بعد الموت میں اہل سنت
والجماعت کی مخالفت سلف کے باطل فرقوں نے کی تھی۔ کچھ عقل و نقلی دلائل بھی پیش
کئے تھے بزرگان سلف نے ان کو نقل کو کے ان کا باطل ہونا ظاہر و ثابت کیا ہے اگر
یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کیا کیا دلائل تجویز کرتے ہیں تو باطل ہونے کی دلیلیں بھی پیش کی
جا سکتی ہیں اگرچہ اہل سنت والجماعت سے مستزاد وغیرہ کی تقلید کی امید نہیں ہے
اس لئے سیر دست پیش نہیں کی گئیں۔

۲۶ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ